اُمّ الائمّہ

اس کتاب کو تصنیف کرنے کی یوں ضرورت محسوس ہوئی کہ شمس العلماء ڈپٹی
نذیر احمد صاحب دہلوی نے ایک رسالہ موسوم بہ امہات الامۃ لکھ
کر شایع کیا جس سے اسلامی دنیا میں تہلکہ پڑ گیا اور مسلمانوں کی طرف سے
اس قدر شور وغوغا بلند ہوا کہ بالآخر ندوۃ العلماء کے سالانہ جلسہ
بمقام دہلی میں یہ کتاب ایک جم غفیر کے سامنے جلادی گئی - ام الائمہ
ان تمام دریدہ دہنیوں کا جواب ہے جو جناب فاطمۃ الزہرا صلوات
اللہ علیہا کی سیرۃ کے متعلق کی گئی تھیں - اس کے مصنف عالیجناب
قاضی سید محمد محسن صاحب وفا نائب رجسٹرار ہیں

سنہ ۱۳۲۹ھ

سید صغیر حسن مالک مطبع یوسفی نے چھپوا کر شایع کیا

مختصر فہرست کتب موجودہ کتب خانہ مطبع یوسفی کشمیری دروازہ دہلی

دامن مریم

اُردو علم ادب کی خاص شان لیے ہوئے اک نادر کتاب جو نوعمر لڑکیوں سے لیکر صاحب اولاد خواتین تک لاجواب معلومات کا گنجینہ ہے اگر آپ اپنی امیدوں یا نونہالوں کو اس نئی دنیا میں رہتے دم تک سرسبز اور شادکام رکھنا چاہتے ہیں تو دامن مریم کی ایک جلد ضرور منگا کر مطالعہ پر مجبور کریں اگر لڑکیوں کا پیش بہا جہیز دامن مریم سے خالی ہے تو لاکھوں روپیہ صرف کر دینے پر بھی ناکافی سمجھا جائے گا مصنفہ حضرت افسر الشعرا آغا شاعر صاحب دہلوی جانشین حضرت داغ مرحوم قیمت فی جلد ۸/

کلام المتین الموسوم بہ بلاغ المبین

کتب مناظرہ میں ایک جدید اور لطیف و مفید اضافہ جس کا دوسرا نام بلاغ المبین ہے جو تصنیف عالیجناب مولوی حافظ خواجہ فیاض حسین صاحب مد ظلہ مدرس مدرسہ سیفیہ میرٹھ مؤلف ممدوح کی یہ پر مغز تحریر ہزار ہزار قابل داد ہے جنہوں نے نہایت صفائی اور خوش تحریری اور محنت شاقہ سے اس کتاب کو تالیف فرمایا ہے محض اس لیے کہ برادران ایمانی اس کے ذریعہ سے اپنی تحقیقات اور معلومات مذہبی کو وسیع کریں اور مخالفین سے بروقت مناظرہ بازی لے جائیں یہ کتاب نہایت تہذیب اور متانت کے ساتھ معرض تحریر میں لائی گئی ہے اور جا بجا کتب اہل سنت کے حوالے مع نام کتاب و صفحہ و سطر چھاپہ درج ہے تاکہ معترض کو جائے اعتراض باقی نہ رہے ضخامت ۴۰۰ صفحہ قیمت عہ

نور ایمان

یہ رسالہ دو طالب علموں کا مناظرہ ہے منجملہ اُن کے ایک کا نام علی رضا اور دوسرے کا نام محی الدین ہے یہ دونوں طالب علم ایک کالج میں تعلیم پاتے تھے ایک دن نماز پڑھنے پر باہم گفتگو شروع ہوئی آخرکار علی رضا صاحب نے بدلائل معقول و منقول قائل کیا اور محی الدین صاحب مذہب حقہ کی طرف رجوع ہوئے اور طریق باطل کو ترک کیا یہ مناظرہ قابل دید ہے ضخامت ۱۰۰ صفحہ قیمت فی جلد عہ

آئینہ اسلام

ابتدائے اسلام سے لیکر شہادت امام حسین کے واقعہ ہائلہ تک اردو زبان میں ایک مختصر تاریخ جس کو آغا محمد حسین صاحب میر آبادی نے کتب معتبرہ و جدول قید قلم میں لائے ہیں نہایت آب و تاب ولایتی کاغذ پر چھپ کر تیار ہے اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ تاریخ اسلام کے بڑے بڑے واقعات کا خصوصاً خلاصہ کیا گیا گویا مؤلف ممدوح نے دریا کو کوزہ میں بند کیا ہے اور محض تالیف یا تصنیف ہی نہیں ہے بلکہ عالیجناب رائٹ آنریبل جسٹس سید امیر علی صاحب کی مشہور کتاب سپرٹ آف اسلام کا بامحاورہ ترجمہ اور خلاصہ ہے قیمت فی جلد ۵/

المشتہر سید صبغۃ حسن مالک مطبع یوسفی دہلی

الفاطمة بضعة منی من اذاها فقد اذانی

الحمد للہ والمنۃ کہ دریں ایام میمنت فرجام جواب کتاب امہات الامہ ۔ اعنی

ام الائمہ

بجواب امہات الامہ

۱۳۲۹

من تصنیفات جناب قاضی سید محمد محسن صاحب وفا سیتاپوری سب جج مراد

سید صغیر حسن شمس ابن سید زید الحسنی الواسطی نے یوسفی مطبع دہلی میں چھپوا کر شایع کیا

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم واھلبیتہ الطیّبین الطاہرین المعروف بالثقل العظیم ۵

صبت علی مصائب لوانھا

صبت علی الایام صرن لیالیا

اسلامی دنیا کا وہ فرد جسے ذرا بھی اپنی مذہبی کتابوں پر نظر ہوگی وہ اس مخدومہ اور معظمہ سے کبھی ناواقف نہیں ہو سکتا جس کی مقدس زبان سے یہ شعر نکل کر درد والم کا پورا پورا مرقع کھینچ رہا ہے - خدیجہ کی لخت جگر - رسولؐ کے کلیجہ کا ٹکڑا - علیؑ کی زوجہ حسنینؑ علیہم السلام کی مطہرہ والدہ فاطمۃ الزہراؑ سیدۃ النساء کوئی ایسی غیر معروف خاتون نہیں ہے جسکا نام کبھی سچے مسلمان کے سامنے لیا جائے اور وہ عقیدت کی پیشانی آستان نیاز پر نہ رکھدے وہ فاطمہؑ جس کے ذریعہ سے رسولؐ کی نسل قایم رہی - وہ فاطمہؑ جس کی ایذا کو رسول مکرمؐ نے اپنی ایذا سے تعبیر کیا وہ فاطمہؑ کہ جس کی طہارت اور ہر قسم کے رجس ظاہری و باطنی سے پاکیزگی پر خداوند عالم کا محکم کلام صاف اور روشن الفاظ میں گواہی کے لئے موجود ہے - ضرور اس بات کی مستحق ہے کہ نام سنتے ہی اس کے سامنے درود و سلام کا ہدیہ پیش کیا جائے - لازم ہے کہ اس کی زندگی کے واقعات قلم بند ہوں - ضروری ہے کہ علمائے فریقین کی رائیں اس معصومہ کی عظمت و جلالت کے باب میں نقل کی جائیں اور ان لوگوں کو شرم و خجالت کے پسینوں میں نہانے کا موقع دیا جائے جو آج تیرہ سو برس کے بعد بھی انکی شان میں محض بغض و خروج کے طرفدار بنکر بیہودہ گریہ اور نا ملایم سے نا ملایم الفاظ استعمال کر کے پھر اس کی روح سے بھی اس شعر کے تکرار کے متمنی ہیں جو اپنے شفیق

باپ اور واجب الاتباع رسولؐ کی وفات کے بعد جفاکاران امت کے بے انتہا مظالم برداشت کرتے ہوئے آپکے منہ سے نکلا تھا جسے ہم درج عنوان کرتے ہیں۔

اسلام کی اس محترم خاتون اور معصومہ پر زبان طعن دراز کرنے میں سواد اعظم کے افراد اور پیروان حضرت ابوبکر و عمر نے یوں تو اکثر نہایت کشادہ دلی سے کام لیا ہے مگر ہندوستان کے ایک مشہور آزاد خیال منصف مزاج یعنی جناب شمس العلماء نذیر احمد صاحب سلمہ اللہ ربہ کی جدید تالیف امہات الامۃ کو دیکھ کر جس کی نسبت مولف کا یہ دعوے ہے کہ کتاب ہذا آپ نے نہ شیعہ ہو کر لکھی ہے نہ سنی بنکر اور جس میں اس معصومہ کی ذات سے کچھ بے بنیاد الزام چسپاں کیے گئے ہیں ہمیں تعجب ہوتا ہے حضور صاحب جب ہم شمس العلماء جیسے فاضل شخص کو دیکھتے ہیں اور پھر ان غلط واقعات پر نظر ڈالتے ہیں۔

جس بزرگ خاتون کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے اپنی بے نظیر وجاہت اور بے لوث اور تمام اخلاق حسنہ سے بھری ہوئی زندگی کے سبب گو ضرور اس قابل ہے کہ اس کی تھوڑی سی حیات کے واقعات کو اہل ایمان کے سامنے اجتماعی صورت میں پیش کیا جائے لیکن مصنف ممدوح کی کتاب مذکور کو دیکھ کر اب یہ امر بمنزلہ واجب سمجھا جاتا ہے کہ سوانح بھی قلم بند ہوں اور ان ہی کے ضمن میں اُن تمام الزامات اور غلط واقعات کی اصلیت بھی روشن کر دی جائے جن سے مصنف ممدوح نے نہایت ایمانداری اور بے انتہا ہوشیاری سے کام لیکر اپنی کتاب کو مزین کیا ہے فنسئل اللہ التوفیق وبہ نستعین

واضح ہو کہ جب نبوت کا درخشندہ آفتاب ضلالت کے ابر میں چالیس برس ختم کر کے بحکم ایزدی دنیا کو نورانی کر چکا۔ امر ہدایت جاری ہو گیا اور اس ہادی برحق کو نافرمانوں کے مظالم سہتے سہتے کامل چار برس گذر گئے پانچویں کی ابتدا ہوئی تو سنہ پنجم بعثت میں جب بقول صاحب ناسخ التواریخ بتاریخ بستم ماہ جمادی الثانی حضرت زہرا کے نور نے مدینہ کی گلی کوچوں کو درخشاں کر دیا۔ کتاب ریاض الشہادۃ میں ملا محمد حسین قزوینی رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ کتاب امالی صادق آل محمد سے یہ حدیث نقل فرماتے ہیں اور جلاء العیون میں بھی یہی مرقوم ہے کہ جس دن سے حضرت خدیجہ نے حبیب خدا کو اپنا محبوب بنایا تھا اسی دن سے زنان قریش کے دل میں اُن کی طرف سے ایک دشمنی سی پیدا ہو گئی تھی نہ کوئی عورت آپ کے پاس آتی تھی نہ سلام کرتی تھی اور نہ کسی اور کو آنے دیتی تھی وحشت اور تنہائی کا سلسلہ دراز ہوتا تھا جس سے رنجیدہ اور ملول ہونا جناب خدیجہ کے لیے ایک لازمی بات تھی۔ جب جناب سیدہ کا حمل بطن اقدس میں قرار پایا تو آپ اپنی والدہ سے پردۂ شکم میں باتیں

کیا کرتی تھیں تلقین صبر فرماتی تھیں جس سے کہ تنہائی کا صدمہ کم ہو جاتا تھا جناب خدیجہ نے اس امر کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سے مخفی رکھا تھا۔ ایک روز آپ تشریف لائے جناب خدیجہ کو کسی سے باتیں کرتے ہوئے دیکھا مگر وہ شخص مخاطب نظر نہ آیا دریافت کیا جس کے جواب میں عرض کی گئی کہ یہ جنین جو میرے شکم میں ہے مجھ سے ہمکلام ہوا کرتا ہے حضرت نے فرمایا کہ اسی وقت مجھے جبرئیل نے خبر دی ہے کہ یہ ایک دختر ہے طاہرہ معصومہ میمونہ مبارک۔ خداوند عالم اسی کی ذات سے میری نسل کو قائم رکھے گا اس کی نسل سے ائمہ و پیشوایان دین پیدا ہوں گے۔ وقت ولادت تک اسی قسم کے حالات ظاہر ہوتے رہے اور جب وہ وقت آیا کہ یہ نور دنیا کو شان ایزدی کا جلوہ دکھائے تو جناب خدیجہ نے زنان قریش کو پیغام بھیجا کہ اس وقت میری امداد کرو ادھر سے صاف جواب یہی آیا کہ چونکہ تم نے ہماری مرضی کے خلاف محمد یتیم ابو طالب سے نکاح کر لیا ہے جس کے پاس زر و مال کچھ بھی نہیں لہذا ہم تمہارے شریک حال نہیں ہو سکتے۔ خدیجہ سلام اللہ علیہا کے دل پر اس جواب کا گہرا ملال چھایا ہوا تھا کہ اسی اثنا میں چار بیبیاں گندم گوں بلند قامت جو زنان بنی ہاشم سے مشابہ تھیں آپ کے پاس آئیں جنہیں دیکھ کر بوجہ اجنبیت آپ پر ایک قسم کا ہراس طاری ہوا اور فوراً ہی ان آنے والی بیبیوں میں سے ایک نے کہا اے خدیجہ ذرا بھی اندیشہ نہ کرو ہم تمہاری بہنیں ہیں۔ ہم خدا کی بھیجی ہوئی یہاں آئی ہیں۔ ہم میں سے ایک سارہ زوجہ ابراہیم ہیں۔ ایک آسیہ بنت مزاحم زوجہ فرعون، ایک مریم بنت عمران۔ ایک کلثوم خواہر موسیٰ۔ ہمیں حکم ہوا ہے کہ اس وقت تمہاری خدمت بجا لائیں۔ یہ کہہ کر ایک بی بی داہنی جانب بیٹھی ایک بائیں طرف ایک پس پشت ایک سامنے۔ اور اسی عالم میں جناب سیدہ پیدا ہوئیں اور ان تمام کثافتوں سے پاک پیدا ہوئیں جو اس طرح کے موقع پر عورتوں کے لئے ہوتی ہیں ایک نور چمکا اور مدینہ کے مکانات کو نورانی کر گیا دس حوریں بہشت کے طشت اور ابریق لئے ہوئے آئیں جن میں آب کوثر لبریز تھا اور ان بی بی کو دیا جو حضرت خدیجہ کے سامنے بیٹھی تھیں انہوں نے آپ کو اس سے غسل دیا اور دو کپڑے نہایت نازک اور باریک نکالے جو بالکل براق اور خوشبو تھے ایک سے بدن کو اور ایک کو سر سے لپیٹا۔ پھر مولود سے گویا ہوئیں جس کی زبان سے پہلے پہل یہ لفظ نکلے اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وان ابی رسول اللہ وسید الانبیاء وان بعلی سید الاوصیاء وولدی سادۃ الاسباط پھر ہر بی بی کو نام بنام سلام کیا وہ بیبیاں نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ ہمکلام ہوتی تھیں۔ اہل ایمان نے آپس میں ولادت دختر خیر البشر کی بشارت دی آسمانوں میں ایک نور ظاہر ہوا جسے ملائکہ نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ پھر ان خواتین نے آپ کو حضرت خدیجہ کی گود میں دیا

در کہا لو اس پاکیزہ دختر کو یہ طاہرہ ہے میمونہ ہے۔ مبارکہ ہے۔ خود بھی اور اسکی نسل بھی حضرت خدیجہ اس عطیہ عظمیٰ پر شکر خدا بجا لائیں اور قدرت کے فیاض ہاتھوں نے قوت نمو و بالیدگی کو اس فیاضی سے عطا فرمایا تھا کہ آپ ایک مہینے کی عمر میں ایک سال کی معلوم ہوتی تھیں

ہم ابھی ذکر کر آئے ہیں کہ حضرت کی ولادت سال بعثت پنجم میں ہوئی ہے یہ سال اگر واقعات کے پہلو سے بھی دیکھا جائے تو نہایت مبارک سال ہے۔ تین سال تک مخفی دعوت کرنے کے بموجب بہ حکم محکم فاصدع بما تؤمر و اعرض عن المشرکین (جس کام پر تو مامور کیا گیا ہے اُسے آشکارا کردے روشن کردے اور مشرکین سے منہ پھرا لے) آپ نے علانیہ دعوت شروع کی اور ابولہب نے جسے سنکر کہا کہ میرا بھتیجا دیوانہ ہو گیا ہے اور ساتھ ہی آیۂ و انذر عشیرتک الاقربین (اپنے قریبی قبیلہ والوں کو ڈرا) نازل ہوا اور آپ نے اس کار رسالت کو بھی بوجہ احسن انجام دے کر جناب امیر کو جو اول الایمان و الاسلام تھے منصب خلافت کا جائز وارث قرار دے دیا جس کی مفصل کیفیت محمد ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں اس طرح قلمبند کی ہے۔

حدثنا ابن حمید قال حدثنا سلمة قال حدثنی محمد بن اسحاق عن عبد الغفار بن القسم عن المنہال بن عمرو عن عبید اللہ بن الحارث بن نوفل بن الحارث عن عبد المطلب عن عبد اللہ بن عباس عن علی ابن ابی طالب قال لما نزلت ہذہ الآیة علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وانذر عشیرتک الاقربین دعانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال لی یا علی ان اللہ امرنی ان انذر عشیرتی الاقربین فضقت بذلک ذرعاً وعرفت انی متی اباد یہم بہذا الامر اریٰ منہم ما اکرہ فصمت علیہ حتی جاءنی جبرئیل فقال یا محمد انک ان لا تفعل ما تؤمر بہ یعذبک ربک فاصنع لنا صاعاً من طعام واجعل علیہ رجل شاة واملأ لنا عساً من لبن ثم اجمع لی بنی عبد المطلب حتی اکلمہم وابلغہم ما امرت بہ ففعلت ما امرنی بہ ثم دعوتہم لہ وہم یومئذ اربعون رجلاً یزیدون رجلاً او ینقصونہ فیہم اعمامہ ابو طالب وحمزہ والعباس وابو لہب فلما اجتمعوا الیہ دعانی بالطعام الذی صنعت لہم فجئت بہ فلما وضعتہ تناول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حذیة من اللحم فشقہا باسنانہ ثم القاہا فی نواحی الصحفة ثم قال خذوا بسم اللہ فاکل القوم حتی ما لہم بشئ حاجة وما اریٰ الا مواضع ایدیہم وایم اللہ الذی نفس علی بیدہ ان کان الرجل الواحد منہم لیاکل ما قدمت لجمیعہم ثم قال اسق القوم فجئتہم بذلک العس فشربوا منہ حتی رووا جمیعاً وایم اللہ ان کان الرجل الواحد منہم لیشرب مثلہ فلما اراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان یکلمہم بدرہ ابو لہب

الی الکلام فقال لقد ما سحرکم صاحبکم فتفرق القوم ولم یکلمہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
فقال الغد یا علی ان ھذا الرجل سبقنی الی ما قد سمعت من القول فتفرق القوم قبل ان اکلمہم فاعدلنا
من الطعام مثل ما صنعت ثم اجمعہم الی قال ففعلت ثم جمعتہم ثم دعانی بالطعام فقربتہ لھم ففعل
کما فعل بالامس فاکلوا حتی ما لھم بشیء حاجۃ ثم قال اسقہم فجئتہم بذلک العس فشربوا حتی رووا منہ
ثم تکلم رسول اللہ علیہ وسلم فقال یا بنی عبدالمطلب انی ما اعلم شابا فی العرب جاء قومہ بافضل ما جئتکم
بہ انی قد جئتکم بخیر الدنیا والاخرۃ وقد امرنی ان ادعوکم الیہ فایکم یوازرنی علی ھذا الامر علی
ان یکون اخی ووصیی وخلیفتی فیکم قال فاحجم القوم عنہا وقلت وانی لاحدثہم سنا وارمصہم
عینا واعظمہم بطنا واحمشہم ساقا انا یا نبی اللہ اکون وزیرک علیہ فاخذ برقبتی ثم قال ان
ھذا اخی ووصیی وخلیفتی فیکم فاسمعوا لہ واطیعوا قال فقال القوم یضحکون ویقولون لابی طالب
قد امرک ان تسمع لابنک وتطیع انتہیٰ

یہ سلسلہ رواۃ جو جناب امیر پر منتہی ہوتا ہے اسکا ماحصل یہ ہے کہ جناب امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب آیۂ وانذر عشیرتک الاقربین نازل ہوا تو مجھے حضرت رسول اللہ نے طلب کیا اور فرمایا یا علیؑ مجھے حقتعالے نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرانے کا حکم دیا ہے اس سے میں دل تنگ ہوا اور سمجھا کہ جس وقت میں انہیں (عذاب خدا سے) ڈراؤں گا تو اُن کی طرف سے وہ امر پیش آئے گا جسے میں مکروہ سمجھتا ہوں میں نے سکوت اختیار کیا حتی کہ جبرئیل نازل ہوئے اور کہنے لگے کہ اگر وہ حکم تمنے نہ پہنچایا جس پر مامور ہوئے ہو تو خداوند عالم آپکو عذاب کرے گا پس اے علی اب تم بمقدار ایک صاع کھانا - ایک گوسفند کی ران اور ایک جام دودھ لاؤ اور اولاد عبدالمطلب کو میرے پاس بلالو تاکہ میں خبردار کروں اور وہ پیام پہنچادوں جس پر مامور ہوا ہوں یہ ارشاد سنکر میں نے اُسکی تعمیل کی پھر اُن لوگوں کو بلالایا اور وہ کم و بیش چالیس آدمی تھے انہیں میں آپ کے اعمام - ابوطالبؑ حمزہؓ عباسؓ اور ابولہب بھی تھے - رسول اللہ نے مجھے کھانا لانیکا حکم دیا میں نے حاضر کیا حضرت نے اپنے دست مبارک سے ایک ٹکڑا گوشت کا لیا اور اپنے دانتوں سے ریزہ ریزہ کرکے اسے پیالے کے گرد ڈالدیا - پھر فرمایا کہ اللہ کا نام لیکر کھاؤ وہ کھانے لگے حتی کہ شکم سیر ہوگئے اور انہیں کسی شے کی حاجت باقی نہ رہی اور کھانا اسی طرح رہا قسم ہے اُس ذات اقدس کی جس کے قبضۂ قدرت میں علیؑ کی جان ہے کہ اُن میں سے فقط ایک آدمی اتنا کھانا کھا سکتا تھا - پھر حضرت نے انہیں سیراب کرنیکا حکم دیا میں کاسۂ شیر لے آیا جس سے وہ سب سیراب ہوگئے

اور ایک آدمی اُن میں سے اتنا دودھ پی سکتا تھا اس کے بعد رسول اللہ نے اُن سے کلام کرنے کا ارادہ کیا اور ابولہب بول اُٹھا او ہو حقیقتاً تمہارے صاحب نے تم پر بڑا جادو کیا ہے یہ سُنتے ہی سب اُٹھ کر چلے گئے اور آپ کچھ کہنے نہ پائے اگلے روز حضرت نے صبح کو فرمایا یا علی کل ابولہب نے مجھ پر سبقت کی اور جو کچھ اُسنے کہا تم نے بھی اُسے سُنا ہے۔ آج پھر مثل سابق وہی سامان کرو اور اُن سب کو بلا لاؤ جناب امیر فرماتے ہیں کہ میں نے پھر اسی طرح کھانا تیار کیا ان سب کو جمع کیا اور حسب ارشاد رسول کھانا اُن کے سامنے رکھا اور حضرت نے مثل کل کے وہی عمل کیا بغرض انھوں نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا پھر پینے کا سہ شیر پیش کیا اس سے سب سیراب ہو گئے اُس وقت حضرت یوں گہر افشاں ہوئے اے اولاد عبد المطلب عرب کا کوئی شخص اپنی قوم کے لئے وہ تحفہ نہیں لایا جو میں تمہارے واسطے لایا ہوں وہ کیا ہے بھلائی دنیا کی اور آخرت کی مجھے میرے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ میں اس امر نیک کی طرف دعوت دوں اب تم میں کون ایسا شخص ہے جو اس کام میں میرا بوجھ ہلکا کرے اور اس امر کو قبول کرے کہ تم میں میرا بھائی میرا وصی ہو میرا خلیفہ ہو حضرت فرماتے ہیں کہ یہ سنکر وہ لوگ خاموش ہو گئے اور میں کہ ان لوگوں سے کم سن اور ضعیف القویٰ تھا اُٹھا اور عرض کی یا رسول اللہ میں آپ کے اس بوجھ کو ہلکا کروں گا۔ یہ سنکر حضرت نے میری گردن پر ہاتھ رکھا اور فرمایا بیشک یہ میرا بھائی ہے۔ میرا وصی ہے میرا خلیفہ ہے تم میں۔ تم اس کے حکم کو سنو اور اسکی اطاعت کرو یہ سنتے ہی وہ سب لوگ ہنسنے لگے اور ابوطالب سے (امراً یا طعناً) کہا تجھے حکم دیا ہے کہ اپنے بیٹے کے حکم کو سن اور اُس کی اطاعت کر۔

اس واقعہ کو بظاہر اس رسالہ سے کوئی ربط نہیں معلوم ہوتا لیکن فی الحقیقت دیکھو تو ایک گہرا تعلق موجود ہے علی و فاطمہ دو دو نہیں اور پھر اس سے ان متعصبین اہل سنت کی نہایت عمدہ طریقہ سے تردید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ رسولؐ نے کسی موقع پر اشارۃً یا کنایۃً علی ابن ابیطالب شوہر بتولؑ کی خلافت کا اظہار نہیں کیا شاہ ولی اللہ دہلوی جناب شاہ عبد العزیز کے والد بزرگوار نے اس واقعہ کو بحث خلافت سید الاوصیاء میں بایں مع ایت خصائص نسائی سے نقل کیا ہے

ان رجلا قال لعلی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ بما ورثت ابن عمک دون عمک قال جمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او قال دعا رسول اللہ بنی عبد المطلب فصنع لھا مداً من الطعام قال اکلوا حتی شبعوا و بقی الطعام کما ھو کان لم یمس ثم دعا بغمر فشربوا حتی رووا و بقی الشراب کان لم یمس ولم یشرب فقال یا بنی عبد المطلب بعثت الیکم خاصۃ والی الناس عامۃ وقد رایتم من ھذہ

الاھتمعار انتیمو ایکم یبایعنی علی ان یکون اخی وصاحبی ووارثی فلم یقم نعبل احد فقمت الیہ وکنت صغر القوم قال اجلس ثم قال ثلث مرات کل ذالک اقوم الیہ فیقول لی اجلس حتی کان فی الثالث ضرب بیدہ علی یدی ثم قال مثل لک و ورثت ابن عمی دون عمی انتہی جناب امیر علیہ السلام سے ایک شخص نے سوال کیا کہ آپ اپنے ابن عم کے وارث ان کے اعمام کے ہوتے ہوئے کیونکر ہو گئے آپ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ نے جمع کیا یا یہ فرمایا کہ بنی المطلب کو بلایا اُن کے لئے ایک مد کھانا تیار کیا۔ انھوں نے سیر ہو کر کھایا اور کھانا اسی طرح بچ رہا گویا اُسے کسی نے چھوا ہی نہیں پھر ایک جام شیر طلب کیا جس میں سے سب نے اچھی طرح پیا اور دودھ اسی طرح باقی رہا گویا اُسے کسی نے ہاتھ نہیں لگایا اور کسی نے اُس میں سے نہیں پیا۔ پھر فرمایا اے اولاد عبدالمطلب میں تمھاری طرف خصوصاً اور دیگر لوگوں کے لئے عموماً مبعوث ہوا ہوں اور اس امت کو تم نے جیسا دیکھا ہے دیکھا ہی ہے۔ اب تم میں سے کون اس امر پر میری بیعت کرتا ہے کہ وہ میرا بھائی ہو میرا ہمنشین ہو میرا وارث ہو یہ سنکر اُن میں سے کوئی نہ اُٹھا میں کھڑا ہوا حالانکہ میں اُن سب سے چھوٹا تھا مجھ سے حضرت نے فرمایا بیٹھ جاؤ اور تین مرتبہ آپ نے سب کو مخاطب کر کے یہی کلمات فرمائے اور ہر بار میں ہی اُٹھا تھا آخری تیسری مرتبہ حضرت نے میرے ہاتھ پر ہاتھ مارا سائل سے یہ واقعہ بیان کر کے جناب امیرؑ نے فرمایا کہ اس وجہ سے میں اور اعمام کی موجودگی میں اپنے ابن عم (رسولخدا) کا وارث ہوا ہوں۔

ایک سطحی نظر ڈالنے سے بھی روشن ہو جائے گا کہ رسول اللہ نے کیسے صاف اور روشن لفظوں میں اپنے جانشین کا اعلان فرمایا ہے اور اس وزیر نے کس خندہ پیشانی جرأت اور بے نظیر استقلال کا نمونہ دکھلانے والے لفظوں میں امر نبوت میں امداد کا وعدہ کیا ہے اسکی نسبت ایک انگریز مورخ گبن لکھتا ہے ایک نوجوان اس حیرت و شک اور حقارت آمیز خاموشی کی برداشت نہ لا سکا اور گویا ہوا یا رسول اللہ اگرچہ میں اس مجمع میں سب سے کم عمر ہوں مگر اس مشکل خدمت کو میں بجا لاؤں گا۔ اسی واقعہ کو قلمبند کر کے مسٹر کارلائل صاحب فرماتے ہیں۔ اگرچہ بیر مجمع جس میں ابوطالب علی کا باپ بھی تھا محمد کا دشمن نہ تھا مگر تاہم ایک ادھیڑ عمر کے ان پڑھ آدمی اور ایک سولہ برس کے لڑکے کا یہ فیصلہ کرنا کہ وہ دونوں ملکر تمام دنیا کے خیالات کے برخلاف کوشش کریں گے ایک مضحکہ کی بات معلوم ہوئی اور تمام مجمع قہقہہ لگا کر منتشر ہو گیا مگر ثابت ہو گیا کہ یہ کوئی ہنسی کی بات نہ تھی بلکہ بہت ٹھیک اور درست تھی یہ نوجوان علی ایسا شخص تھا کہ ضرور ہے کہ ہر شخص اسکو پسند ہی کرے اور اس امر سے جو اوپر بیان کیا گیا ہے اور نیز اور باتوں سے جو ہمیشہ اس کے بعد اس سے ظہور میں آئیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک صاحب اخلاق

فاضلہ محبت سے بھرپور اور ایسا بہادر شخص تھا کہ جسکی آگ جیسی تیز و تند جرأت کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی تھی اس شخص کی طبیعت میں کچھ عجیب قسم کی جوانمردی تھی ۔ شیر سا تو بہادر تھا مگر باوجود اس کے مزاج میں ایسی نرمی اور رحم اور سچائی اور محبت تھی جیسی ایک کرسچین نائٹ (عیسائی دیندار جوانمرد) کی شایاں ہے ان واقعات کو دیکھ کر اگر شیعہ جماعت اپنے دل میں فیصلہ کرے کہ علی کو اپنی مسند پر دیکھنا پیغمبر کا دلی مقصد تھا تو عقلمندوں کے لئے تو ذرا بھی محل استعجاب و تعجب نہیں ۔ شاہ ولی اللہ صاحب جہاں اس واقعہ کو خلافت علی کے لئے بایں الفاظ ایک قوی دلیل تسلیم کرتے ہیں کہ از انجملہ آنکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیش از ہجرت با و معاملہ منتظر الخلافہ کہ یکے از لوازم خلافت خاصہ ست بجا آورد وہاں انکے ہم مذہب علمائے متاخرین کی یہ تاویل کسقدر بعید از عقل اور قابل مضحکہ معلوم ہوتی ہے کہ اس حدیث سے خلافت بلا فصل مراد نہیں بلکہ خلافت چہارم مراد ہے ۔ کلام کی تفسیر اس طریقہ سے جبیر متکلم راضی ہو ہم نہیں سمجھتے کس قسم کی عقل کا شیوہ ہے حدیث میں آیا کوئی لفظ ایسا دکھایا جا سکتا ہے جس سے یہ معنی استنباط کئے جاسکیں ہرگز نہیں دوم یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ گو اسوقت جناب عمر لات و عزے کی خاک پا کو اپنی آنکھوں کا سرمہ سمجھ رہے تھے مگر حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان تو موجود تھے جو بزعم اہلسنت علی سے زیادہ مستحق خلافت تھے اور اسی لئے علی سے پہلے وہ اس رتبہ پر فائز ہوئے انہیں ایسے موقع پر نظر انداز کر دینا اور ایک ایسے شخص کو قوم کے سامنے پیش کرنا جو درجہ چہارم پر خلیفہ ہونیوالا ہو سمجھ میں نہیں آتا کہ رسول کا فعل کیونکر ہو سکتا ہے جسے یقیناً ہمارے عقیدے کے موافق دنیا بھر کے عقلا پر تفوق اور برتری حاصل ہے ۔ کسقدر تعجب ہے حاضرین سے مخاطب ہو کر خدا کا رسول اور سچا رسول کہہ رہا ہے کہ اس کام میں کون میری مدد کرتا ہے اور کون تم میں میرا بھائی میرا وصی میرا صاحب میرا خلیفہ ہونا منظور کرتا ہے ۔ جناب امیر اٹھتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں اور رسول خدا ان کی گردن پر ہاتھ رکھ کر فرماتے ہیں ۔ بیشک یہ میرا بھائی ہے یہ میرا وصی ہے میرا خلیفہ ہے ۔ مگر جب ایفائے عہد کا وقت آتا ہے تو بیچ اور جملہ معترضہ درمیان میں داخل کر دئے جاتے ہیں ہرگز ہرگز یہ رسول کی شان نہیں ہو سکتی یہ عذر ایک عذر بارد سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا ۔ جس کی عقلی حرارت کے سامنے ذرا بھی صلیبت قائم نہیں رہتی ۔ کاش شمس العلما صاحب علمہ ربہ اسی ایک واقعہ کو ملاحظہ کر لیتے تو انہیں اسقدر رطب و یابس کی بھرتی سے اپنے کتاب کی حجم بڑھانے کی ضرورت نہوتی الغرض مقصود اصلی ہمارا یہ ہے کہ جب یوں علانیہ طور پر اسلام کی دعوت دی گئی تو اب کفار قریش کی مخالفتیں بھی کھلم کھلا ہو گئیں جن میں دن بدن اشتداد ہوتا گیا حتیٰ

قسم کے آزار رسول کو پہنچائے گئے اُنپر ثابت قدم رہنا یقیناً ہمارے رسول کی صداقت کی ایک بیّن دلیل ہو اب اس دعوت کے دوسرے برس یا بعثت کے پانچویں سال عقلاً کہا جا سکتا ہے کہ کفر کی طغیانیاں کس زور و شور پر ہونگی۔ یقیناً بھیں کیونکہ کفار قریش جب اپنی آزادی پر اکتفا نہ کر سکے تو اُنھوں نے بیرونجات سے بھی مدد منگانی شروع کردی تھی اور عرب کے اس سرے سے اُس سرے تک تمام مشرکین کفار کی مخالفت میں سخت ہیجان واقع ہوگیا تھا اور اختلاف کا ایک ذخار سمندر موجزن تھا جس کی خونخوار لہریں دن بدن بڑھتی ہی جاتی تھیں اسلام اگر سچا مذہب ہوتا تو اس کی کشتی ضرور طوفانی ہو جاتی مگر ایک تو وہ نور زمین پر چمکا جو اس کشتی کا محافظ تھا یعنی جناب سیّدہ سلام اللہ علیہا کی پیدائش ہوئی جن سے اس کشتی کے ادلنگر پیدا ہوئے اور اس سال جناب حمزہ دولت اسلام سے مالا مال ہوکر رسول کے لئے ایک مضبوط سپر ثابت ہوئے اور مسلمانوں کے لئے ایک گونہ اطمینان کی شکل نکلی ابوجہل کی ناک رگڑنے والا ایک شخص اسلام میں شامل ہوگیا ہیں اس مقام پر اس حدیث پر بھی توجہ کرنے کی ضرورت معلوم ہوتی ہے جسپر شیدایان حضرت عمر بے انتہا افتخار کرتے ہوئے لفرآتے ہیں وہ حدیث یہ ہے اللھم اعز الاسلام بابی جہل او عمر ابن الخطاب یعنی حضرت دُعا فرماتے ہیں کہ خداوندا اسلام کو یا ابی جہل یا عمر ابن خطاب کے سبب سے عزت یعنی غلبہ عطا فرما۔

ڈپٹی صاحب نے بھی اس حدیث کو نہایت وثوق اور فخر کے ساتھ فضائل عمری کا ضمیمہ قرار دیا ہے ہمارا خیال ہے کہ فن حدیث بادی النظر میں جسقدر سہل ہے اتنا ہی مشکل بھی ہے ممکن ہے کہ خوش اعتقادی فقط ابوہریرہ یا کسی اور بزرگ کا نام دیکھتے ہی کسی حدیث کے قبول کرنے پر آمادہ ہو جائے لیکن درایت کی کسوٹی پر جب تک کسی قول کو کس لیا جائے۔ ہمارے نزدیک تو عقلمندی کے خلاف ہے کہ اُسے سر آنکھوں پر جگہ دیجائے اول تو ہم اسی قول کو کفر سمجھتے ہیں کہ اسلام کو فلاں شخص کے سبب سے عزت نصیب ہوئی بلکہ یوں کہئے کہ اسلام نے ان لوگوں کو بناد را جو دنیا بھر کی نگاہوں میں ذلیل و خوار وحشی بادیہ نشین اور لٹیرے مشہور تھے۔ اب رہا ابوجہل کے لئے حضرت کا دعا مانگنا کہ خداوند اس کے سبب سے اسلام کو معزز کر اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابوجہل سب سے زیادہ قوت والا آدمی تھا حالانکہ یہ خلاف واقعہ ہے حضرت حمزہ نے اسی ابوجہل کا سر کمان کی ضرب سے مجروح کردیا جیسا کہ آپ کے اسلام قبول کرنے کے واقعہ سے ظاہر ہے اور کچھ نہ کر سکا۔ لہٰذا حضرت اگر دعا مانگتے تو حمزہ کے لئے مانگتے جن کی قوت سطوت ہیبت اور تہور کے سامنے ابوجہل کوئی چیز نہ تھا۔ اعلیٰ کے ہوتے ہوئے اسفل سے رجوع کرنا شان عقل سے بسا بعید ہے ابوجہل تو یوں گیا اب دیکھئے حضرت عمر ابن خطاب کی

طرف ان کے سوانح سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں کفار میں کوئی خاص منزلت حاصل نہ تھی وہ بالکل
ایک معمولی حیثیت کے آدمی تھے زیادہ سے زیادہ یہ کہ ایک ساربان کے بیٹے تھے ان کی عمر کا بڑا حصہ اونٹ
چرانے میں گذرا ہے اسی سے اندازہ کرلو کہ ان کے والد بزرگوار کو اتنی بھی مقدرت نہ تھی کہ وہ ایک غلام
رکھ لیتے جو شرفائے عرب کی خاص شان تھی اور اپنے جگر بند کو ایسی تکلیف میں ڈالتے۔ اسی بادیہ پیمائی
بدوؤں کی صحبت اور شفیق باپ کے ہاتھ سے ذرا سے قصور پر سخت سے سخت مار کھانے کے سبب ان کی
طبیعت میں ایک فظاظت۔ غلاظت بلکہ قساوت پیدا ہو گئی تھی خانہ کعبہ کی جتنی خدمات تھیں جن کی انجام
دہی پر قریش فخر کرتے تھے ان میں سے کوئی حضرت عمر کو حاصل نہ تھی ان کا حسب نسب بھی کچھ ایسا بڑھا چڑھا
نہ تھا جو ان لوگوں کے دل میں کوئی خاص وقعت پیدا کرتا وہ ایک کنیزک کی نسل سے تھے جیسا کہ کتاب مثالب
میں ابوالمنذر ہشام نے جس کی نسب کے بارے میں بڑے بڑے علماء نے توثیق کی ہے لکھا ہے ھشام عن ابیہ
قال کانت صہاک امۃ حبشیۃ لھاشم ابن عبد مناف فوقع علیھا نفیل ابن ھاشم ثم وقع
علیھا عبد العزیٰ بن ریاح فجاءت بنفیل جد عمر ابن خطاب ہشام نے اپنے باپ سے روایت کی ہے صہاک
ہاشم ابن عبد مناف کی حبشی لونڈی تھی اس پر نفیل ابن ہاشم نے تصرف کیا پھر عبد العزیٰ بن ریاح اس پر
متصرف ہوا اور اس آخری تصرف سے نفیل حضرت عمر کے جد بزرگوار پیدا ہوئے پھر عبد العزیٰ کی حالت
دنیوی وجاہت کی وہ کیفیت پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کو قریش میں کونسا اعزاز حاصل تھا جو اسلام کی
پشت پناہ ہوجاتا۔ اب یہ کہنا کہ جس روز آپ اسلام لائے اسی روز خانہ کعبہ میں سب نے کھلم کھلا
نماز پڑھی۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر آپ کے بجائے کوئی اور شخص اسلام لاتا جب بھی یہ تو ہونے ہی والا تھا
کو مشرکین و کفار کی مخالفت کا استداد تھا مگر اسلام کو بھی کچھ نہ کچھ شوکت حاصل ہو ہی رہی تھی اور حمزہ
کے مسلمان ہوجانے سے مسلمانوں کو ضرور ایک قسم کی تقویت ہو گئی تھی۔

حضرت حمزہ کے اسلام لانے کا واقعہ یہ ہے کہ ایک روز ابوجہل نے حضرت پیغمبر کو کوہ صفا پر کھڑے ہو کر گالیاں
دیں اور دین محمدی کی نسبت بہت کچھ بد زبانی کی حضرت خاموشی کی حالت میں دولتسرا کو واپس تشریف
لے آئے اور حمزہ شکارگاہ سے واپسی کے وقت خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے داخل خانہ ہوئے اور
عبداللہ ابن جدعان کی کنیز نے ابوجہل اور حضرت کے درمیان جو کچھ گذرا تھا بیان کیا۔ جناب حمزہ
طیش میں آکر اٹھے اور مجمع قریش میں آکر چھوٹتے ہی ابوجہل کے سر پر کمان ماری جس سے اسکا سر زخمی

ہوگیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ تیری مجال ہے کہ تو رسول اللہ کو گالیاں دے تو نہیں جانتا کہ میں ان کا دین اختیار کرچکا ہوں یہیں سے معلوم ہوگیا کہ جناب حمزہ کا کتنا اثر ان لوگوں پر تھا بنی مخزوم نے ابوجہل کی یہ حالت دیکھ کر آپ سے الجھنے کا ارادہ بھی کیا مگر ابوجہل نے کہا جو آپ کی سطوت سے خوب واقف تھا کہ نہیں تم لوگ ابوعمارہ سے تعرض نہ کرو۔ ابوجہل جیسے سرکش کا اس بے عزتی کو گوارا کرکے چپ ہو جانا جناب حمزہ کی ایک غیر معمولی سطوت کو ظاہر کررہا ہے۔ غرض ابوجہل سے بدلہ لیکر آپ خدمت رسول میں آئے اور مشرف باسلام ہوئے جناب ابوطالب نے جب یہ سنا تو بہت خوشنودی ظاہر کی اور فی البدیہہ کچھ اشعار پڑھے جن میں سے دو شعر یہ ہیں۔

فقد سرنی اذ قلت انک مومن — فکن لرسول اللہ فی اللہ ناصرا

وناد قریشا بالذی قد اتیتہ — جھارا وقل ما کان احمد ساحرا

اے حمزہ تو نے اپنے ایمان کی خوشخبری دیکر مجھے مسرور کردیا۔ اب تو خدا کی راہ میں رسول اللہ کا ناصر و مددگار ہوجا۔ اور جو دولت تجھے حاصل ہوئی ہے قریش میں اسکا اعلان کردے اور کہدے کہ احمد ہرگز ہرگز جیسا کہ تمہارا گمان فاسد ہے) جادوگر نہیں ہے

اس واقعہ سے اگر دیکھا جائے تو حضرت ابوطالب کے اسلام و ایمان پیہی روشنی پڑرہی ہے جس کے اکثر متعصب اور تاریک آنکھوں والے منکر ہیں مگر ہم ممنون ہیں جناب شمس العلماء کے جنہوں نے اپنی اسی کتاب میں تحریر فرمادیا ہے کہ اگر حضرت ابوطالب (معاذ اللہ) کافر بھے تو اسلام اس کفر کا بہت زیادہ ممنون ہے بہ نسبت ہمارے اسلام کے خداوندا ہمیں بھی ایسی توفیق عطا فرما۔

غرض اسی سال جنہم میں ابوجہل جیسے شخص کا سر توڑنے والا اسلامیوں میں شامل ہوگیا۔ ادھر جناب خدیجہ کے لئے جو اپنی تنہائی سے مغموم و ملول رہا کرتی تھیں اور رسول اللہ کے واسطے غم غلط کرنیکا پہلو نکل آیا یعنی جناب سیدہ پیدا ہوئیں۔

نام اور القاب

سب سے مشہور نام آپ کا فاطمہ ہے جیسا کہ کتب تواریخ سے مستنبط ہوتا ہے اور حضرت رسولخدا کی زبان اقدس پر بھی اکثر یہی نام جاری ہوتا تھا جیسا کہ ان کلمات سے ظاہر ہوتا ہے جو آپ نے اپنی لخت جگر

کے حق میں ارشاد فرمائے ہیں مثلاً الفاطمۃ بضعۃ منی من اذاھا فقد اذانی فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جس نے اسکو ایذا دی اُس نے مجکو ایذا دی وقول ملائکہ یا فاطمۃ ان اللہ اصطفٰک الخ وغیرہ اس تسمیہ کی توجیہ بسند معتبر حضرت موسیٰ ابن جعفر سے یہ منقول ہے کہ حقتعالیٰ کو معلوم تھا کہ حضرت رسول اللہ اکثر قبائل عرب کی عورات سے نکاح کریں گے ان میں سے ہر ایک کو خلافت کی طمع ہو گی لہذا حضرت سیدہ کا نام فاطمہ رکھا تا کہ خبر دے کہ رسول اللہ کی خلافت شوہر فاطمہ اور اُن کے فرزندوں میں منحصر ہے اور بوجہ ولادت حضرت فاطمہ دوسروں کی طمع خلافت قطع ہو گئی کیونکہ فاطمہ فطم سے مشتق ہے اور فطم کے معنی قطع و بریدگی کے ہیں اس نام کے علاوہ مناقب شہر آشوب میں حضرت کے اسماو القاب کی ایک طویل فہرست دی ہے جن میں سے مشہور یہ ہے:- بتول - حصان - حُرّہ - سیدہ - عذرا - زہرا - حوراء انسیہ - مبارکہ - طاہرہ - زکیہ - راضیہ مرضیہ - محدثہ - مریم الکبریٰ و صدیقۃ الکبریٰ اور کنیت آپ کی ہے ام الحسنؑ ام الحسینؑ - ام المحسن ام الائمہ وام ابیہا - آپکے اسما میں جب ہم صدیقۃ الکبریٰ پر نظر ڈالتے ہیں اور پھر حضرت عائشہ کے لئے بھی یہی نام خوش اعتقاد مریدوں کی بدولت تجویز ہوتا نظر آتا ہے تو ہمیں اس تصرف بیجا پر سخت حیرت ہوتی ہے اور فوراً یہ خیال ذہن میں منقش ہو جاتا ہے کہ جس طرح سواد اعظم نے لقب صدیق اکبر جناب امیرؑ کے نام سے علیحدہ کر کے حضرت ابو بکر کے حوالہ کر دیا اسی طرح لقب صدیقہ حضرت فاطمۃ الزہرا سے جدا کر کے جناب عائشہ کے حوالے کیا گیا - ان بزرگواروں نے جہاں تک ہوسکا ان لوگوں کے دنیوی حقوق کو ضبط اور غصب کرنے میں کوشش کی اور پیرووں کو یہ بات بوجہ انقضائے زمانہ کے باعث میسر نہ آئی مگر تمنا سی تو ضرور تھی لہذا اسی طریقہ سے اپنے دل کی بھڑاس نکالی گئی۔

حضرت ابو بکر کو صدیق کیوں کہا جاتا ہے اسکی وجہ اگر خوش اعتقاد مریدوں سے پوچھی جائے تو وہ واقعہ شب معراج کو پیش کریں گے کہ آنحضرت نے آپ سے وہ ماجرا بیان کیا اور آپ نے اسکو بغیر کسی توجیہ کے قبول کر لیا گویا پیغمبر کی تصدیق کی اور اس وجہ سے صدیق کہلائے - مگر ہم سخت متحیر ہیں کہ وہ شخص جو ابتداء سے رسول کے حرکات و سکنات کو دیکھ رہا ہو اور اُس کی تمام باتوں کو پرکھ کر اسلام بھی لا چکا ہو کیونکر رسول کی بات کو متردد کرے گا اور بات بھی ایسی جسکے قبول میں نہ جان کا کھٹکا نہ عزت او آبرو کی بربادی - حضرت ابو بکر پر کیا موقوف ہے اُس وقت کے موجودہ مسلمانوں میں جس نے بھی اس واقعہ کو سنا بے چون و چرا تصدیق کے لئے تیار ہو گیا - پھر یہ تو بڑا ظلم ہے کہ حضرت ابو بکر کو تو صدیق اکبر کا ٹھہرای

تمغہ عنایت ہو اور دوسرے مسلمان اس سے محروم رکھے جائیں یہیں پر موقوف نہیں ہر اہل عقل کو ایسا
فعل رسول کی شان سے نہایت بعید معلوم ہوگا۔
نہایت کھلا ہوا اور صاف مفہوم ہے کہ جب کوئی شخص اپنے کسی مصر کو نبی مان چکا۔ اس کے اقوال کی صداقت
اسپر کچھ نہ کچھ اثر کر چکی اسے امتحان کی کسوٹی پر جانچ لیا اور ہر قرینہ سے معلوم کر لیا کہ یہ خدا کا پیغمبر ہے اور
اس کی پیروی میں ہماری بھی بہبودی پنہاں ہے یہ سمجھ کر اسکا دین قبول کر لیا جیسے کہ حضرت ابوبکر نے
کیا ان مراحل کو طے کرینکے بعد ہم تو اس شخص کو نہایت بیوقوف بالکل خاکسار اور سراسر کچی عقل کا آدمی سمجھیں گے۔ جو
آیندہ چلکر شکوک و شبہات کا شکار ہو جیسا کہ اکثر حضرات سے ظہور میں آیا اور حضرت خلیفہ ثانی نے بروز صلح
حدیبیہ کھلے بندوں اس کا اعلان کر دیا تصدیق اولی کی بناپر جسکا نتیجہ قبول اسلام ہے اگر حضرت ابوبکر کو صدیق
کہاجاتا تو شاید کسی حد تک مستحسن بھی ہوتا مگر فقط اتنا کہدینا کہ انھوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد چونکہ واقعہ
معراج کی تصدیق کی لہذا انہیں صدیق اور خالی صدیق ہی نہیں صدیق اکبر کہا گیا۔ کسی طرح قبول نہیں کیا جاسکتا
حضرت ابوبکر کا فرض تھا کہ وہ ایسا ہی کرتے پھر چونکہ وہ نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے اور یہ قاعدہ
کلیہ ہے کہ جب انسان پہلے پہل کسی مذہب کے وادی میں قدم رکھتا ہے تو اسپر اس مذہب کی تعلیم کا گہرا اثر
پڑتا ہے اور اکثر دیکھا گیا ہے کہ آیندہ چلکر وہ حالت نہیں رہتی جیسا کہ حضرت ابوبکر کی نسبت بھی افسوس کے
ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ ان کی یہی حالت ہوئی۔ لہذا اگر اس اضطراری کیفیت نے حضرت ابوبکر کو مجبور کیا
ہو اور وہ تصدیق واقعہ معراج کے لئے تیار ہو گئے ہوں تو نہ قابل فخر ہے اور نہ لائق افتخار
صدیق اکبر یہ ایک ایسا لقب ہے جو اسی شخص کے لئے موزوں ہو سکتا ہے جو رسول اللہ پر سب سے پہلے ایمان
لایا ہو۔ آخر تک اس پر قایم رہا ہو اور ایمان کے مدارج اعلی حاصل ہو کر بے ساختہ اس کی زبان سے
یہ کلمہ نکلوادیں لو کشف الغطا یا لما ازددت یقینًا اگر تمام حجاب اٹھادے جائیں جب بھی میرے
یقین میں کسی قسم کی زیادتی نہ ہوگی یعنی مجھے یقین و معرفت کا وہ درجہ حاصل ہو چکا ہے جس سے بیشتر
ممکن نہیں ہے۔ دنیائے اسلام میں از اول تا ایندم اگر تلاش کرو تو جناب علی ابن ابیطالب علیہ السلام
زوج بتول کے کوئی دوسرا شخص نظر نہ آئے گا جناب امیر علیہ السلام وہ شخص ہیں جو سب سے
پہلے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ پر ایمان لائے جس نے سب سے پہلے کئی برس تک جناب رسول خدا
صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ اسوقت خدائے یگانہ کی پرستش کی جبکہ تمام دنیا مع حضرت ابوبکر و عمر وغیرہ

گو ضلالت وکفر کے اندھیرے میں ٹھوکریں کھا رہی تھی پیروان حضرت ابوبکر اس معاملہ میں بھی بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے نظر آتے ہیں اور ڈپٹی صاحب نے بھی اس پہلو پر بہت کچھ زور دیا ہے کہ سبقت اسلام کے تاج سے اپنے ممدوح کے فرق اقدس کو مزین کر دیں لیکن ارباب نظر کے لئے سوائے اس کے کہ قابل مضحکہ ہو یہ کوشش اور کوئی فائدہ نہیں دے سکتی ہم بھی تسلیم کرنیکو تیار ہیں کہ حضرت ابوبکر سب سے پہلے اسلام لائے مگر اس کے ساتھ ہی تمام تاریخی اوراق کو دریا برد کر کے یہ ماننا پڑے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سینتالیس یا چوالیس برس کی عمر میں مبعوث برسالت ہوئے ہیں لیکن ہمیں خوف ہے کہ یہ حضرات جناب ابوبکر کی محبت میں ایسا بھی نہ کر گذریں بہنو اسنو! توجہ کے کانوں سے سنو جب وہ مقدس نفس مخلع بخلعت رسالت ہوا ہے اُس وقت مکہ میں حضرت ابوبکر کے تو فرشتے بھی موجود نہ تھے اُسوقت تو تار برقی کا سلسلہ بھی موجود نہ تھا جس پر حضرت ابوبکر اپنی غیب دانی سے کام لیکر کسی معتمد کو مکہ میں چھوڑ جاتے کہ جب پیغمبر مبعوث ہوں اسی وقت اطلاع دے دینا اور اس طرح آپ بائی ٹیلیگرام بیعت کر کے اپنے معتقدین کے لئے ایک افتخار کی بنیاد قایم کر جاتے مگر افسوس ہے کہ اس صورت میں بھی انہیں کامیابی نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ بعثت کی خبر پہلے اسی شخص کو ہوتی جو خلوت وجلوت میں رسول کا انیس تھا جس نے بعثت کے ساتھ ہی نالۂ شیطان سنا تھا جس نے ملائکہ کی آوازیں سماعت کی تھیں وہ پھر بھی حضرت ابوبکر سے سابق الاسلام رہتا جس سے ہماری مراد حضرت امیر علیہ السلام ہیں۔

یہ ایک ظاہر اور تاریخی واقعہ ہے کہ جب حضرت نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا اُسوقت جناب ابوبکر یمن (بروایتے شام) میں تشریف رکھتے تھے۔ کیوں گئے تھے؟ اسکی وجہ غالباً تجارت ہو گی جو آپ کی معاش کا ذریعہ اور بہت عمدہ ذریعہ بھی شیعہ کہتے ہیں کہ آپ بنفس نفیس تاجر نہ تھے بلکہ آپ کی معرفت بیع و شرے کے معاملات طے ہوا کرتے تھے یعنی دلال۔ مگر یہ کلمہ ہمیں بھی کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا بجائے اُسکے اگر مہذب زبان کا کلمہ "کمیشن ایجنٹ" کہا جائے جو اسی کا مرادف ہے تو بہتر ہوگا۔ غرض بہرطور آپ تاجر ہوں دلالی ہوں۔ کمیشن ایجنٹ ہوں یہ ایک لفظی بحث ہے اور فضول ہے مطلب یہ کہ آپ کو تجارت سے تعلق ضرور تھا اور یہی تعلق تھا جو آپ کو کشاں کشاں اطراف ملک میں لئے پھرتا تھا اور اسی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ آپ کی معلومات آپ کا تجربہ نہایت وسیع تھا جیسا کہ ایک سیاح اور جہاندیدہ کے لئے ہونا چاہئے۔ آپ کو رہبانوں اور راہبوں سے ایک خاص عقیدت تھی اور آپ اُن سے اکثر ملاقات فرمایا کرتے

تھے چنانچہ جس زمانہ میں حضرت کا ظہور ہوا اور آپ اسوقت یمن میں تھے تو ایک قبیلہ کے شیخ سے ملاقات ہوئی جو سابقہ کتب آسمانی کا مطالعہ کئے ہوئے تھا اور عمر بھی اسکی چار سو برس کی تھی (یہ خود آپ کا ہی بیان ہے) اس نے اثنائے گفتگو میں ایک پیغمبر کی بعثت کی خبر دی ۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ جب میں اپنے کاروبار سے فارغ ہوا تو وہاں سے مکہ میں آیا اور لوگوں سے پوچھا آیا کوئی امر غریب حادث ہوا ہی قریش نے کہا کہ ہاں یتیم ابو طالب نے پیغمبری کا دعوے کیا ہے اب تمہیں بتاؤ اس کی کیا تدبیر کی جائے غرض جب یہ لوگ چلے گئے تو میں نے حضرت کی تلاش کی معلوم ہوا کہ حضرت خانہ خدیجہ میں تشریف رکھتے ہیں میں حاضر خدمت ہوا حضرت باہر تشریف لائے میں نے کہا اے محمد میں نے سُنا ہے کہ تمنے اپنے آبا و اجداد کے دین کو چھوڑ دیا ہے (اس تہدید کو تو ملاحظہ فرمایئے اصل میں آپ قریش کے کہنے سننے سے آپکو سمجھانے گئے تھے جیسا کہ قریش نے آپ سے استدعا بھی کی تھی کہ اے ابو بکر تمہیں اس مہم کا انصرام کر دینی محمد کو اس کے دعوے سے روکو) حضرت نے یہ سنکر فرمایا اے ابو بکر میں اپنے خدا کا فرستادہ ہوں تیری طرف اور تمام مخلوق کی طرف تو ایمان لا ۔ میں نے کہا اسکی کیا دلیل ہے آپ نے فرمایا اسکی دلیل وہی شیخ ہے جس نے یمن میں تجھے میری بعثت کی خبر دی تھی ہمنے یہ روایت ملا جامی کی شواہد النبوۃ سے لی ہے اسی میں ایک یہ بھی روایت ہے کہ ایک درخت نے بھی آپ کو بشارت دی اور اسکی بنا پر آپ اسلام لائے ملا نے یہ روایت دیکھ کر یہ نہیں لکھا کہ آپ درخت سے یہ بشارت سُنکر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور دلیل طلب کی جس پر حضرت نے فرمایا کہ وہی درخت میری حجت و برہان ہے مگر دوسری کتابوں کے مطالعہ سے یہ مفہوم مستنبط ہوتا ہے اب اس میں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ ان بشارتوں بلکہ خرق عادت کو بھی دیکھ کر آپ کو رسول اللہ سے دلیل طلب کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ۔ سبحان اللہ اس سے تو وہ شیخ اور وہ درخت ہی اچھا تھا جنھوں نے بغیر طلب معجزہ رسول اللہ کی تصدیق کی ایک عالم کتب آسمانی کا خبر دار کرنا پھر درخت کا بشارت دینا جو ایک زبردست خرق عادت ہے اسپر بھی آپ کا رسول اللہ سے دلیل کا طالب ہونا کیا خوب تصدیق ہے ہم نہایت وثوق اور دعوے کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہمارا ایمان حضرت ابو بکر کے ایمان سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے ۔ ہم محض سماعی اخبار پر ایمان لائے ہیں اور بصدق دل ایمان لائے ہیں بخلاف حضرت ابو بکر کے کہ وہ رسول اللہ کے حالات سے واقف تھے اُن کی صداقت اور امانت کو اچھی طرح جان چکے تھے وہ کیا جانتے تمام قریش میں

آپ کی صداقت اور امانت ضرب المثل تھی پھر آپ کو مختلف اور حیرت ناک طریقہ سے رسول اللہ کی بعثت کی بھی خبر مل چکی تھی اس پر بھی آپ کو کٹھ حجتی کے بغیر چین نہ آیا ہم نہیں سمجھتے یہ کس قسم کی تصدیق ہے اور کیوں اسپر اسقدر ناز کیا جاتا ہے۔

غرض اب مقصد اصلی ہمارا یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کو سابق الاسلام قرار دینا بالکل ایک بے معنی اور مہمل دعوے ہے جس کی کوئی اصلیت نہیں۔ آپ بعثت کے وقت مکہ میں تھے ہی نہیں بقول ملا جامی یمن میں تھے وہیں آپکے یہ خبر ملی اس خبر کے بعد آپ نے یمن میں اپنے کاروبار کو انجام دیا۔ پھر یمن سے آپ مکہ کو روانہ ہوئے یہ بھی ملحوظ رہے کہ پیدل کا رستہ تھا۔ ریل گاڑی کا سفر نہ تھا۔ خیال کرنا چاہیے کہ اس روایت کی بنا پر بھی آپ کتنے دنوں بعد مکہ میں پہنچے ہونگے اسوقت تک یقیناً حضرت علی مرتضیٰ ظاہری اسلام لا چکے تھے اور زید ابن حارث بھی مسلمان ہو چکا تھا ہمنے حضرت کے اسلام کو ظاہری اس لئے کہا ہے کہ اس سے پیشتر بھی وہ اسی دین پر تھے جس پر رسول خدا کیونکہ رسول اللہ نے ہی آپ کی پرورش کی تھی۔ انہیں کے دامن تربیت میں آپ نے ہوش سنبھالا لہذا ممکن نہ تھا کہ رسول خدا کے طریقہ سے علیحدہ رہ کر انھوں نے ایک منٹ بھی دنیا میں گذارا ہو بعثت سے پہلے جو طریقہ رسول خدا کا تھا وہی جناب امیر کا تھا جسے دین ابراہیم کہو۔ توحید پرستی کہو کچھ سمجھو مگر تھا کفر و شرک سے علیحدہ

سبقت اسلام حضرت ابوبکر کے بارے میں جب علمائے اہل سنت نے اس قسم کی مزاحمتیں دیکھیں تو ایک نیا شگوفہ چھوڑا اور مساوات کا ایک نیا طریقہ نکالا وہ یہ کہ عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہ ایمان لائیں بچوں میں حضرت علیؑ اور بوڑھوں میں حضرت ابوبکر یہ تفریع بالکل اس قسم کی ہے جیسے حدیث انا مدینۃ العلم الخ پر کسی طباع نے یہ حاشیہ چڑھایا تھا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ انا مدینۃ العلم وعلی بابھا وابوبکر سقفھا وعمر جدارھا اسی جدت طرازی پر ایک خوش طبع نے کہا تھا کہ بھائی پرنالہ تو بھول ہی گیا۔ ایک برسات میں ساری محنت برباد ہو جائے گی ان خوش وقتیوں کو دیکھ کر اگر عقلمند حقارت آمیز تبسم سے کام لے تو ذرا مستبعد نہیں عورتوں۔ لڑکوں۔ بوڑھوں کی تخصیص کے ساتھ جوانوں لڑکیوں کو کیوں چھوڑ دیا۔ لیکن دریافت طلب یہ امر ہے کہ ان زٹلیات سے نتیجہ کیا برآمد ہوتا ہے وہ کون سی حسد کی کدورت ہے جو چاند پر خاک ڈالنے کے لئے آمادہ کرتی ہے علی ابن ابیطالب سے خدا جانے ان لوگوں کو کونسا صدمہ پہنچا ہے کہ حتی الامکان ان کے فضائل محو کرنے کی

کوشش کی جاتی ہے۔ سوچو اور دماغ پر زور ڈال کر سوچو کہ بالفرض ایک دنیا کو فریب دیکر اس غلط فہمی میں مبتلا کردیا کہ حضرت ابوبکر سابق الاسلام ہیں ان کے مصنوعی فضائل کو بھی منتشر کرنے کی کوشش کی مگر کیا تمہاری ان کوششوں سے حضرت ابوبکر کو خدا کے نزدیک بھی وہ درجہ مل سکتا ہے جو سابق الاسلام کے لئے مقرر ہے لا واللہ کبھی نہیں ع ہزار سجدے کرو بت نہیں خدا ہوتے۔

علمائے عامہ کا یہ خاصہ ہے کہ وہ ابتدا سے تنقیص مراتب علی مرتضیٰ کی طرف دل وجان سے متوجہ رہے ہیں اور ڈپٹی صاحب بہادر بھی اپنے اسلاف کے قدم بقدم چلنے کی عمر کے اس آخری حصہ میں کوشش کر رہے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ علی نے بھی اسلامی خدمتیں ضرور کیں مگر ابوبکر کی خدمات سے نہیں کیا لبتہ خیر ان خدمات کی اصلیت تو ہم آئندہ دکھائیں گے اس جگہ یہ بھی دکھانا مقصود ہے کہ کون سے خیال نے یہ الفاظ منہ سے نکلوائے ہیں کہ بوڑھوں میں حضرت ابوبکر اسلام لائے اور بچوں میں حضرت علی ایک تو وہی مساوات دوم اپنے ذہن میں یہ بھی سمجھ لیا ہے کہ طفل کا ایمان معتبر نہیں ہوا کرتا اور بوڑھا چونکہ کامل عقل کے ساتھ ایمان لاتا ہے لہذا وہ ہر طرح سے معتبر ہے یہ خیال ضرور ایسا ہے کہ ایک کودک نادان بھی اس پر قہقہہ لگائے عرب کا یہ مشہور مقولہ ہے العلم فی الصغر کالنقش فی الحجر عقل بھی اسکی تائید کرتی ہے بچے کا دل وعقل بالکل ایسا ہوتا ہے جیسے آئینہ اسمیں نہ گناہ کی جھائیاں ہوتی ہیں اور نہ شرک وکفر کے سیاہ داغ وہ ایک سچا مسلمان ہوا کرتا ہے جیسا کہ حدیث پیغمبر کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام شاہد ہے وہ کفر اور گناہ کے غبار سے بالکل پاک صاف ہوتا ہے ایسی حالت میں اگر اُس کے قلب پر اسلام و ایمان کا نقش اور وہ بھی پیغمبر کے ہاتھوں سے کھینچ دیا جائے وہ زیادہ معتبر ہوگا یا ایک پیر کہن سال کا جس کی چالیس برس کی جہالت بت پرستی دل کو بالکل سیاہ اور صد درجہ میلا کر چکی ہو۔ ہمیں یہ بھی افسوس ہے کہ حضرت ابوبکر نے اپنے افعال واطوار سے اپنے معتقدین کی خوش اعتقادی کو قوت نہیں بخشی اسلام کی تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ وہی بچہ جس کے اسلام کو معاندین غیر معتبر خیال کرتے ہیں بڑے بڑے خوفناک معرکوں میں سپر بنا رہا۔ اور بوڑھے طوطے جہاں کھلی ہوا دیکھی پھر سے اُڑ گئے۔

وہ بحث جس پر ہمیں مندرجہ بالا سطریں لکھنی پڑیں یہ تھی کہ حضرت ابوبکر کے لئے لقب صدیق اُنکے آبا و اجداد نسلوں کا تراشا ہوا ہے در اصل یہ لقب علی مرتضیٰ کا ہے اور کن وجوہات پر تراشا ہے انہیں ہم نے ذکر کرکے انکی اصلیت دکھادی۔ لیکن تماشا یہ ہے کہ خیر حضرت ابوبکر کیلئے تو بہت کچھ دماغ سوزی

کے بعد یہ وجوہات بھی قایم کی گئیں گو فاسد ہی سہی مگر حضرت عائشہ کو لقب صدیقہ کس بنا پر عنایت کیا گیا ہے جو حضرت فاطمہ کا لقب ہے سوائے اس کے کچھ نہیں کہ حضرت ابو بکر کی بیٹی ہونے کی بنا پر انہیں بھی اس لقب سے ملقب کیا گیا مگر حضرت ابو بکر کے اور بھی تو بیٹیاں تھیں وہ بھی مسلمان تھیں کہا جائیگا کہ یہ زوجہ رسول تھیں لیکن رسولؐ کی زوجہ کچھ یہی نہ تھیں ان کے علاوہ آٹھ اور موجود تھیں انہیں کیوں محروم کیا گیا۔ ممکن ہے یہ جواب دیا جائے کہ رسول اللہؐ اس بی بی کو زیادہ چاہتے تھے اور اس حد سے بڑھی ہوئی چاہت کا ڈپٹی صاحب نے بڑے فخر و افتخار کے ساتھ اقرار کیا ہے۔

حب الشئی یعمی و یصم مشہور مثل ہے کہ محبت کسی چیز کی ہو انسان کو اندھا اور بہرا کر دیتی ہے اسی لئے معلم ثانی ارسطو نے اس محبت (عشق) کو امراض عین میں شمار کیا ہے۔ افسوس ہے کہ حضرت عائشہ کی بیجا محبت میں ان علماء کو اتنا بھی خیال نہ رہا کہ اس روئے سے رسول اللہؐ پر کتنا بڑا حرف آتا ہے۔ یہی رسول اپنے خدا کے حکم سے امت کو یہ پیغام پہنچاتا ہے کہ تم ایک سے چار تک نکاح کر سکتے ہو بشرطیکہ عدل قایم رکھ سکو مگر خود عدل کی پروا نہیں تو بیبیوں میں ایک سے زیادہ محبت رکھنا جسے عائشہ کی فضیلت میں شمار کیا جاتا ہے کیا اس نتیجہ پر نہیں پہنچا دیتا کہ باقی بیبیوں کی آپ دلشکنی فرماتے تھے اور ان کو اس نظر سے نہ دیکھتے تھے جس سے کہ حضرت عائشہ کو کیا یہ طریقہ عدل کے منافی نہیں اور کیا پیغمبرؐ کی یہی شان ہوا کرتی ہے سبحان اللہ تعالی اللہ عما یصفون۔ رسول کی شان ہرگز یہ نہ تھی۔ ہمارا اعتقاد ہمارا ایمان۔ ہمارا ضمیر گواہی دیتا ہے کہ رسول اللہؐ یقیناً طریقہ عدل کے پابند تھے وہ ہر بی بی کو یکساں نظر سے دیکھتے تھے اور جس سے کوئی گناہ ہوتا تھا اُسے زجر و توبیخ فرماتے تھے اہیں عائشہ ہوں یا حفصہ۔

اب بتائیے کہ جناب عائشہ کو صدیقہ کیوں کہا گیا۔ وہی غضب وہی تظلم وہی مناقب اہلبیتؑ کو اپنے ممدوحین کے ساتھ چسپاں کرنے کی عادت جسے دیکھ کر پھر ہمیں وہی مصرعہ دہرانا پڑتا ہے ع ہزار سجدہ کرد بُت خدا نہیں ہوتے

۲۰ - تعلیم و تربیت

یہ ایک عام قاعدہ اور مسلمہ امر ہے کہ شفیق والدین اپنی اولاد کو انہیں خلاق کی تعلیم دیا کرتے ہیں جن کے وہ خود عادی ہوں اور جو اُن کے نزدیک محبوب سے محبوب ہوں اس نکتہ کو ذہن میں رکھ کر اب یہ دیکھو

کہ حضرت فاطمہ بیٹی کس کی تھیں۔ رسول کی تھیں وہ رسول جو اس وقت دنیا کو تہذیب سکھانے آیا ہے جبکہ اہل دنیا کی اخلاقی حالت۔ خراب سے خراب۔ ذلیل سے ذلیل۔ اور پست سے پست درجہ پر پہنچ چکی تھی مگر اس متبرک۔ مقدس اور برگزیدہ نفس کی روحانیت سے بھری ہوئی تعلیم کچھ اس بلا کی تاثیر کے پہلو لئے ہوئے تھی کہ وہی عرب جو جہالت۔ غرور۔ سرکشی۔ بد اخلاقی۔ بدتہذیبی اور رجس و ازلام کا مرکز بنا ہوا تھا اسی سرزمین میں ایسے ایسے حسن اخلاق کے نمونے پیدا کر دئے جن کی نظیر اب نہ کہیں مل سکتی ہے اور نہ آئندہ ملے گی۔ بس یہیں سے سمجھ لو کہ اس خدا کے سچے رسول نے اپنے جگر بند کی جسمانی کے علاوہ روحانی تربیت پر کس قدر توجہ فرمائی ہوگی۔ اسی تربیت پر کا نتیجہ تھا کہ خداوند عالم کی درگاہ سے طہارت اور پاکیزگی کا وہ تمغہ عنایت ہوا جو قیامت تک اپنی چمک دکھاتا رہے گا۔

خوب سمجھنا چاہئے کہ جناب فاطمہ کے لڑکپن پر کسی قسم کے لہو و لعب نے سایہ بھی نہ ڈالا ان کا کھیل کیا تھا خدا پرستی۔ ان کا شغل کیا تھا طاعت گزاری ان کے دل بہلانے کا مشغلہ کیا تھا تصفیہ قلب کی کوشش ان کی سلیم فطرت کا تقاضا ہی نہ تھا کہ دنیا کی اور لڑکیوں کے مانند امورات واہیہ میں اپنی عمر کا سب سے پیارا حصہ صرف کریں یہ ممکن ہی نہ تھا کہ رسول کا مقدس گھر ان بدعات کا مرکز ہو جو دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں حضرت فاطمہ نے آنکھ کھولی تو اس مکان میں جہاں سبحان ملاء اعلیٰ کی تسبیح و تقدیس کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ انھوں نے پہلے پہل دیکھا تو اس شخص کو جو دنیا سے ہر قسم کے رجس کو دور کرنے اور معرفت الٰہی کی تعلیم دینے آیا تھا آپ نے ایک ایسے شخص کے دامن میں ہوش سنبھالا جو نبی تھا۔ پیغمبر تھا۔ رسول تھا نہیں نہیں افضل المرسلین تھا۔ خاتم النبیین تھا اور دنیا کو مکارم اخلاق کا ایسا سبق پڑھانے آیا تھا جس میں ایزاد اور کمی کی گنجائش ہی نہیں اس کے آنے اور اپنے عہدے کے فرائض کو انجام دینے کے بعد اب قیامت تک کسی مدرس کی ضرورت ہی نہیں ہے پس ان امور اور واقعی امور کی بنا پر ہم بلا تامل اور بلا خوف تردید کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا ابتدا ہی سے اسلامی تعلیم کا ایک ایسا سچا نمونہ تھیں جیسا کہ ایک پیغمبر زادی کو ہونا چاہئے۔ کسی مورخ۔ کسی اہل قلم۔ کسی واقعہ نگار کا کوئی ایسا فقرہ ہماری نظر سے نہیں گذرا جس میں جناب سیدہ کی نسبت یہ بیان کیا گیا ہو کہ ان کا بچپن ویسا ہی تھا جیسا کہ عام لڑکیوں کا ہوتا ہے یا ان کے وقت کا کچھ حصہ لہو و لعب میں گذرتا تھا جو آنکھ کھولتے ہی لڑکیوں کی روحانی ترقیوں کا سدراہ ہو جاتا ہے یا وہ گڑیاں کھیلتی تھیں یا کاغذ اور مٹی کے کھلونے ان کی دلبستگی کا ذریعہ تھے استغفراللہ

نعوذ باللہ من ذالک وہ شخص جو ایک زبردست آواز میں خدا کی طرف سے منادی کر رہا ہو ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون کیا وہ اپنے دلبند کو کسی فعل عبث میں مبتلا دیکھ سکتا ہے وہ بزرگ جو جہال کے قول "انما حیوۃ الدنیا" کی تردید کرنے کے لئے بھیجا گیا ہو کیا وہ گوارا کر سکتا ہے کہ اپنی اولاد کو تیاری حیات آخرت کی طرف ایک لمحہ کے لئے بھی متوجہ نہ دیکھے جو افتخار بنی آدم دنیا کو تعلیم دیتا ہو کہ تم عبث اور فضول مخلوق نہیں ہو کیا اُس کی آنکھیں اس منظر کو بخوشی منظور کر سکتی ہیں کہ اُس کے جگر کا ٹکڑا لہو و لعب میں تضیع اوقات کرے اور اپنی خلقت کی علت غائی پر توجہ نہ فرمائے۔ حاشا ثم حاشا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ نفس کی شناخت خدا کی معرفت۔ یہی دو شغل ایسے زبردست تھے جنھوں نے جناب سیدہؑ کو بچپن میں کبھی کھیل کی طرف رُخ نہ کرنے دیا اور یہی رائے مستحکم اور باوقار اصول ہے جس کی شاخیں ہیں۔ تقویٰ۔ پرہیزگاری۔ زہد و ورع۔ طاعت عبادت۔ بذل۔ ایثار۔ کرم۔ جود۔ سخا۔ رحم۔ حلم۔ مروت۔ حیا و غیرہ ذالک اور انہیں شاخوں میں سے وہ پھول نکلتا ہے۔ جس کی نازک۔ خوبصورت اور بلا کی دلفریب پنکھڑیوں پر قلم قدرت سے یہ نقش کھینچا گیا ہے انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ خانوادہ نبوت کے مقدس افراد کو دنیا کے دوسرے خاندانوں پر قیاس کرنا جیسا کہ اکثر اہل الرائے اس غلطی میں مبتلا ہیں۔ ایک نہایت غلط رویہ اور خلاف مشاہدہ فعل ہے۔ اس خاندان کے بچے ایک امتیاز خاص رکھتے تھے۔ ان کے جوانوں میں شباب کی امنگیں ضرور تھیں مگر وہ جن کا مقصد اقصٰے معرفت اور تقرب خداوندی ہی ہو سکتا ہے۔ اس کے بوڑھے مرد چوں پیر شود حرص جوان می گردد کے مصداق نہ تھے۔ اس کے اراکین کی عقل سلیم پر نہ بچپن کی نادانیاں اثر کر سکتی تھیں نہ شباب کی شہوانی خواہشوں کا غلبہ ہو سکتا تھا نہ بڑھاپے کا انحطاط انہیں اپنے مرکز سے ہٹا سکتا تھا یہ ایک مستقیم فطرت پر مجبول ہو کر آتے تھے جسے دنیا کا کوئی تغیر متغیر نہیں کر سکتا ان کی تعلیم و تربیت بھی اس قسم کی ہوتی تھی جیسا کہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے بچپن میں سوائے ایک بے لوث تقدس کے ہمیں کچھ بھی نظر نہیں آیا اور اسی سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ رسول اللہؐ کی تعلیم و تربیت کس قسم کی تھی۔

یہیں سے اب ہمارا خیال منتقل ہوتا ہے ان اتہامات کی طرف جو حضرت عائشہ کی محبت میں سواد اعظم نے رسول اللہ پر لگائے اور جن کی رو سے گویا ممدوحہ کی مودت کو اہل اسلام کے لئے واجب قرار دینا چاہا ہے۔ انہیں اتہامات کو ہم تعجب کرتے ہیں کہ شمس العلماء جیسا عاقل و فرزانہ شخص بھی نہایت اعتماد

اور جوش عقیدت کے ساتھ اپنی کتاب میں یوں درج کرتا ہے ۔
(۱) ایک مرتبہ عید کے موقع پر حبشیوں کے چند لڑکے (لڑکے شمس العلماء کی ایجادِ طبع ہے) مسجد نبوی کے صحن میں بی بی عائشہ کے حجرے کے سامنے بانک پٹے کی طرح کا کھیل کھیل رہے تھے ۔ بی بی عائشہ کا بیان ہے کہ پیغمبر صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ تم انکا تماشہ دیکھنا چاہتی ہو ۔ میں نے عرض کیا ہاں ! فرمایا اچھا میری پیٹھ کے پیچھے کھڑی ہو جاؤ میں اپنی ٹھوڑی آپ کے بازو پر رکھ کر کھڑی ہو گئی اور لگی تماشہ دیکھنے تا وقتیکہ میں تماشہ دیکھنے سے نہیں اکتائی پیغمبر صاحب میری خاطر کھڑے رہے تو اب تم اندازہ کر لو کہ نو عمر اور کھیل کود کی حریص لڑکی کھیل کی کس قدر آرزو مند ہوتی ہے ۔ بس یہی حال میرا تھا یعنی میں بہت دیر تک تماشہ دیکھتی رہی اور پیغمبر صاحب میری خاطر کھڑے رہے (۲) بی بی عائشہ جب نئی نئی بیاہی گئیں ہیں تو ان کی والدہ ام رومان نے ان کے بچپن کے کھلونے اُن کے ساتھ کر دیے تھے اور اس خیال سے کہ لڑکی ہے نو عمر ہے یہاں تنہا گھر میں رہے گی تو طبیعت اکتا جائے گی انصار مدینہ کی لڑکیوں کو جو ان کی ہم جولیاں تھیں ان کے ساتھ کھیلنے کو بھیج دیا کرتی تھیں ۔ بی بی عائشہ گھر کے معمولی کام کاج سے فارغ ہوئیں اور اپنی سہیلیوں کے ساتھ گڑیاں کھیلنے بیٹھ گئیں ایسے موقعہ پر پیغمبر صاحب آ نکلتے لڑکیاں ادھر ادھر چھپ جاتیں مگر آپ خود ایک ایک کو پکڑ پکڑ کر بی بی عائشہ کے پاس بھیجتے اور فرماتے کہ جاؤ کھیلو اور کسی بات کا خوف نہ کرو

(۳) ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک یا شاید غزوۂ حنین سے واپس تشریف لائے بی بی عائشہ کے گھر میں ایک بڑا طاق تھا اور اس پر پردہ پڑا رہتا تھا ۔ طاق میں بی بی عائشہ کی گڑیاں گڈے بنے سنورے ترتیب کے ساتھ رکھے تھے اتفاق سے ہوا چلی اور پردہ اُٹھ گیا پیغمبر صاحب نے طاق کی گڑیوں کی طرف اشارہ کرکے بی بی عائشہ سے فرمایا کہ یہ کیا ہے اُنھوں نے کہا میرے کھیلنے کی گڑیاں گڑیوں کے بیچ میں کپڑے کا ایک گھوڑا بھی تھا جس کے کاغذ کے دو پر لگے ہوئے تھے پیغمبر صاحب نے اس گھوڑے کی طرف اشارہ کرکے فرمایا ۔ یہ کیا ہے جواب دیا گھوڑا ۔ فرمایا او ہو گھوڑے کے پر بھی ہوتے ہیں ۔ بی بی عائشہ نے برجستہ جواب دیا کہ آپ نے سنا نہیں کہ سلیمان علیہ السلام کے پردار گھوڑے تھے یہ سنکر پیغمبر صاحب کھلکھلا کر ہنس پڑے ان واقعات خلاف عقل کو دیکھ کر ہمیں بے ساختہ کہنا پڑتا ہے کہ ع انچہ در گفتار فخر تست آن ننگ من ست یہ امور جنہیں حضرت عائشہ کی فضیلت

کے باب میں منسوب کیا جاتا ہے باللہ العظیم اہل عقل انہیں مطاعن میں شمار کرتے ہیں - رسول اللہ کی عمر پچاس سے تجاوز ہو چکی ہے حضرت عایشہ تقریبًا نو دس برس کی ہیں اور آپ باوجود تقدس پیغمبری و عالم پیری جبکہ عام طور سے انسان کو لہو و لعب سے ایک قسم کا تکدر سا ہوتا ہے اپنی کمسن زوجہ کے لئے لڑکیوں کو پکڑ پکڑ کر لاتے ہیں کہ آؤ میری بیوی کے ساتھ کھیلو اس کا دل بہلاؤ ناموس نبی کا تنگ جیسا اس نامعقول واقعہ سے ہوتا ہے خدا کی قسم اُسے دیکھ کر دل کا خون ہوا جاتا ہے - آہ ! غیرے کہ دم زعشق زند بس غنیمت ہست. طعنًا و طنزًا اُس بوڑھے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو باوجود ضعف قویٰ و پیرانہ سری لذت زناشوئی میں منہمک ہو. گویا اسکا کوئی حق نہیں سمجھا جاتا کہ وہ ان امور کا ارتکاب کرے جن کے لئے فصل شباب زیبندہ ہے مگر افسوس کہ سواد اعظم نے اس مصرعہ کو رسول اللہ کی ذات سے چسپاں کرنے کی ناجائز اور ناواجب کوشش کی جسے دیکھ دیکھ کر غیر مذاہب والے جتنے بھی جائتے چڑھائیں تھوڑے ہیں -

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سوال کیا جاتا ہے کہ دنیا میں کیوں مبعوث برسالت ہوئے تھے جسکا صاف جواب یہ ہے کہ جہالت اور صنم پرستی کو مٹانے کیواسطے - مگر کتنے بڑے غضب کی بات ہے کہ اُسی کی ننھی منی بی بی گھوڑے کی تصویر بنا کر طاق میں رکھتی ہے - آپ دریافت کرتے ہیں کہ کیا ہے وہ جواب دیتی ہیں گھوڑا - آپ فرماتے ہیں کہ اس کے پر کیسے ہیں جواب ملتا ہے کہ حضرت سلیمان کے گھوڑے کے بھی پر تھے - واہ رے حاضر جوابی پھر رسول اللہ اس جواب کو سنکر مسکرا دیتے ہیں - لوگو خدا سے ڈرو خدا سے کاش وہ متعصبین دیکھیں جنکی بیویاں تعزیے کو دیکھتے ہی اُن کے نکاح سے باہر ہو جاتی ہیں - تعزیہ تو فقط ایک مکان کی نقل ہے - یہ دیکھو یہ رسول کی بی بی کیا کیا بدعتیں پھیلا رہی ہیں اور رسول ہیں کہ اُن کی اشتمالت کو مد نظر رکھ کر کسی بات کی پروا ہی نہیں کرتے - لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

ہم شکریہ ادا کرتے ہیں جناب شمس العلماء سلمہ ربہ کا کہ انھوں نے ان واقعات کو خواہ کسی طریقہ سے بھی منظر عام میں رکھدیا اور گویا دکھا دیا کہ اہل سنت کے عقلا رسول اللہ کی اخلاقی حالت اس پیمانے پر سمجھتے ہیں اور اُن کے نزدیک رسالت کی یہی شان ہوتی ہے -

نکتہ رس طبیعتوں کے سمجھنے کے لئے یہی نکتہ کافی ہے کہ انسان کو اپنی کمسن اولاد کی دلبستگی کا خیال حد سے زیادہ

ہو سکتا ہے۔ بیوی کے لئے سامان لہو و لعب کا جمع کرنا یہ تو بالکل ایک قابل مضحکہ امر ہے لیکن اولاد کے لئے اکثر ایسا کیا جاتا ہے۔ قسم قسم کے کھلونے آجکل بھی لاکھوں روپیہ کی قیمت کے یوروپ سے آکر ہندوستان میں کھپ جاتے ہیں اور وہ صرف اسی مصرف کے ہوتے ہیں کہ لاڈلے بچے انہیں دیکھ دیکھ کر خوش ہوں ہر زمانہ ہر قرن میں انسان کی طبیعت کا یہی خاصہ رہا ہے۔ اب دیکھئے اس میں ذرا بھی گنجایش کلام نہیں کہ حضرت فاطمہ رسول کی نہایت پیاری بیٹی تھیں آپ کی والدہ معظمہ جناب خدیجہ کو خیال کریجئے آپ سے کسقدر محبت ہوگی پھر یہ بھی دیکھئے کہ خدیجہ بلحاظ تمول و ثروت بھی ملکہ کی ملکہ تھیں انہیں کسی چیز کی کمی نہ تھی اگر وہ اس قسم کے سامان لہو ولعب اپنی بیٹی کے لئے جمع کرتیں تو کچھ تعجب کی بات نہ تھی مگر نہیں ایسا نہیں کیا گیا اور نہ اس امر کا ثبوت کہیں سے مل سکتا ہے اسکا صاف نتیجہ یہ ہے کہ رسول کی تعلیم کا ہرگز یہ منشا ہی نہ تھا کہ انسان کی عمر کا وہ حصہ جو حصول علم کے لئے بہترین مانا گیا ہے۔ ملاہی و ملاعب میں ضائع ہو۔ اسی لئے جناب فاطمہ کے بچپن کے زمانے کا کوئی ایسا واقعہ دیکھنے میں نہیں آتا۔ بلکہ ابتدا ہی سے آپ اس درس کی طرف توجہ کر دی گئیں تھیں جسکا نتیجہ معرفت۔ تقرب اور حصول درجات آخرت ہے۔ علمائے سواد اعظم حضرت عائشہ کے لئے اس قسم کے واقعات بیان کرتے ہیں اور یہ صحیحین میں ہیں اچھا ان کی مرضی جو چاہیں لکھیں لیکن ہمارا دل یہ کہتا ہے کہ گو عائشہ اپنے میکے میں یہ ہنڈکلیا لگاتی رہی ہوں۔ تو کچھ استبعاد نہیں ان لوگوں پر گو یہ لاکھ مسلمان ہو گئے تھے مگر حسن اخلاق کا وہ رنگ کبھی نہیں چڑھ سکتا تھا جو خانوادہ نبوت کے لئے تھا لیکن آپ کا حضرت کے گھر میں آکر یہ افعال کرنا۔ ہماری عقل کبھی اسکو قبول نہیں کر سکتی۔ سواد اعظم کی یہ عالی قوت اگر اسی پر اصرار کرتی ہے تو بہت بہتر مگر اس سے پیشتر انہیں اسلام سے ہاتھ دھونے چاہئیں اور دھو ہی چکے ہیں۔

فضائل و مناقب

یہی تعلیم و تربیت جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ اسی کا اثر یہ ہے کہ جناب فاطمہ کے فضائل و مناقب سے فریقین کی کتابیں بھری پڑی ہیں وہ ایسے فضائل ہیں وہ ایسے مناقب ہیں جن کا ایک شمہ بھی کسی دوسری خاتون کے لئے ثابت نہیں ہو سکتا صرف پیغمبر کی بیٹی ہونا اس امر کے لئے کافی نہیں ہو سکتا کہ اسلام کے ہر فرد کیلئے آپ کے آستانے پر سر نیاز جھکا دینا واجب ہو۔ بلکہ ذاتی تقدس اور ذاتی شرف کی بھی نسبت کچھ ضرورت ہے۔ جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا سیرت محمدی کی پوری پوری دلدادہ اور اپنے مقدس

باپ کے ہر حال میں قدم بقدم تھیں۔ الفقر فخری رسول اللہ کا ارشاد ہے اور جناب فاطمہ نے اسی فقر پر اپنی چند روزہ زندگی کے دن پورے کر دیئے۔ شاہ دوجہاں کی جگر بند تھیں مگر انہیں کبھی شکم سیر ہو کر کھانا نہیں میسر ہوا فقر و فاقہ ان کے لئے مایہ فخر تھا اور اسی عالم میں وہ خدائے برتر کا ایسا شکر یہ ادا کرتی تھیں کہ ایک بادشاہ تمام دنیا کی دولت پر بھی قابض ہو کر اسکا شمہ نہیں دکھا سکتا ان کے استغنا کا اندازہ اس واقعہ سے کیجئے جو کتاب مکارم الاخلاق میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ رسولؐ جب سفر کا ارادہ فرماتے تو سب کے بعد جناب سیدہ کو رخصت کرتے اور جب واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے اپنے لخت جگر کے حجرے کو نورانی کرتے ایک دفعہ جب آپ نے سفر سے مراجعت کی تو جناب سیدہ کے مکان میں حسب عادت تشریف لے گئے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ جناب امیر علیہ السلام کو مال غنیمت میں سے ان کا حصہ ملا تھا اس میں سے جناب سیدہ نے ایک پردہ خریدا تھا اور دو کڑے چاندی کے بنوا کر زیب دست مبارک فرمائے تھے۔ رسول اللہ کی جب نظر اس سامان پر پڑی تو آپ فوراً واپس ہوئے اور مسجد میں بیٹھ گئے جناب سیدہ اس واقعہ سے نہایت غمگین ہوئیں اور رو کر فرمانے لگیں کہ رسول خدا نے آجتک کبھی ایسی بے رخی نہیں فرمائی پھر دونوں صاحبزادوں کو بلا کر ایک کو کڑے دے اور ایک کو پردہ دے کر ارشاد فرمایا کہ ان چیزوں کو اپنے نانا کی خدمت میں لیجاؤ اور میری طرف سے بعد سلام عرض کرو کہ میں نے آپکے تشریف لیجانیکے بعد سوائے اسکے اور کوئی کام نہیں کیا ہے جو آپکے غضب کا باعث ہوا اب آپ ان چیزوں کو جو چاہے فرمائیے جب رسول اللہ نے اپنے نا۔ ڈلے نواسوں کے پیارے پیارے منہ سے یہ کلام سنا تو دونوں کو گود میں لیکر پیار کیا زانوؤں پر بٹھا لیا پھر حکم دیا کہ ان کڑوں کو توڑ کر مہاجرین اہل صفہ کو جو کوئی منزل و مکان نہ رکھتے تھے تقسیم کر دو اور وہ پردہ ٹکڑے ٹکڑے کر کے اُن لوگوں میں جن کے پاس ستر پوشی کے لئے کپڑا نہ تھا۔ تقسیم فرمایا جسے وہ لوگ بجائے لنگ باندھتے تھے اور وہ پردہ چونکہ کم عرض تھا وہ لوگ سجدہ میں ستر عورت نہ کر سکتے تھے اسی وجہ سے حضرت نے فرمایا کہ مرد عورتوں سے پہلے سجدے سے سر اٹھائیں اور پھر یہی حکم سنت قرار پایا اس کے بعد حضرت نے فرمایا خدا فاطمہ پر رحمت نازل کرے اور اسکو بعوض اس پردے کے جامہ ہائے بہشت اور اس زیور کے بدلے زیورات بہشت عطا فرمائے۔

اس واقعہ سے جہاں جناب سیدہ کے فقر و فاقے کی حالت کا پتہ چلتا ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ

آپ اپنے پدر بزرگوار کی خوشنودی کس قدر مد نظر رکھتی ہیں یہی وجہ ہے جس نے آپکو خواتین اسلام بلکہ دنیا کی مقدس عورتوں میں وہ درجہ عطا کردیا جہاں تک طائر خیال کی رسائی بھی نہیں ہوسکتی۔ سیدۃ النسا آپ کا مبارک لقب قرار پایا اور خاتون جہاں کے بیش بہا لقب سے ملقب ہوئیں اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اہل سنت کے یہاں جو جناب معصومہ کے فضائل موجود ہیں ان کا کسی قدر ذکر کریں

فضائل جناب معصومہ منقول از کتب اہل سنت

صحیح بخاری میں مسور ابن مخرمہ سے روایت ہے وہ کہتا ہے کہ فرمایا جناب رسول اللہ نے فاطمۃ بضعۃ منی فمن اغضبھا فقد اغضبنی فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جس نے اسکو غضبناک کیا اس نے بے شک مجکو غضبناک کیا صحیح ترمذی میں مسور سے روایت ہے انما بضعۃ منی یریبنی ما اذاہا یوذینی ما اذاھا جو چیز فاطمہ کو خشمناک کرتی ہے مجھے بھی خشمناک کرتی ہے جو اسے ایذا دیتی ہے مجھے بھی ایذا دیتی ہے اسی مضمون کی حدیث صحیح ترمذی میں انما فاطمۃ بضعۃ منی یوذینی ما اذاھا وینصبنی ما انصبھا صحیح ترمذی و سنن ابن ماجہ میں زید ابن ارقم سے منقول ہے کہ رسول اللہ نے علیؑ و فاطمہ و حسنؑ و حسینؑ کے لیے فرمایا انا حرب لمن حاربتم وسلم لمن سالمتم میں اس شخص کے ساتھ لڑنے والا ہوں جو تم سے جنگ کرے اور اس شخص سے صلح کرنیوالا ہوں جو تم سے بصلح و آشتی پیش آئے صحیح ترمذی میں جمیع ابن عمیر سے روایت ہے وہ کہتا ہے کہ میں اپنی پھپھی کے ساتھ عائشہ کے پاس گیا اور سوال کیا (حضرت عائشہ سے) کہ رسول اللہ کے نزدیک دوست ترین مردم کون شخص تھا؟ "قالت فاطمۃ" انھوں نے کہا جناب فاطمہ پھر میں نے سوال کیا کہ مردوں میں سب سے زیادہ دوست کسکو رکھتے تھے "قالت زوجہا" جواب دیا ان کے شوہر (علی ابن ابیطالب) کو صحیح مذکور میں حضرت عائشہ سے روایت ہے وہ کہتی ہیں ما رایت احدًا اشبہ سمتا و دلا وھدیا برسول اللہ فی قیامھا وقعودھا من فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم وکانت اذا دخلت علی النبی صلعم قام الیھا فقبلھا واجلسھا فی مجلسہ وکان النبی صلعم اذا دخل علیھا قامت من مجلسھا فقبلتہ واجلستہ فی مجلسھا میں نے کسی کو رفتار و گفتار و قیام و قعود میں فاطمہ سے زیادہ مشابہ رسول نہیں دیکھا جس وقت وہ رسول اللہ کی خدمت میں آتی تھیں تو آپ اپنی جگہ سے کھڑے ہوجاتے تھے انہیں بوسے دیتے تھے انہیں اپنے مقام پر بٹھاتے تھے اور جبوقت رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب فاطمہ زہرا کے پاس تشریف لیجاتے تھے تو وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہوکر زین
خدمت کو بوسہ دیتی تھیں اور حضرت کو اپنے مقام پر بٹھاتی تھیں ابوسعد نے کتاب شرف النبوۃ میں اور ابن
مثنی نے اپنی معجم میں بروایت علی علیہ السلام نقل کیا ہے قال رسول اللہ یا فاطمۃ ان اللہ یغضب
بغضبک ویرضی لرضاک رسول اللہ فرماتے ہیں اے فاطمہ بیشک تیرے غضب کے سبب سے جو شخص تیرا
مغضوب ہوا اُس سے خداوند عالم غضبناک ہوتا ہے اور تیری خوشنودی سے خوشنود ہوتا ہے ینابیع المودۃ
باب خامس وخمسون مطبوعہ اسلامبول میں لکھا ہے کہ روایت کی ہے ابوالفرج اصفہانی نے بطریق سعد بن عبداللہ
ابن عمر قواریری وہ کہتے ہیں کہ حدیث بیان کی مجھ سے یحییٰ ابن سعید بن ریان قرشی نے کہ عبداللہ بن حسن
مثنی ابن امام حسن رضی اللہ عنہم عمر ابن عبدالعزیز خلیفہ کے پاس گئے وہ کمسن تھے مگر صاحب تمکین و وقار تھے
خلیفہ نے انھیں مقام معزز پر جگہ دی اُن کی تعظیم کی اور ان کی حاجت کو پورا کر دیا جب عبداللہ چلے گئے
تو لوگوں سے اس تعظیم و احترام کا سبب پوچھا۔ عمر نے کہا کہ ایک ثقہ نے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ گویا
میں نے زبان مبارک رسول خدا سے سنا ہے قال انما فاطمۃ بضعۃ منی یسرنی ما یسرھا ویغضبنی ما
یغضبھا فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جو چیز اسے مسرور کرتی ہے مجھے بھی مسرور کرتی ہے اور جو اُسے غضبناک
کرتی ہے مجھے بھی۔ مناقب شہر آشوب میں بطریق اہل سنت مندرجہ ذیل احادیث نقل کی گئی ہیں۔ ابوبکر
شیرازی نے محمد ابن حنفیہ سے انھوں نے امیرالمومنین سے روایت کی ہے کہ جناب رسولخدا نے فضیلت
جناب فاطمہ میں اس آیت کو تلاوت فرمایا ان اللہ اصطفاک وطھرک واصطفاک علی نساء
العالمین اور فرمایا یا علی خیر نساء العالمین اربع مریم بنت عمران وخدیجہ بنت خویلد و فاطمہ
بنت محمد وآسیہ بنت مزاحم بہترین عورات عالمین چار عورتیں ہیں۔ مریم بنت عمران۔ خدیجہ بنت
خویلد دام المومنین۔ فاطمہ بنت محمد و ام الائمہ آسیہ بنت مزاحم (زن فرعون)، اور ترمذی نے اپنی
جامع میں عیکری نے کتاب زیانہ میں۔ ابوعلی صولی نے کتاب اخبار فاطمہ میں سلامی نے تاریخ خراسان
میں جمیع بن عمیر سے روایت کی ہے کہ میں اپنی پھوپھی کیساتھ عائشہ کی خدمت میں گیا تو میری پھوپھی نے عائشہ
سے سوال کیا کہ تمہیں علی پر خروج کرنے کے لئے کس چیز نے ابھارا عائشہ نے کہا کہ ان باتوں کو جانے دو
فواللہ ما کان احد من الرجال احب الی رسول اللہ من علی ولا من النساء احب الیہ من
فاطمہ قسم خدا کی مردوں میں علی سے زیادہ کوئی رسول اللہ کو پیارا نہ تھا اور عورتوں میں فاطمہ سے زیادہ

کسی سے محبت نہ رکھتے تھے۔

جامع ترمذی میں بریدہ سے روایت ہے وہ کہتا ہے کہ کان احب النساء الی رسول اللہ الیہ فاطمۃ ومن الرجال علی عورتوں میں سب سے زیادہ رسول اللہ کو فاطمہ پیاری تھیں اور مردوں میں علی۔ کتاب قوت القلوب میں ابوطالب مکی نے اربعین میں ابو صالح موذن نے فضائل الصحابہ میں احمد نے جمیع ابن عمیر سے انہی عائشہ سے روایت کی ہے قالت قال علی للنبی لما جلس بینہ وبین فاطمۃ وھما مضطجعان اینا احب الیک انا او ھی فقال ھی احب الی وانت اعز علی منہا عائشہ کہتی ہیں کہ ایک دفعہ علیؑ نے نبیؐ سے کہا جب آپ علیؑ و فاطمہ کے درمیان بیٹھے تھے کہ ہم سب کون آپ کو زیادہ پیارا ہے میں یا یہ (فاطمہ) آپ نے فرمایا کہ یہ (فاطمہ) مجھے نہایت ہی محبوب ہے اور تو مجھے اس سے بھی زیادہ عزیز ہے۔

ثعلبی نے کشف میں اور ابو السعادت نے کتاب فضائل میں آیہ لایرون فیہا شمسا ولا زمہریرا (جب اہل جنت نہ آفتاب کو دیکھیں گے نہ سردی کو) کی تفسیر میں لکھا ہے قال ابن عباس بینا اھل الجنۃ فی الجنۃ بعد ما سکنوا رأوا نورا اضاء الجنان فیقول اھل الجنۃ یارب انک قلت فی کتابک المنزل علی نبیک المرسل لایرون فیہا شمسا ولا زمہریرا فینادی منادی لیس ھذا نور الشمس ولا نور القمر وان علیا وفاطمۃ تعجبا من شیء فضحکا فاشرق الجنان من نورھما۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ اہل جنت جنت میں ساکن ہوکر ایک نور کو دیکھیں گے جو جنت کو روشن کردے گا اس وقت یہ لوگ کہیں گے اے پروردگار تو نے اپنی کتاب جو اپنے نبی مرسل پر نازل کی ہے اس میں فرمایا ہے لا یرون فیہا شمسا الخ (پھر یہ نور کیسا ہے) اس وقت ایک منادی ندا کرے گا کہ یہ نور نہ تو آفتاب کا ہے نہ ماہتاب کا بلکہ علیؑ و فاطمہ کسی چیز سے متعجب ہوکر ہنسے ہیں اور ان کے مسکرانے کے نور سے باغ جنان روشن ہوگیا ہے۔ اللہم صل علی محمد و آل محمد۔ ابو علی حلوی نے اخبار فاطمہ میں اور ابو السعادات نے فضائل عشرہ میں بسند خود ابوذر غفاری سے روایت کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ نے مجھے علی کے بلانے کے لئے بھیجا میں در دولت پر حاضر ہوا آواز دی۔ مگر جواب نہ آیا میں واپس ہوا اور پھر رسول اللہ نے بھی حکم دیا۔ میں پھر حاضر دولت سرا ہوا تو میں نے دیکھا کہ چکی آپ سے آپ چل رہی ہے اور آٹا پیس رہی ہے۔ میں نے علی بن ابی طالب سے کہا کہ رسول اللہ یاد فرماتے ہیں۔ وہ تلوار حمائل کئے ہوئے باہر نکلے اور خدمت میں رسولخدا کی حاضر ہوئے اور میں نے جو

کچھ دیکھا تھا رسولخدا سے عرض کیا حضرت نے فرمایا یا اباذر لاتعجب فان اللہ ملائکۃ سیاحین فی الارض موکلین بمعرفۃ آل محمد یعنی اے ابوذر تعجب نہ کر خدا کے اکثر فرشتے زمین کی سیر کرتے ہیں اور وہ آل محمد کی مدد کے لئے موکل ہیں اور حسن بصری نے ابن اسحاق سے انہے عمار سے اور میمونہ سے روایت کی ہے وہ کہتی ہیں کہ ہم نے دیکھا کہ فاطمہ سو گئیں ہیں اور چکی آپ سے آپ چل رہی ہے یہ حال رسول خدا سے عرض کیا آپ نے فرمایا کہ حق تعالی اپنی کنیز کے ضعف و ناتوانی سے آگاہ ہے اسی لئے اس نے اشیا کو حکم دیا کہ آپ سے آپ چلتی ہے۔ اس حدیث کو ابوالقاسم بستی نے مناقب امیرالمومنین علیہ السلام میں اور ابوصالح موذن نے اربعین میں ثعلبی سے اور اس نے بسند خود میمونہ سے روایت کیا ہے۔ یہ مختصر فضائل ہمنے کتب اہل سنت سے نقل کردئے ہیں جو عاقل خبیر کے لئے کافی ووافی ہیں۔ اب شیعوں کی کتب کی طرف رجوع کرنے کی ہم بالکل ضرورت نہیں سمجھتے بس یہی کافی ہے کہ الفضل ما شہدت بہ الاعداء۔

یہ فضائل جنہیں ہمنے صرف اہلسنت کے ہاں سے چنا ہے انہیں مشتے از خروارے سمجھنا چاہیے بلکہ ان کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے دریا کے مقابل ایک قطرے کی اور کیوں نہو یہ معصومہ رسول کی چاہیتی اور لاڈلی بیٹی ہے۔ امام کی زوجہ ہے اور گیارہ آئمہ معصومین کی ماں ہے سب سے بڑا شرف یہ ہے کہ نسل پیغمبری آپ کی ذات سے قایم رہی اور آل رسول کہلانے کی اگر کوئی قوم مستحق ہے تو بنی فاطمہ ہی ہے اب اسی مقام سے ہم ایک اور عنوان کی طرف ناظرین رسالہ کو متوجہ کرتے ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ شیعہ تو خیر ہیں ہی سنی بھی جناب فاطمہ کی تعریف و توصیف میں کسقدر رطب اللسان ہیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اور بھی بیٹیاں نہیں جیسا کہ عامۃ الناس کا دعوے ہے۔ افسوس ہے ہمیں ان کے فضائل و مناقب کی ایک حدیث بھی دستیاب نہیں ہوتی۔ یہ تو نہایت حیرت اور استعجاب کا مقام ہے وہی خدیجہ کی بیٹیاں (حسب دعوے اہلسنت) وہ وہی فاطمہ وہی صلب رسول سے پیدا ہونے کا شرف وہ نہیں حاصل وہی فاطمہ کو پھر یہ شرف و افتخار۔ عزو وقار۔ فقط جناب فاطمہ کے لئے مختص کیا ہمیں اس کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ یہ تو بالکل ترجیح بلامرجح ہے نہیں نہیں۔ اسکی اصل یہ ہے کہ پیغمبر صلعم کی اولاد اناث میں فقط جناب فاطمہ تھیں۔ باقی بیٹیاں زینب ورقیہ و ام کلثوم جو حضرت سے منسوب ہو گئی ہیں وہ حضرت کی حقیقی بیٹیاں نہیں ہیں علمائے عامہ کو اس مقام

پر بھی سخت دھوکا ہوا ہے۔ نہیں نہیں دیدہ و دانستہ حضرت عثمٰن کی فہرست فضائل میں ایک عمدہ اضافہ کرنے کی غرض سے یہ دھوکا کھایا جاتا ہے اسی دھوکے کی بنا پر مصنف امہات جناب شمس العلماء تعزز خلافت عثمانی کو نظر استحسان دیکھتے ہوئے فرماتے ہیں "پیغمبر صاحب کی قرابت کے اعتبار سے وہ ذوالنورین تھے یعنی جناب رسولخدا کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے ان سے بیاہی گئیں تھیں ہم کیونکر کہدیں کہ شمس العلماء نے جیسے فاضل نے اس فقرے سے اپنی تحقیق میں ایک نقص کا دھبہ لگا دیا ممکن ہے یہ فقرہ پالیسی پر مبنی ہو جس ہم ان سے کچھ زیادہ تعرض نہیں کرتے کیونکہ جب اسلاف سے ہی یہ وطیرہ چلا آتا ہے تو وہ ایک نوع سے اس معاملے میں مجبور تھے۔ بہرحال یہ دعوے علماء سلف کا ہو یا شمس العلماء کا حقیقت سے اسے ذرہ برابر لگاؤ نہیں اور اس دعوے کی شان نزول محض جناب عثمان کو ذوالنورین کہنے کے لئے ہے اور بس۔

محققین شیعہ نے اس امر کو روز روشن کی طرح واضح کر دیا ہے کہ یہ تینوں لڑکیاں پیغمبر صلعم کی حقیقی اور صلبی دختر نہ تھیں اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ نہ ان کا کسی حدیث میں ذکر ہے نہ آیت میں نہ آیۂ مباہلہ کے نزول کے وقت ان میں سے کسی کو پیغمبر نے لیا اور نہ چادر تطہیر میں ان میں سے کسی کو حصہ ملا بخلاف جناب فاطمہؑ کے جن کو رسول اللہ نے ہر موقعہ پر ہر مقام پر ایسے محبت آمیز الفاظ سے یاد کیا ہے جس سے بہتر ممکن نہیں۔ دوم اس دعوے کی قطع و برید کے لئے یہ بھی ایک قوی قرینہ ہے کہ ان تینوں صاحبزادیوں کا نکاح اول کفار سے ہوا حضرت زینب کا ابوالعاص کے ساتھ جس کی ماں ہند حضرت خدیجہ کی خواہر تھی اور وہ عبد العزیٰ کا پوتا تھا اور رقیہ و ام کلثوم کا عتبہ اور عتیق پسران ابولہب کے ساتھ جو قریشی مطلبی تھے۔ ہمارا ایمان ہرگز اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم رسول کی بیٹیوں کو حالت کفر میں نشو و نما پاتے اور کفار سے ان کا نکاح ہوتے ہوئے دیکھیں رسول کی مقدس ذات ابتدا ہی سے کفر و شرک سے متنفر تھی اور وہ قبل بعثت اسی دین پر تھے جس کا جزو اعظم خدا پرستی اور توحید پرستی ہے جسے دین ابراہیم کہنا چاہئے۔ پھر کیونکر عقل قبول کر سکتی ہے کہ رسول اللہ کی بیٹیوں کی غور و پرداخت طریقۂ کفر پر ہو اور آپ ان کا ازدواج بھی کفار سے قبول کر لیں اس میں کسی طرح کا شک نہیں ہو سکتا کہ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا بھی ابتدائے مصاحبت رسول اللہ سے اسی طریقہ پر ہو گئی تھیں۔ جبکہ رسول اللہ تھے پھر یہ کیا قیامت ہے کہ والدین شفیق والدین اور ایسے والدین جو مصلحین دنیا میں ایک عظیم الشان منزلت رکھتے ہوں اپنی اولاد کو ایسے طریقہ پر اٹھائیں جس سے بدتر کوئی

maablib.org

طریقہ نہیں ہوسکتا اگر کہا جائے کہ نہیں اسبات کا کوئی ثبوت نہیں کہ ان صاحبزادیوں کی تربیت طریقہ کفر پر ہوئی تھی۔ ہاں درست اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ ان کا ازدواج کفار کے ساتھ عمل میں آیا۔ اگر ان صاحبزادیوں کی نشو ونما ملت ابراہیم پر تسلیم کر لی جائے۔ پھر تو ذات پیغمبر معاذ اللہ بد اخلاقی کا ایسا اعتراض وارد ہوتا ہے جس کا دفعیہ کسی طریق سے ممکن ہی نہیں ایک مسلمہ کو کسی کافر کے نکاح میں دیدینا نہ عقل سلیم کا ہی یہ اقتضا ہے نہ عزت وحمیت کا۔ وہ رسول تھے وہ پیغمبر آخر الزماں تھے وہ ازل ہی سے عقل سلیم (شریعت) لیکر آئے تھے وہ ایک مستقیم فطرت کے مالک تھے وہ حیدر آباد کی سلطان نہیں تھے۔ جو راجہ کشن پرشاد مدار المہام ریاست کے محل سرا میں مسلمان خواتین کا جھرمٹ دیکھ رہے ہیں اور پروا بھی نہیں کرتے ان وجوہات عقلیہ پر نظر کر کے یہ امر تو بالکل یقینی ہے کہ یہ صاحبزادیاں رسول اللہ صلعم کی دختران صلبی نہ تھیں اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر یہ کون تھیں اور رسول اللہ سے انہیں نسبت کیوں دی گئی۔ اس مسئلہ میں محققین انساب کا اختلاف ہے جسے کتاب کامل البہائی میں ہر فرقہ کے علمائے انساب سے نقل کیا گیا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ دو لڑکیاں حضرت خدیجہ کے شوہر اول سے تھیں اور بہ سبب تربیت اور پرورش کے آنحضرت بھی ان کو بنات کہہ کے پکارتے تھے اور وہ لڑکیاں حضرت کو باپ کہتی تھیں جیسا کہ مربی اور شوہر مرضعہ کو بھی باپ کہہ کر پکارا جاتا ہے اور بعض کے نزدیک یہ ہے کہ وہ لڑکیاں مع ایک لڑکے کے ہالہ خواہر حضرت خدیجہ سے تھیں جب ہالہ کا شوہر مسمی ابو ہند مر گیا جو ایک مرد فقیر تھا تو آنحضرت نے ہالہ کو مع لڑکیوں اور اس پسر کے جو بعد موت اپنے باپ کے پیدا ہوا اور آخر مسمی بہ ابو ہند ہو گیا تھا اپنے گھر حضرت خدیجہ کے پاس طلب کر لیا اور ان کی خالہ حضرت خدیجہ کی وجہ سے (جو بمنزلہ ماں تھیں) آپ ان کو ابن اور بنت کہہ کر پکارتے تھے اس وجہ سے وہ بنات رسول مشہور ہوگئیں۔ جیسا کہ زید ابن پیغمبر مشہور ہوگئے تھے اور اسی اعتبار سے اُن کو دختران پیغمبر بولا گیا ہے اور اسی وجہ خاص سے مسلمانوں کی نگاہ میں ان کی منزلت زیادہ تھی مگر نہ وہ منزلت کہ جو دختر حقیقی وصلبی آنحضرت (جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا) کی تھی جن کی نسبت کسی کو اختلاف نہیں ہے (رسالہ روشنی جلد دوم) اب اس طرح منقولی طریقے سے بھی معلوم ہو گیا کہ ان تینوں صاحبزادیوں کو رسول اللہ کی حقیقی بیٹیاں سمجھنا پایہ تحقیق سے بالکل ہی گرا ہوا ہے۔

یہ بحث ایک نہایت طویل بحث ہے اور علمائے شیعہ نہایت تحقیق و تدقیق کے بعد اس مسئلہ کو روشنی میں لے آئے ہیں۔ ہم یہاں ان مباحث کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے مگر ہاں صاحبان بصیرت کو توجہ دلاتے ہیں کہ وہ ان دلچسپ اور عالمانہ مباحث کو دیکھیں اور بے سمجھے بوجھے محض حضرت عثمان کی خاطر سے علمی غلطی میں مبتلا ہونے کی جرأت نہ کریں

اسی ضمن میں جناب شمس العلماء کا یہ لکھنا کہ ام کلثوم کے انتقال پر رسول اللہ نے یہ فرمایا کہ اگر میرے اور بیٹیاں ہوتیں تو برابر عثمان سے بیاہے چلا جاتا۔ بالکل خلاف واقعہ ہے۔ جبکہ یہ امر بھی اپنے مقام پر منقح ہو چکا ہے کہ ام کلثوم کا نکاح حضرت عثمان سے پہلے ہوا ہے اور رقیہ کا ان کے بعد اور یہی وہ رقیہ ہیں جنکی جان حضرت عثمان کی وحشیانہ زد و کوب کی بدولت گئی جس کا اگر پتہ لگایا جائے تو حسب تصریح تاریخ کامل ابن اثیر یہ ہے کہ معاویہ ابن مغیرہ بن ابی العاص بن امیہ جس نے حضرت حمزہ کو مُثلہ کیا تھا۔ وہ رستہ بھول کر مدینہ میں چلا آیا اور علی الصباح عثمان کے گھر پہنچا اسے دیکھ کر عثمان نے کہا کہ تو نے اپنے آپ کو بھی ہلاک کیا اور مجھے بھی دیکھو کہ رسول اللہ اس کا خون کر چکے تھے اس نے کہا کہ از روئے رحم تو ان سے میری نسبت قریب تر ہے میں تیری پناہ میں آیا ہوں۔ عثمان نے یہ سنکر اس کو اپنے گھر میں چھپالیا اور چاہا کہ رسول اللہ کی خدمت میں اس کی سفارش کریں جب وہاں گئے تو رسول کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ معاویہ مدینہ میں ہے اُسے تلاش کرو اور خانہ عثمان سے اُسے باہر لاؤ۔ لوگ اُسکو نبی کے پاس لائے۔ تو عثمان نے عرض کی قسم ہے اُس کی جس نے تجھے نبی برحق بنا کر بھیجا ہے میں اسی لئے تیرے پاس آیا ہوں کہ اسکو مجھے بخش دے رسول اللہ نے اسے عثمان کو بخش دیا اور تین دن کا وقت مقرر کر کے قسم کھائی کہ اس سے زیادہ وہ یہاں ٹھیرے گا تو ضرور قتل کیا جائے گا اب عثمان نے اس کے سفر کا سامان کیا اور کہا کہ جا کوچ کر جا۔ اسی اثنا میں رسول اللہ حمراء الاسد کی طرف تشریف لے گئے اور یہ شخص اخبار نبی کو معلوم کرنے کے لئے ٹھیرا رہا (تاکہ اپنے ہم جنس کفار کو اطلاع دے) جب چوتھا دن ہوا تو حضرت نے فرمایا کہ معاویہ نے نزدیک ہی صبح کی ہے وہ دور نہیں ہے اسے تلاش کرو۔ زید ابن حارث اور عمار نے اُسے ڈھونڈھ نکالا اور اُسے قتل کر دیا یہ معاویہ عبدالملک بن مروان ابن حکم کا ماں کی طرف سے دادا ہے

ابن ابی الحدید نے اس واقعہ پر اور زیادہ روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ معاویہ ابن مغیرہ کے لئے جب عثمان کی خانہ تلاشی کی گئی تو ام کلثوم دختر رسول نے نشان دہی کی کہ اس کو فلاں جگہ چھپایا ہے۔

ابن ابی الحدید کو یہاں نام میں دھوکہ ہوا ہے یہ اصل میں جناب رقیہ ہیں جنھوں نے مجرم کی نشان دہی کی اور اسی نشان دہی کے جرم میں اُن کو حضرت عثمان نے غایت حیاداری سے کام لے کر ضرب چوب سے ایسا صدمہ پہنچایا جو ان کی ہلاکت کا باعث ہوا۔ علمائے اہل سنت نے اس واقعہ کے چھپانے کی بہت کوشش کی ہے۔ لیکن اس بی بی کی وفات پر جو فعل حضرت عثمان سے ظہور میں آیا ہے اس سے صاف یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ وہ اس حادثہ وفات سے نہایت خوش وخرم تھے۔ گویا ان کی موت آپ کے ابتہاج اور میلان الی التعیش کا عمدہ ذریعہ تھی۔ جیسا کہ اہل سنت کے بیانات سے نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت پیغمبر نے جنازہ دختر متوفیہ پر نماز پڑھی۔ اس کی قبر پہ بیٹھ گئے آپکی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور آپنے فرمایا کہ تمہارے درمیان کوئی ہے جس نے آج کی شب مجامعت نہ کی ہو ابوطلحہ نے کہا اے رسول اللہ میں ہوں فرمایا کہ اس کی قبر میں اتر بعض شارحین کا قول ہے کہ آنحضرت کا یہ فرمانا تعریض تھا حضرت عثمان پر کہ انھوں نے اس شب کو لونڈی سے جماع کیا تھا کہ بیماری کو (زوجہ کی) دیر ہو گئی تھی اور حضرت عثمان کو تاب نہ رہی تھی (منہج النبوۃ ترجمہ مدارج النبوۃ جلد ثانی)

اللہ اللہ حضرت عثمان کس دل کے انسان تھے بی بی (جو بقول معتقدین دختر رسول ہے) کا جنازہ گھر میں پڑا ہوا ہے اور آپ کو جماع کی سوجھتی ہے۔ سبحان اللہ۔ گو مریدان نے یہ عذر تراشا ہے کہ بیماری کو دیر ہو گئی تھی مگر اول تو بالکل تصریح نہیں کی کہ کیا بیماری تھی۔ دوم سب سے بڑی یہ بات ہے ہم تسلیم کئے لیتے ہیں کہ بیماری بھی طوالت پذیر ہو گئی تھی مگر خدا کیلئے ذرا اپنے قلب پر ہاتھ رکھ کر تو دیکھو کہ عین اسی وقت طبع کو انتشار ہوا جبکہ زوجہ کا مردہ آنکھوں کے سامنے پڑا ہوا تھا۔ شہوات حیوانی کا یہ ایک ایسا نمونہ ہے جس کی نظیر ہمارے خیال میں طبقہ انسان تو پیش نہیں کر سکے گا۔ حالت بیماری میں کونسا امر تھا جو انہیں کنیز کی مجامعت سے روکے رہا اور وہ کونسا جوش تھا جو ایسے وقت ابھر آیا جبکہ انسانی خواہشات کا سلسلہ منقطع ہو جایا کرتا ہے۔ یہ جوش وہی انتقام کا جوش تھا۔ وہی جاہلیت کا جوش تھا جیسا کہ اہل عرب جاہلیت میں اپنے دشمنوں کو قتل کر کے ان کی لاشوں کا فرش بنا کر کھانا کھاتے تھے۔ شراب پیتے تھے اور اگر کوئی مقتول تڑپتا تھا تو اس کو زانو سے دبا دبا دیتے تھے العظمۃ للہ اسی ہم بستری کی بابت رسول اللہ کا حضرت عثمان پر تعریض کرنا صاف دلیل ہے اس امر کی کہ یہ امر آپ کو ازحد ناگوار اور باعث ملال خاطر ہوا تھا یہ سمجھنا چاہئے کہ جناب عثمان پر یہ زدوکوب کا الزام

جس سے رقیہ کی وفات واقع ہوئی۔ کچھ شیعوں ہی کی طرف سے نہیں ہے بلکہ اہل سنت اس معاملہ میں شیعوں سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ کتاب میزان ذہبی اور نیز مختصر تہذیب الکمال دونوں کتابوں میں یونس بن جناب کلبی کی سند سے یہ روایت موجود ہے کہ حضرت عثمان نے پیغمبر کی ان دونوں لڑکیوں کو جن کے ساتھ تزویج ہوئی تھی قتل کر ڈالا۔ گو علامہ ذہبی نے اس راوی کی قدح کی ہے مگر یہ محض دفع الوقتی ہے کیونکہ یہی راوی سنن اربعہ کا ایک معتبر راوی ہے اگر اسے مقدوح کیا گیا تو سنن اربعہ کا بہت بڑا حصہ زخم خوردہ ہو جائیگا جن کے ایک ایک لفظ پر ایمان لانا اہل سنت کے لئے ضروری ہے اب دیکھئے کہ حضرت عثمان کے اس طرز عمل سے جناب شمس العلماء کے اس ارشاد کی بھی حقیقت معلوم ہو گئی کہ حضرت عثمان نے اپنی دامادی کی حالت میں جناب پیغمبر صاحب کو نہایت درجہ خوش رکھا تھا مگر دنیا میں کوئی داماد ایسے ہی واقعات سے اپنی سسرال کو خوش کر سکتا ہے تو پھر ایسا کوئی فعل حیطہ امکان میں نظر نہیں آ سکتا جو داماد کی طرف سے سسرال والوں کو ناراض مند کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہو یہی حالت حضرت عثمان کے دیگر فضائل کی بھی ہے جنہیں جناب شمس العلماء نے آپ کے استحقاق خلافت کے لئے پیش کیا ہے۔ یہ فضائل اکثر شیعہ قلمکاروں کے زیر بحث رہ چکے ہیں اور ہم نے بھی اپنے ایک مضمون میں ان فضائل و محامد کی قلعی کھولدی ہے جو ہوائی طلسم کے عنوان سے اخبار اثنا عشری دہلی میں طبع ہوا تھا۔ اور دکھا دیا گیا ہے کہ انکی کتنی حقیقت ہے۔ مثلاً یہ کہ ایک دفعہ جناب پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرے میں پنڈلیاں کھولے کروٹ کے بل لیٹے ہوئے تھے حضرت ابوبکر آئے تو حضرت پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح لیٹے رہے۔ حضرت عمر آئے تو بھی اسی ہیئت پر لیٹے رہے حضرت عثمان کی اطلاع ہوئی تو پیغمبر صاحب اٹھ بیٹھے اور بخوبی سنبھال کر پنڈلیاں ڈھک لیں اور اس کی وجہ دریافت کئے جانے پر فرمایا کہ میں ایسے آدمی سے کس طرح شرم نہ کروں جس سے خدا کے فرشتے حیا کرتے ہیں اس کا مفہوم اگر بقاعدہ منطق دیکھا جائے تو کیا یہ نہیں نکل سکتا کہ معاذ اللہ رسول عثمان کے سوا کسی دوسرے سے حیا نہیں کرتے تھے یا خاص وہ لفظ رسول پر عاید نہیں ہوتا جسے زبان سے نکالتے ہوئے ہمیں ایمان و اسلام کی دیوار متزلزل ہوتی ہوئی معلوم ہوتی ہے مگر شاباش ہے اہل سنت کے جگرے کو وہ اپنی خوش اعتقادیوں کے سامنے نہ خدا کی پروا کرتے ہیں نہ رسول کی حضرت عثمان کی حیاداری کا ثبوت تو آپ کو سطور مندرجہ بالا سے مل گیا ہو گا کہ بیوی کا جنازہ سامنے پڑا ہے اور مشغول بجماع ہیں بے شک ایسے شخص سے خدا کے فرشتے

بلکہ کائنات کے ذرے ذرے جہاں تک نہ شر ما میں تھوڑا ہے اسی قسم کی روایت حضرت عمر کے لئے موجود ہے کہ کچھ مغنیہ عورتیں دف بجا بجا کر گا رہی تھیں نہ رسول کو دیکھ کر خاموش ہوئیں نہ دیگر صحابہ کو وہاں جب حضرت عمر نازل ہوئے تو وہ دف کو تحت سرین چھپانے لگیں اسوقت حضرت نے فرمایا الشیطان یفر من عمر یا من ظل عمر یعنی شیطان عمر سے بھاگتا ہے یا یہ کہ اُن کے سایہ سے بھاگتا ہے اللہ اکبر رسول کے صحابہ پر اور خود رسول پر نعوذ باللہ من ذالک شیطان تسلط ہو اور عمر سے فرار کر جائے اس قسم کی روایات کو قبول کرنے کے لئے اہل سنت کی عقل کچھ خاص طور سے موزوں ہوتی ہے - خیر ہم اپنے مقصد سے کسی قدر تجاوز کر چکے ہیں - بحث صرف یہ تھی کہ جناب فاطمہ ہی حضرت خدیجہ کی انتہائی یادگار تھیں یہی محل کی پارۂ جگر تھیں - وہ صاحبزادیاں جو حضرت عثمان کے نکاح میں آئیں وہ رسول اللہ کی حقیقی دختر نہ عقلاً ہو سکتی ہیں نہ نقلاً تنہا جناب فاطمہ کے فضائل و مناقب اس دعوے کی کافی دلیل ہیں اور ہر عاقل بضمیر مندرجۂ بالا سطور کو دیکھ کر ہمارے نقطۂ خیال سے متفق ہو سکتا ہے -

مصائب کی ابتدا

یہ ایک امر ظاہر ہے کہ جب کسی خاندان کا سرپرست مبتلائے مصائب ہوتا ہے تو باقی ارکان بھی اس کے اثر سے محفوظ نہیں رہ سکتے جناب معصومہ نے دنیا میں آنکھ ہی اسوقت کھولی تھی جبکہ مشرکین و کفار مکہ حضرت اقدس پیغمبر کی ایذا دہی اور ضرر رسانی پر اپنی پوری قوت سے تلے ہوئے تھے اسوقت جناب سیدہ نہایت ہی کمسن تھیں جب انہیں اپنی شفیق اور محترم والدہ کی آغوش میں رہ کر اپنے مولد کو ترک کرنا پڑا یعنی جب رسول اللہ کی تبلیغ رسالت کو رو بہ ترقی دیکھ کر تمامی کفار نے عہد کر لیا کہ جس طرح بھی ہو سکے پیغمبر کو قتل کر ڈالیں اور بنی ہاشم سے مقاتلہ اور مجادلہ کی ذرا پروا نہ کریں تو اس وقت حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے خاندان والوں سے مشورہ کر کے اپنے کل خاندان کو اس درۂ کوہ میں پہنچا دیا جو شعب ابیطالب کے نام سے مشہور ہے اولاد عبد المطلب میں اس وقت تک جتنے مسلمان ہو چکے تھے وہ بھی اور جو نہیں ہوئے تھے وہ بھی سب کے سب سوائے ابو لہب کے اس غار میں چلے گئے اور حمیت خاندانی کے سبب سے جو عرب کا خاصہ تھا نصرت پیغمبر میں سرگرم ہوئے جناب خدیجہ بھی اپنے گھر بار کو چھوڑ کر برفاقت پیغمبر اسی شعب میں چلی گئی تھیں اور جناب سیدہ سلام اللہ علیہا اپنی مادر گرامی قدر کے سایہ

عاطفت میں موجود تھیں - اہل شعب کو جن جن تکالیف کا سامنا کرنا پڑا ہے ان سے تواریخ کے اوراق لبریز ہیں - خوف کی حالت اس درجہ پر پہنچ گئی تھی کہ اس غار کے دو رستے تھے جن پر ہر وقت پہرا بیٹھا رہتا تھا اور رات بھر جناب حمزہ تلوار لئے ہوئے گشت کیا کرتے تھے اس پر بھی جناب ابو طالب کی یہ حالت تھی کہ رات کو پیغمبر کے بچھونے پر اپنے فرزند دلبند علیؑ کو سلاتے تھے اور حضرت کو کسی دوسری جگہ پہنچا دیتے تھے نوبت یہاں تک پہنچی کہ قریش نے دار الندوہ میں جمع ہو کر ایک معاہدہ کیا کہ اولاد عبد المطلب سے قطعاً راہ و رسم موقوف کر دی جائے - بیاہ - شادی - لین - دین سب یکقلم موقوف نہ ان سے کوئی چیز خریدیں نہ ان کے ہاتھ فروخت کریں اس معاہدے سے اہل شعب کو سخت مصیبت کا سامنا ہوا ایام حج میں جب دیگر قبائل عرب مکہ میں آتے تھے تو اس وقت یہ لوگ ان سے مایحتاج خریدتے تھے اس میں بھی قریش مزاحم ہوتے تھے جس چیز کی نسبت معلوم ہوتا تھا کہ اہل شعب اسے خریدنا چاہتے ہیں تو اس کی قیمت گراں کر دیتے تھے یا خود خرید لیتے تھے اور جس کسی کی نسبت معلوم ہو جاتا تھا کہ اس نے اہل شعب کے ہاتھوں کوئی چیز بیچی ہے تو اسے ایذا پہنچاتے تھے اس طرح اہل شعب کی نہایت تنگی میں بسر ہوتی تھی اور اطفال اولاد ابو طالب کے منہ سے اکثر الجوع الجوع کی فریاد بلند ہوتی تھی ایک روز حکیم ابن حزام بن خویلد اپنی پھپھی خدیجہ کے لئے کچھ سامان خورد و نوش اونٹ پر بار کر کے مع اپنے غلام کے شعب کی طرف چلا - راہ میں ابو جہل مل گیا اس نے مہار شتر کو پکڑ کر کہا کہ تو نے عہد شکنی کی میں تجھے قریش میں رسوا کروں گا اسی اثنا میں ابو البختری ابو جہل کا بھائی آیا اور کہنے لگا کہ اے بھائی اس سے معترض نہ ہو یہ اپنی پھپھی کے لئے کھانا بھیجتا ہے - ابو جہل نے نہ مانا دونوں میں تکرار بڑھی ابو البختری کے ہاتھ میں شانہ شتر کی ہڈی آ گئی جس سے اس نے ابو جہل کا سر زخمی کر دیا غرض ایسی ایسی مزاحمتیں تھیں اور ان ان مصیبتوں سے اہل شعب کو کھانا میسر آتا تھا خدا خدا کر کے تین برس اس تکلیف کو برداشت کر کے اولاد عبد المطلب کو اس غار سے نکلنا میسر ہوا اس کی کیفیت یہ ہوئی کہ ایک روز ہشام زہیر بن ابی امیہ کے پاس گیا اور کہنے لگا اے زہیر تیری ماں عاتکہ عبد المطلب کی بیٹی ہے اور تیری خالائیں شعب ابی طالب میں مبتلائے بلا ہیں تو سیر ہو کر کھانا کھاتا ہے - پانی پیتا ہے - عورتوں سے عیش کرتا ہے وہ بھوکوں مرے جاتے ہیں تیرا دل کیونکر اس بات کو گوارا کرتا ہے تو ابو جہل کے قول کا پابند ہوتا ہے قسم بخدا اگر وہ ابو جہل کے قرابت دار ہوتے تو وہ اس سختی کا کبھی روادار نہ ہوتا - زہیر بولا میں تنہا کیا کر سکتا

ہوں۔ ہشام نے کہا میں امداد کو موجود ہوں۔ زہیر بولا کہ تیسرے شخص کو پیدا کر۔ ہشام مطعم ابن عدی کے پاس گیا اور کہا مجھے تعجب آتا ہے کہ تو ہتیہ عبدالمطلب کی ہلاکت پر کیونکر راضی ہوا۔ مطعم نے کہا میں تنہا عہد شکنی کیونکر کر سکتا ہوں۔ ہشام نے اپنی مدد کا وعدہ کیا وہ بولا تیسرا شخص بھی کوئی پیدا کر۔ اس نے زہیر کا نام لیا۔ مطعم بولا کہ چوتھا شخص بھی کوئی چاہیے ہشام نے ابوالبختری کے پاس جا کر یہ روئداد بیان کی اس نے کہا میں تو راضی ہوں مگر اس کام کے لئے پانچ آدمی ہونے چاہئیں۔ ہشام نے ربیعہ ابن اسود کے پاس جا کر اس کو بھی متفق کیا اور ان پانچوں نے عہد کیا کہ ہم اس قسم کو توڑ ڈالیں گے اور اس عہد نامہ کو چاک کر کے رہیں گے۔ صبح کو جب رؤسائے قریش کعبہ میں جمع ہوئے تو زہیر نے کہا اے اہل مکہ ہم سب عیش و عشرت میں بسر کر رہے ہیں اور بنی ہاشم اس عسرت میں گرفتار ہیں میں ہرگز خاموش نہوں گا جب تک اس عہد نامے کو چاک نہ کروں۔ ابوجہل بولا تیری ہرگز یہ مجال نہیں۔ اس پر ربیعہ ابن اسود بولا کہ ہم پہلے سے اس تحریر پر راضی نہ تھے اب مطعم ابن عدی۔ ہشام اور ابوالبختری نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ ابوجہل نے کہا معلوم ہوتا ہے ان لوگوں میں رات کو یہ مشورہ ہوا ہے غرض اس گفتگو نے طول کھینچا اسی اثنا میں جناب ابوطالب شعب سے نکل کر چند شخصوں کو ہمراہ لے کر کعبہ میں آئے جہاں قریش بیٹھے تھے اور فرمایا اے مجمع قریش میں ایک ایسی بات کہنے آیا ہوں جس میں سراسر تمہاری بہبودی ہے۔ میرے فرزند نے مجکو خبر دی ہے کہ وہ عہد نامہ جو تم نے ہماری ایذا دہی کے لیے لکھا تھا۔ حق تعالیٰ کے حکم سے دیمک نے سوائے نام خدا کے اب تمام ظالمانہ لفظوں کو چاٹ لیا ہے۔ اب تم اس صحیفہ کو لاؤ اور اگر میرے فرزند کا قول سچ ہے تو اس کے حسد اور کینے سے ہاتھ اٹھاؤ اور اگر جھوٹ ہے تو ہم ابھی اسکو تمہارے سپرد کئے دیتے ہیں اسے شوق سے قتل کر ڈالو۔ اس پر سب رضامند ہو گئے چنانچہ وہ صحیفہ منگوایا گیا جو ام اجلاس خالہ ابوجہل کے ہاں رکھا گیا تھا جب اس کو کھولا تو سوائے لفظ باسمک اللّٰہم کے کچھ بھی نہ پایا سخت منفعل ہوئے۔ مگر ابوجہل برابر مصر رہا کہ نقض عہد نہ کیا جائے حضرت ابوطالبؑ خانہ کعبہ کا پردہ ہاتھ میں لیکر عرض کی خداوندا ہم کو اس پر نصرت عطا کر جس نے ہم پر ظلم کیا۔ ہمارے رحم کو قطع کیا جو چیز ہمارے واسطے حلال تھی اسے حرام کیا اس وقت مطعم بن عدی نے ہاتھ بڑھا کر اس صحیفہ کو لے لیا اور چاک کر ڈالا حضرت ابوطالبؑ مع اپنی جماعت کے اپنے شعب کی طرف مراجعت کی دوسرے روز صبح کو یہ پانچوں شخص ایک جماعت قریش کو لیکر شعب میں آئے اور اولاد عبدالمطلب کو گھروں میں پہنچا دیا یوں

خدا خدا کرکے محصورین کو رہائی نصیب ہوئی۔ یہ لوگ اول محرم سنہ ہفتم بعثت میں داخل ہوئے اور کامل تین برس تک اس مصیبت میں مبتلا رہے یہ صدمہ ابھی دل سے زائل ہونے پایا تھا کہ رسول اللہ کو ایک اور مصیبت نے منہ دکھایا یعنی وہ شخص جو رسول کا سچا محافظ۔ دلی خیر خواہ پکا مسلمان باہیبت و باوقار بزرگ جس کے سایہ عاطفت میں رسول نے پرورش پائی تھی اسی برس کی عمر میں اس سرائے فانی کو چھوڑ گیا جس سے ہماری مراد حضرت ابوطالب سے ہے اس بزرگ نے مرتے مرتے اپنے خاندان والوں کو جمع کیا اور وصیت کی جس کا ملخص یہ ہے کہ اگر تم محمد کی تابعداری اور اس کے امر و نہی کی اطاعت کروگے تو دونوں جہان میں رستگاری پاؤ گے۔ اس بزرگ کی وفات پر رسول کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور امیرالمومنین سے فرمایا کہ اپنے باپ کے چہرے پر کپڑا ڈال دو خداوند عالم انہیں جامہ مغفرت پہنائے اور اے علی تم اپنے ہاتھ سے انہیں غسل دو مگر اس امر کو پوشیدہ رکھو جب جنازہ لیکر چلے ہیں تو رسول اللہ آگے آگے تھے اور فرماتے تھے اے چچا تم نے صلہ رحم کا حق میرے ساتھ ادا کیا تم نے میری حمایت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ خداوند کریم تمکو جزائے خیر دے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ اسوقت رسول کی آنکھوں میں دنیا اندھیر تھی۔ انہیں دنیا میں اسوقت کوئی اس درجے اور وجاہت کا شخص اپنا سچا معین و مددگار نہیں نظر آتا تھا اور اس رنج و اندوہ کو جناب خدیجہ کی وفات نے اور بھی اہمیت دے دی جو بقولے حضرت ابوطالب کے تیسرے روز بروایتے ۳۵ روز اور بقولے ایک سال بعد زینت بخش جنت ہوئیں۔ جناب خدیجہ نے رسول اللہ کی جیسی خدمت کی ہے اس کے اظہار کرنے کی مطلق ضرورت نہیں اس معظمہ کی خدمات کا اعتراف تاریخ اسلام جن سنہری لفظوں میں کر رہی ہے وہ کسی عاقل خبیر سے پوشیدہ نہیں۔ رسول اللہ کو تو اس حادثے سے جتنا قلق ہوتا تھوڑا تھا۔ مگر جناب سیدہ سلام اللہ علیہا جو اسوقت پانچ سال کی تھیں۔ ان کے رنج و الم کا اندازہ وہ شخص خوب کر سکتا ہے جسے فلک کج رفتار نے اس کمسنی۔ کم عمری اور بچپن کے زمانہ میں شفیق والدہ سے جدا کر دیا ہو اور وہ سہم سہم کر ایک ایک اپنے پرائے کا منہ دیکھ رہا ہو حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب جناب خدیجہ نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی تو جناب سیدہ نہایت اضطراب کی حالت میں آتیں اور پوچھتی تھیں اماں کہاں ہیں۔ حضرت آنکھوں میں آنسو بھر کر خاموش ہو جاتے تھے۔ آپ ہمیشہ یہی استفسار کرتی تھیں اور سب گھر والوں سے یہی دریافت کرتی تھیں اور

جناب رسولخدا کچھ نہ کہہ سکتے تھے۔ ناگاہ جبرئیل از جانب ربِ جلیل نازل ہوئے اور کہا آپکا پروردگار فرماتا ہے کہ فاطمہ سے ہمارا سلام کہو اور کہو تیری ماں خانہ ہائے بہشت میں سے ایک گھر میں ہے جسکو قصب سے بنایا ہے اور قضب کو سونے میں نصب کیا ہے۔ اس کے ستون یاقوت سرخ کے ہیں اور اس قصر میں آسیہ زن فرعون و مریم دختر عمران بھی ہے یہ سنکر جناب فاطمہ نے فرمایا حق تعالے عیوب ونقوص سے بری ہے سلامتی اسی سے ہے اور سب سلام اور تحیتیں اسی کی طرف پھرتے ہیں (جلاء العیون)

اس روایت سے ایک اہل نظر کو جناب فاطمہ کی بشریت اور روحانیت کا اچھی طرح اندازہ ہو سکتا ہے۔ بشریت کا تو یہی تقاضا تھا۔ جو جناب فاطمہ سے ظاہر ہوا کہ آپ اپنی والدہ گرامی کو نظر سے اوجھل پاکر ہر ایک سے دریافت فرتی تھیں اور جب اپنے مقدس اور صادق باپ کی زبانی معلوم کر لیا تو آپ کی زبان پر وہی لفظ جاری ہوئے جو ایک دریائے معرفت کے پورے پورے تیراک کی زبان پر جاری ہو سکتے تھے۔ یہ ہیں خاندان رسالت کے بچے جنھوں نے پرورش ہی نیچی روحانیت کے سایہ میں پائی ہے۔

اس میں کسی طرح کا شک نہیں ہے کہ اب رسول اللہ کو باہر اور اندر کوئی اپنا سچا دل سوز نظر نہ آتا تھا بی بی۔ وفادار بی بی۔ جان نثار بی بی کے انتقال پر اگر کہدیا جائے کہ مکان بالکل تاریک ہو گیا تو بالکل نامناسب نہیں معلوم ہوتا۔ رسول اللہ کو گھر میں داخل ہو کر جب وہ صورت نہ نظر آتی ہوگی تو کیسا کچھ رنج ہوتا ہوگا۔ قاعدہ ہے کہ ایسی بی بی کے انتقال پر اس کی پس ماندہ یادگار (اولاد) کی محبت شوہر کے دل میں دُ چند ہو جاتی ہے بشرطیکہ اس کے پہلو میں ایک دردمند اور محبت سے بھرا ہوا دل ہو۔ بے انتہا بڑھ جاتی ہے اسی کلیہ کو مدنظر رکھ کر ملاحظہ فرمائیے کہ رسول اللہ جو فطرتاً رحیم رقیق القلب اور صلہ رحم کے پورے عامل تھے جناب فاطمہ کو کس نظر سے دیکھتے ہوں گے۔ یقیناً اس جانکاہ صدمے میں اگر کوئی چیز مسکن قلب تھی تو وہ جناب فاطمہ ہی تھیں۔ اگر غم غلط ہوتا تھا تو فاطمہ کو ہی دیکھ کر ہوتا تھا۔ اگر ملال برطرف ہوتا تھا تو فاطمہ کو ہی کلیجہ سے لگا کر ہوتا تھا۔ انہیں واقعات اور نیز ان انوار مقدسہ کے سبب جو فاطمہ کی بدولت دنیا کو منور کرکے نسل رسول کو قائم رکھنے والے تھے رسول کی زبان پر اکثر یہ فقرہ جاری رہتا تھا "الفاطمۃ بضعۃ منی من اذاھا فقد اذانی" اسی جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ نے کبھی کسی حالت میں اپنی زندگی بھر فاطمہ کے رنج و ملال کو جائز نہیں رکھا اور نہ آپ اس امر کی برداشت کر سکے جیسا کہ آپ کی سیرت سے اس امر کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔

برگزیدۂ رسول پر یہ مصائب و آلام تو تھے ہی اس پر طرہ یہ ہوا کہ کفار نے یہ دیکھ کر کہ یہ تو کسی طرح اپنے دعوے سے باز نہیں آتے اور اسلام دن بدن مکہ سے نکل کر دوسرے مقامات مدینہ وغیرہ میں بھی پھیلتا جاتا ہے۔ سب نے دار الندوہ میں جمع ہو کر مشورہ کیا اور شیطان لعین کی رائے سے یہ امر قرار پایا کہ مختلف قبائل عرب میں سے آدمیوں کی ایک جماعت تیار ہو اور وہ یکبارگی حملہ کر کے رسول اللہ کو قتل کر ڈالے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بنی ہاشم اپنے قبایل کے خلاف تلوار تو اٹھا سکیں گے نہیں بیشک ان میں میت کہ دیت لازم آئے گی سو کچھ مشکل نہیں سب مل ملا کر اس کو پورا کر دیں گے یہ تجویز کرتے ہی یہ لوگ منتشر ہو گئے۔ اور سر شام ہی سے مسجد الحرام میں جمع ہو کر سیٹیاں اور تالیاں بجانی شروع کر دیں جب رات ہوئی تو حملہ کا قصد کیا اس پر ابولہب نے کہا کہ اس گھر میں عورتیں بھی ہیں۔ بچے بھی ہیں۔ اندیشہ ہے کہ کسی سے خطا واقع ہو جائے ہم اس امر کو جائز نہیں رکھتا۔ لہذا تم رات بھر گھر کا محاصرہ کئے رہو اور صبح ہوتے ہی حملہ کر دینا۔ چنانچہ یہ لوگ مکان کے چاروں طرف پھیل گئے ادھر جبرئیل امین نازل ہوئے اور حضرت کو مشورہ قریش سے آگاہ فرمایا اور حقتعالی کی طرف سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا جناب رسالتمآب نے حضرت امیر کو بلا کر ارشاد فرمایا کہ خداوند جلیل نے مجھے قریش کے مشورے سے آگاہ ہو کر ہجرت کرنے کا حکم دیا ہے کہ آج شب کو غار ثور میں جا کر چھپ جاؤ اور وہاں سے مدینہ کی راہ لو اور تمہیں حکم ہے کہ میرے فرش خواب پر استراحت کرو تاکہ میرے جانے کی خبر ان پر مخفی رہے آپ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے فرش پر سونے سے کیا آپ کی جان محفوظ رہے گی جواب ملا کہ ہاں اس پر جناب امیر متبسم ہوئے رسولخدا کی سلامتی اور اپنی جان کے فدا ہونے پر سجدۂ شکر ادا کیا اور یہ پہلا سجدۂ شکر ہے جو اس امت میں مستقل ہوا پھر جناب مرتضوی نے سجدہ سے سر اٹھا کر عرض کی یا رسول اللہ حقتعالی نے جدھر جانے کا حکم دیا ہے آپ شوق سے تشریف لے جائیں میری جان آپ پر فدا ہے میں آپ کے حکم کو بسر و چشم بجا لاؤں گا اس امر میں اور جملہ امور میں حقتعالے سے توفیق کا طلبگار ہوں رسول اللہ نے فرمایا۔ بس اب تم میرے فرش پر آرام کرو میری ردا کو اوڑھ لو۔ حق تعالے تمہارا امتحان کرتا ہے بقدر ان کے ایمان اور درجات کے اور یہی وجہ ہے کہ امتحان پیغمبر دین کا سب سے زیادہ سخت ہے بعد ان کے بندگان صالح کا امتحان نہایت بزرگ ہے اے برادر حق تعالے تمہارا امتحان کرتا ہے میرے باب میں اور میرا امتحان کرتا ہے تمہارے باب میں مثل

امتحان خلیل اور اسمٰعیل ذبیح کے بلکہ میرے نزدیک یہ امتحان اس سے پختہ تر ہے اس لئے کہ ذبیح نے بطیب خاطر باپ کی چھری کے نیچے گردن جھکائی تھی جس سے امید رحم بھی ہو سکتی ہے اور تم بطوع خاطر انکی تلواروں کے نیچے سر جھکاتے ہو۔ اے برادر صبر سے کام لو کہ نیک کام کرنے والوں سے رحمت خدا نزدیک ہے پھر حضرت نے اپنے قوت بازو کو گلے لگا کر مفارقت کے آنسو بہائے اور فرمایا کہ میرے پاس بہت لوگوں کی امانتیں ہیں ان کو تمہارے سپرد کرتا ہوں میرے جانے کے بعد تم مقام ابطح میں باواز بلند ندا کرنا کہ جس کی امانت رسول اللہ کے پاس نبی ہو وہ آکر مجھ سے لیجائے اور جس کو امانت دینا علانیہ گواہوں کے روبرو دینا اور زاد راہ کے لئے اور بار برداری کے واسطے اونٹ خرید لینا اور جب ہمارا خط تمکو پہنچے اور تم ادائے امانت سے فارغ ہو جاؤ تو اسوقت فاطمہ زہرا اور اپنی والدہ فاطمہ بنت اسد کو ہمراہ لیکر اور جو ساتھ چلنے پر راضی ہو سب کو ساتھ لئے ہوئے ہمارے پاس پہنچ جانا اسوقت جبرئیل امین نازل ہوئے اور حضرت کا ہاتھ پکڑ کر دولتسرا سے باہر لیچلے۔ قریش مکان کا محاصرہ کئے ہوئے تھے حضرت نے یہ آیہ تلاوت فرمایا وجعلنا من بین ایدیھم سدًا ومن خلفھم سدا فاغشینٰھم فھم لا یبصرون[1] حق تعالیٰ نے نیند کو ان کی آنکھوں پر مسلط کیا انہیں حضرت کے تشریف لیجانے کی بالکل خبر نہوئی اور حضرت نے ایک مٹھی خاک اُن کے سروں پر پھینکی اور فرمایا شاھت الوجوہ اور جبرئیل نے کہا یا رسول اللہ اب آپ غار ثور کو تشریف لیجائیے اور مخفی ہو جیئے حضرت اُدھر تشریف لے گئے۔ اِدھر امیر المومنین علیہ السلام حضرت کی چادر اوڑھ کر اسی فرش پر سو گئے اور کفار نے جب دیکھا کیونکہ اس زمانے میں مکہ کے مکانات کی دیواریں بلند نہوتی تھیں۔ تو انہیں یہی گمان ہوا کہ رسول اللہ ہی سو رہے ہیں۔ اس رات کو جناب امیر علیہ السلام سے جو جان نثاری ظاہر ہوئی ہے۔ وہ بے شک اس قابل ہے کہ اہل ایمان اس پر جتنا فخر کریں زیبا ہے۔ اسی جان نثاری کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی ہے ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللّٰہ[2] امام ثعلبی نے اپنی تفسیر میں امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں امام غزالی نے احیاء العلوم میں نیز دیگر مفسرین و محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں اس روایت کو ذکر کیا ہے۔ عبارت روضۃ الاحباب جو ان کتب کا ملخص ہے یہ ہے۔ مروی ہست کہ دراں شب علی کرم اللہ وجہہ در جامہ خواب

---

[1] ہم نے اُن کے سامنے دیوار قایم کر دی اور اُن کے پیچھے (بھی) دیوار کھڑی کر دی۔ پس ہم نے اُن کو (بالکل) اندھا کر دیا لہذا وہ (سراسر) نابینا ہیں ۱۲

[2] کون شخص ہے جو اپنے پروردگار کے لئے اپنی جان کو فروخت کرتا ہے ۱۲

آنحضرت تکیه نمود و نفس خود را فدائے وے ساخت حق تعالی وحی کرد بجبریل و میکائیل که میان ہر دو عقد
مواخات بستم و عمر یکے را بیش از عمر دیگر گردانیدم کدام از شما ایثار حیات دیگرے بر حیات خود میکند ہر یکے
از ایشاں گفتند ما ایثار حیات خود بر حیات کسے نمیکنیم زندگی خویش دوست میداریم الله تعالی وحی کرد
با ایشاں که چرا مثل علی ابن ابیطالب نیستند که مواخاة بستم من میان او و محمد و نفس خود را فدائے محمد ساخت
حیات او را بر حیات خویش ایثار نمود بروید بر زمین و وے را از شر اعدا محافظت نمائید ایشاں بموجب
امر خداوند تعالی بر زمین آمدند۔ جبرئیل بر بالین علی نشست و میکائیل بر پائین وے۔ جبرئیل گفت
بخ بخ کیست مثل تو اے علی ابن ابیطالب حق جل جلاله مباہات کرد بتو بر ملائکه ولنعم ما قیل ع

ہر آنکه بہر خدا راہ نفس زر بندد — ملک زعرش بفرمان او کمر بندد

و گویند آیه کریمه ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات الله والله رؤف بالعباد
در آں شب نازل شد۔

مخالف اور موالف سب بشرطیکہ ان کے دل میں ذرا بھی نور ایمان ہو خوب سمجھ سکتے ہیں کہ علی سے اس موقع
پر کیسی جان نثاری ظہور میں آئی مگر تعصب کا برا ہو کہ یہاں بھی حتی الامکان فضائل مرتضوی کو گھٹانے اور کم
از کم سبک کرنے کی کوشش کی گئی اور یہاں علیؑ کے مقابلے کے لئے ابوبکر کو ایجاد کیا بلکہ یہ جوش یہاں تک
روبترقی ہوا کہ اس زمانے کے محقق شمس العلما ڈپٹی نذیر احمد صاحب سلمہ ربہ نے تو جدتوں کے دریا بہا دیئے
چنانچہ آپ فرماتے ہیں ابوبکر بڑے آخر بیں آدمی تھے ع مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست اور ان کو مدتوں
پہلے سے خیال تھا کہ مکے میں تو نقشہ جمتا ہوا دکھائی نہیں دیتا اور یہاں زندگی بھی ہر وقت معرض خطر میں
ہے۔ ملک خدا تنگ نیست پائے مرا لنگ نیست پیغمبر صاحب کو چاہیئے کہ کہیں اور جاکر تبلیغ رسالت کی کوشش
کریں اور یہ تو چار و ناچار کرنا ہی پڑے گا اور وہ اس بارے میں پیغمبر صاحب سے عرض معروض بھی کرتے
رہتے تھے اور اسی خیال سے انھوں نے دو اونٹنیاں بھی پال رکھی تھیں ایک پیغمبر صاحب کے لئے اور ایک اپنے
لئے تاکہ عین وقت پر سواری نہ ڈھونڈنی پڑے مگر مکے سے نکلنے کو پیغمبر صاحب کا جی نہیں چاہتا تھا
حب الوطن من الایمان۔ آخر پیغمبر صاحب کو قریش کے منصوبہ قتل کی دن کے دن خبر معلوم ہوئی اور انھوں
نے اپنے راز دار ابوبکر سے مدینے کی ہجرت کا ارادہ ظاہر کیا۔ ابوبکر پر تو سن کر شادی مرگ کی سی حالت
طاری ہوگئی کہ ان کو پیغمبر صاحب کی خیر خواہی کا اور اسلام کی خدمت کا لاجواب موقعہ ہاتھ آیا جو پہلے

بھی بہت کچھ تیر مار چکے تھے۔"

فاضل شمس العلماء کی یہ تحریر بلا شبہ ان کا ذاتی اجتہاد ہے جسے واقعات سے ذرہ برابر بھی لگاؤ نہیں علمائے سواد اعظم نے آجتک یہ کوشش کی تھی کہ نزول قرآن حضرت عمر کی رائے کے موافق ثابت کیا جائے۔ لیکن فاضل شمس العلماء نے حضرت ابوبکر کو بھی اس فضیلت سے مستثنیٰ رکھنا گوارا نہیں کیا اور ان کی یہ کوشش ایک حد تک بجا بھی ہے کیونکہ حضرت ابوبکر جو دیوار خلافت کی خشت اول ہیں اگر وہی اس منقبت سے محروم رہے تو کچھ زیبندہ نہیں۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ یہ کوشش کچھ سرسبز نہ ہوگی سرسبز جب ہی ہوسکتی تھی جب اسے صدق و حقیقت سے کچھ ربط ہوتا قبل از ہجرت حضرت ابوبکر کا رسول اللہ کو ترک وطن اور کسی دوسرے مقام پر تبلیغ رسالت کا مشورہ دینا آیا اس کی کوئی دلیل ہے۔ کسی واقعہ نگار کے قول سے یہ امر استنباط کی جاسکتی ہے۔ کسی مورخ نے اس کا ذکر کیا ہے؟ ہرگز نہیں شمس العلماء ہی اس امر کے موجد ہیں۔ ہم اس ایجاد کو قبول کرتے لیکن تامل اتنا ہے کہ فاضل موجد اس واقعہ سے تیرہ سو برس بعد منصۂ شہود میں آئے ہیں۔ حضرت ابوبکر کا اسی مصلحت کو مدنظر رکھ کر دو اونٹنیاں پالنا۔ اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب ہے اور حضرت ابوبکر کی غیب دانی کی ایک عمدہ دلیل یعنی حضرت ابوبکر کو یہ بھی معلوم تھا کہ مکہ سے اگر ہجرت بھی کریں گے تو بس دو ہی شخص ہوں گے ایک خود بدولت دوسرے حضرت پیغمبر۔ سبحان اللہ اونٹنیوں کا قصہ لکھا تو صاحب روضۃ الاحباب نے بھی ہے۔ مگر اس نے تو بروایت حضرت عائشہ یہ لکھا ہے کہ حضرت نے عین دوپہر کے وقت ہمارے گھر آکر ابوبکر سے اپنی رائے متعلق ہجرت ظاہر کی ابوبکر نے کہا کہ میں بھی ہمراہ چلوں آپ نے منظور کیا پھر ابوبکر نے عرض کی کہ دو اونٹ میرے قبول ہوں کہا کہ قیمتاً منظور ہیں ابوبکر بولے اگر یہی مرضی ہے تو قیمت عنایت کیجئے بروایت واقدی قیمت اس کی آٹھ سو درہم تھی اب کوئی پوچھے کہ بھلا حضرت ابوبکر کی گرہ سے کیا گیا۔ مورخین اہل سنت نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ وہ اونٹ حضرت ابوبکر نے تین سو درہم کو خریدا تھا اور بوقت ہجرت آٹھ سو یا نو سو درہم کو رسول اللہ کے ہاتھ فروخت کیا ہمارے خیال میں تو حضرت ابوبکر نے اس سودے میں دنیوی نفع بہت کچھ کمایا اس پر انہیں نفع آخرت کا حصہ دار بنانا خدا جانے کون سے قاعدے پر مبنی ہے یہ ہے اس اونٹ یا اونٹنی کی حقیقت شمس العلماء کی تحریر سے یہ امر بھی مستنبط ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ نے حضرت ابوبکر کے کہنے کو پیشتر سے قبول نہ کیا اور اس لئے انہیں اس پریشانی کے عالم میں ترک وطن کرنا

پڑا جیسا کہ فرماتے ہیں پیغمبر صاحب کا مکے سے نکلنے کو جی ہی نہیں چاہتا تھا۔ کاش رسول اس لڑکے کو قبول کرتے اور حضرت ابوبکر کو عہدۂ پیغمبری مرحمت فرماتے۔ لیکن رونا تو یہی ہے کہ رسول خدا کے رسول تھے نہ کہ ابوبکر کے ان کا فرض یہ تھا کہ احکام الٰہی کی پابندی کریں نہ کہ فرامین ابوبکر و عمر کی ایک ہی خدمت اسلام جو خاص اس واقعہ پر حضرت ابوبکر سے ظہور میں آئی۔ شمس العلماء کو اس کی تشریح کرنی چاہیے تھی کہ کچھ سمجھ میں تو آجاتا موجودہ حالت میں تو محض صفر ہی صفر ہے۔ جیسا کہ تمامی عمر میں منتہائے نیت کہ وہ اسوقت پیغمبر کے ساتھ تھے۔ غار میں آپ کے ہمراہ رہے۔ جہاں انھوں نے اپنے آپ ایک نہایت ہی بڑا مصاحب ثابت کیا خیال فرمائیے کہ یہ عمر یہ ریش و فش پھر پیغمبر کی ہمراہی اس پر بھی آپ غار میں بلبلا گئے یہ تو بالکل ہی غمزہ بے جا تھا جسے شتر غمزہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہو سکتا رسول اللہ نے جھڑک کر فرمایا لا تحزن ان اللہ معنا پھر بھی بے قراری نہ گئی پر نہ گئی۔ سواد اعظم کے خوش فہم افراد آیۂ غار کو فضیلت ابوبکر کے لئے پیش کرتے ہیں۔ مگر کیا پیش کرتے ہیں ؎

بس کن حدیث غار کہ عارست نزد عقل   آں حزن و بیقراری شیخ معمم

بیزم من آن امام کہ فرمانش بردہ مار   من این امام مار گزیدہ کجا برم

لطف تو یہ ہے کہ عقلمندی اور غایت عقلمندی کو مد نظر رکھتے ہوئے بیچاروں کو اگر کوئی آیت تمسک کے لئے دستیاب ہوئی ہے تو وہ آیۂ غار ہے۔ اور اسطرح ہے الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذ ھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا فانزل اللہ سکینتہ علیہ و ایدہ بجنود لم تروھا و جعل کلمۃ الذین کفروا السفلی و کلمۃ اللہ ھی العلیا یعنی کیا ہوا تم نے اس پیغمبر کی مدد نہ کی بے شک اس کی خدا نے اس وقت مدد کی جب کہ اسکو کفار نے نکال دیا تھا اور وہ دو میں کا دوسرا تھا غار میں (اور) جبکہ وہ اپنے ہمنشین سے کہتا تھا کہ، محزون و غمگین نہو خدا ہمارے ساتھ ہے۔ پس خداوند عالم نے اپنی تسکین اس پیغمبر پر نازل کی اور اس کی ایسے لشکر و روحانی قوتوں سے مدد کی جسے تم نہ دیکھ سکے اور کفار کا کلمہ پست کر دیا اور خدا کا ہی بول بالا رہا فرمایئے اس میں کونسی بات حضرت ابوبکر کی فضیلت کی دستیاب ہوئی اگر لفظ صاحب پر کوئی لٹو ہیں تو یہ تو سراسر نادانی ہے۔ کلام عرب میں تو صاحب کی اتنی وقعت ہے کہ ان قیدیوں کو بھی یوسف کا صاحب کہا گیا ہے جو حضرت یوسف کے ساتھ زندان میں بند تھے زبان عرب کو زبان اردو پر قیاس کرنا جہیں

لفظ صاحب ایک گونہ عزت کے معنی رکھتا ہے اور اس کی رفعت اور بھی بڑھ جاتی ہے جبکہ اس کے ساتھ بہادری کا تمغہ چسپاں کر دیا جائے بڑی نادواقفیت کی دلیل ہے اب رہا ان اللہ معنا پر افتخار یعنی ابوبکر کے لئے بھی معیت خداوند عالم ثابت ہے تو اس میں فضیلت کا پہلو کونسا نکلا خدا تو ایک ایک شخص کی نسبت فرماتا ہے نحن اقرب الیہ من حبل الورید اگر کوئی ہمیں یہ سمجھا دے کہ ابوبکر کے سوائے خدا کسی کے ساتھ نہیں تو شاید ہم کسی حد تک اس فضیلت کو قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو جائیں مشکل تو یہی ہے کہ خود حضرت ابوبکر اس راز کو نہ سمجھے تھے۔ باوجودیکہ وہ رسول پر ایمان لا چکے تھے۔ باوجودیکہ وہ رسول کی حقانیت کا اندازہ اپنی آنکھوں میں کر چکے تھے۔ باوجودیکہ انہیں علم تھا کہ یہ ہجرت خدا کے حکم سے ہے مگر پھر بھی غار میں جا کر ان پر وہ خوف و ہراس طاری ہوا کہ بچوں کی طرح آنسو بہانے لگے۔ صدیقیت کی کیا اچھی دلیل ہے اسی لئے رسول اللہ نے بلہجۂ کرخت ان سے فرمایا لاتحزن ان اللہ معنا متقدمین و متاخرین نے اس الم و حزن کو ان حاشیوں میں چھپایا جاتا ہے کہ غار میں آپ کو سانپ اور بچھو ڈس رہے تھے لہذا ان کی آنکھوں سے گرم گرم آنسو ڈھلک کر ریش اقدس کے بال بال میں موتی پرونے لگے۔ خدا جانے یہ کس قسم کی عقل ہے یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ عرب بالکل ایک خشک اور بے آب و گیاہ خطہ ہے۔ ایسی جگہ کے جانوران موذی مثل مار و کژدم نہایت ہی زہریلے ہوتے ہیں۔ مگر وہ کیسے سانپ اور بچھو تھے جو بار بار حضرت صدیق پر نیش چلاتے رہے اور انہیں ذرا بھی افسوس نہ ہوا۔ بچھو خدا کی پناہ سخت بچھو تو بچھو ایک تتیا اگر کاٹ جاتا ہے تو آدمی فتنے کی طرح ناچ جاتا ہے۔ شاباش کہیے حضرت ابوبکر کو جنہوں نے متعدد بچھوؤں کے کاٹنے پر صرف آنسو بہانے پر اکتفا کی۔ ہمارے خیال میں تو اسے حضرت صدیق کے معجزات میں داخل کرنا چاہیے کہ اتنے سانپ اور بچھوؤں کی گزندگی نے ان پر کوئی اثر نہیں کیا الغرض یہ محض ایک انمل بے جوڑ ہے جسے عقل سلیم قبول کرنے پر ہرگز ہرگز آمادہ نہیں پائی جاتی۔ اب آئیے فانزل اللہ سکینتہ علیہ کی طرف علمائے خوش فہم سواد اعظم فرماتے ہیں کہ علیہ کی ضمیر حضرت ابوبکر کی طرف پھر رہی ہے۔ یعنی خدا نے اپنی تسکین ابوبکر پر نازل کی اور اس طرح آپ خدا کے منظور نظر ہیں اس باب میں اول تو یہ دیکھنا چاہیے کہ ابتداء سے خداوند عالم رسول کی حالت بیان کر رہا ہے اور جتا رہا ہے کہ تم لوگ مدد نہیں کرتے نہ کرو تمہاری مدد کی پروا کسے ہے۔ ہم نے رسول کی اسوقت مدد کی ہے جب اسے کفار نے نکال دیا تھا الخ اس میں حکایتہً ابوبکر کا بھی ذکر کر دیا ہے تاکہ واقعہ غار کی توضیح ہو جائے

لہٰذا اس آیت میں ابتدا سے دیکھا جائے جتنی ضمائر ہیں حضرت پیغمبر کی طرف راجع ہیں کل ضمائر کو
رسول اللہ سے متعلق کرنا اور فقط ضمیر علیہ کو ابوبکر سے متعلق سمجھنا کیا اچھا انتشار ضمائر ہے اور اس سے
قرآن کریم کی کیسی اچھی فصاحت و بلاغت ثابت ہوتی ہے اس ضمیر علیہ کو رسول سے علیحدہ کرنا یقیناً تحریف
معنوی کا ارتکاب ہے جو کسی طرح اثم عظیم سے خالی نہیں۔ دوم یہ امر بھی غور کے قابل ہے کہ سکینہ
خداوندی کا نزول یوں ہی محل بے محل نہیں ہوا کرتا۔ اس کا محل ہوتا ہے۔ اس کا مقام ہوتا ہے
اس کا نزول اسی شخص کے لئے ہوتا ہے جو مقام خوف میں ہو ہم دریافت کرتے ہیں کہ کیا حضرت
ابوبکر اُس وقت مقام خوف میں تھے۔ ہرگز نہیں وہ رسول کے ہمراہ تھے اگر خدانخواستہ کفار
رسول کو پا جاتے تو وہ اگر قتل کرتے تو رسول کو ہی کرتے ابوبکر سے تعرض کرنے کی انہیں کوئی ضرورت
ہی نہ تھی وہ ایسے بیوقوف نہیں تھے کہ خواہ مخواہ ایک ضعیف العمر کو دنیا سے رخصت کر کے مفت کی
دیت اپنے ذمے لیتے۔ انہیں فقط رسول سے مطلب تھا اور ممکن نہیں کہ حضرت ابوبکر جیسا تجربہ کار اور
جہاندیدہ انسان اس کنہ تک نہ پہنچا ہو۔ ہاں ہاں وہ خوب اس امر کو جانتے تھے کہ اس جوے میں
تو جفت بھی اپنی ہے اور طاق بھی اپنی اگر رسول کے ساتھ بخیریت مدینہ پہنچ گئے تو بھی سبحان اللہ رسول
کفار کے ہاتھ آگئے اور قتل کر دئے گئے تو بھی ہمارا کوئی ہرج نہیں مقام خوف میں تھے خود رسول اللہ
مقام خوف میں تھے جناب امیر ان دونوں بزرگواروں کے خوف کی وجہ ظاہر ہے۔ رسول اللہ ایسے
مقام پر تھے کہ اگر کفار کو ذرا بھی پتہ لگ جاتا تو وہ کبھی زندہ نہ چھوڑتے۔ علیؑ رسولؐ کے بستر پر اور
انہیں کی سبز چادر اوڑھے لیٹے ہے۔ اگر کفار داخل خانہ ہو کر بغیر جگائے ہوئے پیغمبر کے دھوکے
میں (جو واقعی ان کو تھا) ان پر تلواریں برسا دیتے تو ذرا بھی مستبعد نہ تھا۔ مگر وہی نزول سکینہ
تھا جس نے ان دونو بزرگوں کو مضطرب نہونے دیا۔ اسی جان نثار پیغمبر کی نسبت گبن لکھتا ہے
صرف خاندان قریش ہی کے لوگوں نے اس نوجوان ہیرو کے اس اعلیٰ درجہ کے کام کو جس سے ثابت
ہو گیا کہ اس کے دل میں اپنے چچا زاد بھائی کی کس درجہ قدر و منزلت ہے قابل قدر خیال نہیں
کیا بلکہ خود اُس کے چند اشعار جواب تک مشہور ہیں اس قوی یقین کی جو اس کو اپنے مذہب پر تھا
اور نیز اس فکر و تردد کی جو اس کو اپنے چچا زاد بھائی کے باب میں تھا ایک عجیب تصویر ہیں ہم اس
مقام پر مناسب سمجھتے ہیں کہ ان اشعار کو نقل کر دیں ان اشعار کو میبذی نے بھی بہ تفاوت قلیل

شرح دیوان جناب امیر علیہ السلام میں نقل کیا ہے جو یہ ہیں۔

وقیت بنفسی خیر و من وطی الحصیٰ ومن طاف بالبیت العتیق و بالحجر

میں نے اس شخص پر اپنی جان نثار کی جو کنکریوں کو روندنے والوں (ساعیان صفا و مروہ) اور مکان قدیم (خانہ کعبہ) اور حجر (اسود) کا طواف کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔

رسول الٰہ خاف ان یمکروا بہ فنجاہ ذوالطول الالٰہ من مکر

رسول اللہ کو خوف ہوا کہ مبادا کفار اس کے ساتھ مکر و دغا کریں (اچانک آکر قتل کردیں) پس صاحب قوت و فضل و کرامت خدا نے آپ کو مکر سے بچا لیا۔

وبات رسول اللہ فی الغار آمنا موقی وفی حفظ الالٰہ وفی ستر

رسول اللہ نے نہایت امن کی حالت میں دشمنوں سے بچے ہوئے اور خداوند عالم کی پناہ اور پردہ حفاظت میں رات بسر کی۔

وبتّ اراعیہم وما یثبتوننی فقد وطنت نفسی علی القتل والاسر

اور میں شب بھر دشمنوں کے حملے کا انتظار کرتا رہا۔ مگر وہ مجھے کوئی گزند نہ پہنچا سکے اور بے شک (راہ خدا میں) میں نے اپنے نفس کو قتل اور اسیری کا خوگر کر لیا ہے

یہ ہے وہ اطمینانی حالت جو شاہد ہے اس بات کی کہ یہی بزرگوار نزول سکینہ کے منزل تھے اور انہیں پر تسکین نازل بھی ہوئی حضرت ابوبکر کے لیے بھی ہم اس امر کو ثبوت کرتے۔ مگر اول تو ہر دو وجہ مذکورہ بالا اس میں حارج ہیں۔ دوسرے ایک اور بات بھی ہے یہ ظاہر ہے کہ نزول سکینہ حضرت ابوبکر پر اگر ہوا ہے تو غار میں ہوا ہے مگر یہ کیا قیامت ہے کہ وہ نزول بعد سکینہ خداوندی بھی اسی طرح مضطرب الحال نظر آتے ہیں۔ چنانچہ جب حضرت غار سے نکل کر عازم مدینہ ہوئے تو قریش نے انعام کثیر کا اشتہار دے کر بہت سے سوار ادھر ادھر دوڑا رکھے تھے انہیں میں سے ایک شخص سراقہ ابن مالک نیزہ ہاتھ میں لیے ہوئے مارا مار کرتا ہوا حضرت کے نزدیک پہنچ گیا اس کو دیکھ کر پھر حضرت صدیق کی جان پر بن گئی اور بروایت ابوالفدا و ابن اثیر فرمایا یا رسول اللہ ادرکنا الطلب یا رسول اللہ تلاش کرنے والے نے ہمیں آلیا۔ یہ فقرہ کس قدر بزدلی اور جبنیت پر دلالت کرتا ہے۔ پھر لطف یہ کہ ادھر تو وہ اکیلا۔ ادھر ایک تو خود بدولت دوسرے حضرت پیغمبر ایک کی دار و دہشل مشہور ہے مگر بزدلی تو گھٹی

میں پڑی ہوئی تھی وہ اپنا اثر کیونکر نہ دکھلاتی اس پر بھی رسول اللہ نے یہی فرمایا لا تحزن ان اللہ معنا افسوس رسول اللہ کو اس سفر میں کیسے جبن الرفیق سے پالا پڑا تھا جو موجب تسکین خاطر تو کیا ہوتا الٹا ہراساں ہو ہو کر اپنے تئے حواس کھوئے دیتا ہے۔

اب ہم چاہتے ہیں کہ جناب شمس العلماء کے اس فقرے کی بھی اصلیت دکھا دیں جو فرمایا ہے کہ آخر پیغمبر صاحب کو قریش کے منصوبہ قتل کی دن کے دن خبر معلوم ہوئی اور انھوں نے اپنے رازدار ابوبکر سے مدینہ کی ہجرت کا ارادہ ظاہر کیا۔ شمس العلماء نے یہ فقرہ لکھنے کو تو لکھ دیا لیکن اگر ان سے اس کا ثبوت طلب کیا جائے تو انہیں سخت پریشانی اٹھانی پڑے گی اور وہ کسی طرح اپنے مقصود میں کامیاب نہوں گے ہم جانتے ہیں کہ کچھ راویان اہل سنت کا ایسا ہی بیان ہے مگر رد و قدح کے نشتر وہ کام کر چکے ہیں جس نے ان خوش گپیوں کے جسم کو لہولہان کر رکھا ہے اور ان روایات کی کوئی اصلیت باقی نہیں رہی اور جناب شاہ ولی اللہ دہلوی کو یہ روایت درج ازالۃ الخفا کرنی پڑی ہے۔

قال ابن عباس فشری علی نفسہ فلبس ثوب النبی صلعم ثم نام مکانہ قال ابن عباس و کان المشرکون یرمون رسول اللہ صلعم فجاء ابوبکر و علی نائم و ابوبکر یحسبہ انہ رسول اللہ صلعم قال فقال یا نبی اللہ فقال لہ علی ان نبی اللہ قد انطلق نحو بیر المیمون فادرکہ قال فانطلق ابوبکر فدخل معہ الغار جناب ابن عباس شب ہجرت کے واقعہ کی نسبت بیان کرتے ہیں کہ علی نے اپنی جان بیچکر رسول اللہ کا کپڑا اوڑھ لیا اور ان کی جگہ پر سو گئے پھر کہتے ہیں کہ کفار رسول اللہ پر (علی پر جنکو رسول اللہ سمجھتے تھے) کنکریاں پھینک رہے تھے اتنے میں ابوبکر آئے اور علی محو خواب تھے اور ابوبکر نے بھی سمجھا کہ یہ رسول اللہ ہیں آتے ہی کہا یا نبی اللہ اس وقت علی نے کہا کہ وہ چاہ میمون کی طرف گئے ہیں وہاں جاکر ان سے (اگر ملنا ہے) مل لو) ابن عباس کہتے ہیں کہ ابوبکر چلے گئے اور ان کے ہمراہ داخل غار ہوئے۔ شاہ موصوف کے اس بیان سے کیا کوئی شخص یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ رسول نے پہلے سے ابوبکر کو ہمراز بنایا تھا یا رسول اللہ مدینہ سے حضرت ابوبکر کو ہمراہ لیکر چلے تھے یہ جناب شمس العلماء کی خوش اعتقادی ہے۔

ہمنے ضمناً یہ واقعات ہجرت کے متعلق بیان کر دئے ہیں جن پر اہل سنت کو بہت بڑا ناز ہے ورنہ مقصود ہمارا فقط اتنا ہے کہ جناب سیدہ کے لئے مرحومہ والدہ کے انتقال کے بعد شفیق باپ کا اس طرح

گھر سے بے گھر اور وطن سے جلا وطن ہونا بھی کچھ کم مصیبت نہ تھی۔ پھر ایسی حالت میں کہ رسول کی جان ایک ایک قدم پر معرض خطر میں تھی اور عزیز وطن کی خاک کا ذرہ ذرہ ان کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا جناب سیدہ پر اس وقت جو گذری ہوگی اس کا اندازہ ہر ایک صاحب دل کر سکتا ہے۔ مگر شکر ہے کہ قادر مطلق نے بہت جلد اس ملال کو فرحت سے بدل دیا رسول اللہ بخیریت داخل مدینہ ہو گئے اور حسب وعدہ وہاں جاتے ہی جناب امیر کے نام نامہ مقدس تحریر فرمایا جس کا ترجمہ یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خدا کے بندے محمد کی طرف سے اس کے وصی علیؑ ابن ابیطالب کے نام یہ تحریر ہے حمد و ثنائے الٰہی کے بعد تجھکو معلوم ہو کہ تیری جدائی مجھ پر نہایت شاق ہے اور ہر وقت تیری تصویر نگاہوں میں بجلی پھرتی رہتی ہے۔ قریب و بعید سے اکثر لوگ میرے پاس آرہے ہیں مگر تیرا ہم مرتبہ میں کسی کو اپنے نزدیک نہیں پاتا اور اپنی بیٹی فاطمہؑ کے درد فراق کا شکوہ میں نے خدا سے کیا ہے جس نے تیرے پہنچانے کا وعدہ فرمایا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ تجھے لکھوا دوں کہ تو میرے پاس چلا آئے اب جس وقت میرا یہ خط تو پڑھے اسی وقت زرہ پہن کے تلوار ہاتھ میں لے اور بے خوف و خطر آمادہ سفر ہو جا۔ خداوند عالم نے وعدہ کیا ہے کہ وہ تجھے دن کے وقت وہاں سے صحیح و سالم اور مظفر و منصور نکالے گا اپنے دشمنوں سے ہرگز نہ ڈرنا خدا تیری حمایت کرے گا اور دشمنوں پر تجھے فتح دے گا اور عورتوں میں سے کسی کو وہاں نہ چھوڑنا اور میرے اصحاب سے بھی پوچھنا جو ہجرت کا ارادہ کرے اسے اپنے ہمراہ لینا۔ ہاں میں نے اپنی بیٹی فاطمہ کے پاس ایک صرّہ رکھا ہے جس میں درہم و دینار ہیں ان سے اونٹ اور ہودج وغیرہ سامان سفر خرید کرنا اور زید ابن حارثہ کو بھی اپنے ساتھ لینا وہ تیری اعانت کرے گا اور حق خدمت بجا لائے گا۔ آ اب جلدی میرے پاس میں تیرا اور تیری ملاقات کا نہایت مشتاق ہوں اور تجھ پر سلام ہو اور خدا کی رحمت و برکت تجھ پر نازل ہو اور میری بیٹی فاطمہ کو میرا سلام پہنچانا اور نیز میرے اہلبیت اور مومنین و مومنات کو وحسبی اللہ ونعم الوکیل۔

جس وقت یہ نامہ فرحت شمامہ مکہ میں پہنچا تو حضرت امیر اور دیگر اہل بیت کے چہرے خوشی کے مارے چمکنے لگے اور جناب سیدہ پر بھی ایک عجیب فرحت و سرور کی کیفیت طاری ہوئی اور جناب امیر علیہ السلام نے سامان سفر درست کرنا شروع کر دیا سب سے بڑا فرض امانتوں کا پہنچانا تھا جسے آپ نے باحسن وجوہ انجام دیا اس فرض کی بجا آوری میں بڑے بڑے شور و شغب اٹھے۔ ابو جہل نے ایک جھوٹا دعوی دائر کر دیا جس کا نتیجہ سوائے روسیاہی اور کیا ہو سکتا تھا۔ پھر آپ اپنے چچا عباسؓ کے نام وہ نامہ لیکر آخر شب تشریف

لے گئے اور صورت حال سے مطلع کیا انھوں نے کہا کہ یہ امر تو نہایت دشوار ہے تم دیکھ رہے ہو کہ قریش محمد کے اس طرح نکل جانے پر کس طرح پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ انہیں کیونکر گوارا ہوگا کہ تم کھلم کھلا ان کے اہل و عیال کو لے کر چلے جاؤ۔ محمد بے شک اپنے قول کے سچے اور صدق و راستی کے ساتھ معروف ہیں اور ان کا حکم تمہیں یہی چاہیے مگر میری اس معاملے میں رائے نہیں البتہ تم بنی خزاعہ سے جا کر نصرت طلب کرو اور انہیں اپنے ساتھ لو امیر المومنین علیہ السلام یہ سن کر متبسم ہوئے اور فرمایا اے عم عالیقدر خداوند عالم میرا معین و مددگار ہے اور میرے حبیب نے فرمایا ہے کہ خدا تمہاری نصرت کرے گا اب مجھکو کسی کی اعانت اور مدد کی ضرورت نہیں اور دوسرے روز آپ نے حسب معمول مقام ابطح میں باآواز بلند فرمایا جبکہ کل قریش جمع تھے کہ اے بنی مخزوم و بنی زہرہ و بنی امیہ و بنی عدی و بنی عبد الدار اور اے اہل ابطح جس کی امانت میرے پاس موجود ہو وہ آکر مجھ سے لے اب مجھے سکار رکھنا ناگوار ہے۔ میں عنقریب یہاں سے چلا جاؤں گا اور دوسری قوم سے ملوں گا۔ تم لوگ رسول اللہ کا اکرام کرو ان کے قول کی تصدیق کرو اور ہاں کل کو کوئی بات نہ کہے کہ علی ہمارے خوف سے اور ہماری تلواروں کے ڈر سے چھپ کر چلا گیا میں دن دہاڑے جاؤں گا اور حسد والوں کی بلند ناک کو شکستہ کر کے جاؤں گا میں نہایت عجلت کے ساتھ آمادہ سفر ہوں۔ شوق زیارت مجھپر غالب ہے اور اسی لئے میں نے یہ راز ظاہر کر دیا۔ جس شخص کو مجھ سے کچھ معاوضہ لینا ہو تو میں یہاں در ہوں۔ میں بہترین اخیار ہوں تم میں سے ایک شخص ہے جو مجھ پر حملہ کرتا ہے اپنی شرارت کے سبب اور اس سے ایسے امور سرزد ہوئے ہیں جس کا میں ذکر کرنا نہیں چاہتا یہ اشارہ ابو سفیان کی طرف تھا جس نے اس وقت جبکہ آپ پہلی رات کو اپنے چچا عباس کے ہاں جا رہے تھے اپنے غلام مہلع کو بھیجا تھا کہ آپ کو قتل کرے اور آپ نے اسکو واصل جہنم کر دیا تھا اور ابو سفیان نے خوف کے مارے اس راز کو کسی پر ظاہر نہ کر کے اس کی لاش اپنے مکان ہی میں دفن کر دی تھی۔ غرض ابو جہل اس تقریر کو سنکر بہت برہم ہوا اور کہا اے معاشر قریش اے بنی عبد مناف و بنی زہرہ و بنی امیہ و بنی حارث و بنی نفر کیا تم اس لڑکے کے کہنے پر راضی ہو گئے اس کا یہ ارادہ ہے کہ یہاں سے بالاعلان دنکو چلا جائے یہ کیونکر ہو سکتا ہے حالانکہ محمد جو ان سے ارفع تھے وہ پوشیدہ روانہ ہوئے ہیں اب ہمارے لئے مناسب ہے کہ تلواروں سے اس کے بدن کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو یہ سنتے ہی جناب حمزہ اٹھ کھڑے ہوئے اور بلند آواز سے کہا جس کی ہیبت تمام قریش پر چھا گئی کہ برا ہو تم لوگوں کا تم ہمارے سامنے نہایت ذلیل اور خوار ہو اور ابو جہل یہ تو نے جو کچھ کہا ہے فضول کہا ہے ہرگز نہیں ہو سکتا جب تک

دہن سے سردار بہت سی جانیں کام نہ آئیں تو جانتا ہے کہ ہم بندگان و غابشیران جنگ آزما اور سرداران بطحٰی ہیں یہ ممکن نہیں کہ ہمارے بھتیجے علی کو کوئی صدمہ پہنچے جب تک ہماری قوم کا ایک بھی آدمی باقی ہے عنقریب ہم تمہاری بلند بینی کو رگڑ دیں گے پھر یہ اشعار فرمائے

ارجع خزیت بقبح فعلک خاسرا ۔ فلقد اتیت بقبحۃ و شنار

پلٹ جا اور اپنے زشت فعل کی بدولت خائب و خاسر ہو کر پلٹ جا بے شک تو نے نہایت ہی بدنما اور برا کام کیا ہے

بل سیفہ یبری الجماجم فی الوغا ۔ و سنانہ موت علی الاعمار

ہاں اس (علیؑ) کی تلوار لڑائی میں کھوپڑیوں کو پارہ پارہ کر دیتی ہے اور اس کا نیزہ زندگیوں کے لیے موت ہے موت

فھو الامام و نحن اہل عضادۃ ۔ نرمی عداہ بنارھم لشرار

وہ امام (برحق) ہے اور ہم اس کے معین و مددگار ہیں ہم اس کے دشمنوں پر ان کی شرارتوں کے سبب آتشباری کریں گے۔

یا ابن الذلیل لقد اتیت بقبحۃ ۔ کالکلب ینبح فی فناء الدار

او ذلیل کے بیٹے تو نے نہایت بری گفتگو کی جس طرح کہ صحن خانہ میں کتا بھونکتا ہے۔

یہ گفتگو سن کر ابوجہل بالکل سکوت کی حالت میں رہ گیا اور جناب امیر مع جعفر و عقیل اپنے مکان پر واپس تشریف لائے اور امانتوں کو ادا کر کے سامان سفر درست کیا اور مع حرم راہی مدینہ منورہ ہوئے اور بخیر و عافیت رسول اللہ سے جا ملے۔

•

حضرت شمس العلماء نے عمر صاحب کے لئے بھی تحریر فرمایا ہے کہ یہ ہیبت عمری ہی تو تھی کہ دن دہاڑے سامان سفر درست کر کے ہتھیار لگائے اور پکار پکار کر کہتے ہوئے چلے کہ جس کو اپنی بیوی کو رانڈ اپنے بچوں کا یتیم کرنا منظور ہو وہ شہر کے باہر ملے۔ (اندر نہیں) اور مجھے روکے یہاں سب کو سانپ سونگھ گیا تھا ایک سے نہ ہو سکا کہ جاتے کو پکڑتے اس واقعہ کو آپ نے ہیبت عمری سے تعبیر کیا ہے۔ ہم اسے قبول کرتے لیکن افسوس یہ ہے کہ عمر صاحب کی لائف میں تاریخی اوراق کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں کر سکتے جس سے استنباط ہو سکے کہ آپ سر بکف ہو کر کبھی کسی کا ذے آمادہ پیکار ہوئے ہیں۔ جہاں تک دیکھا جاتا ہے یہی

معلوم ہوتا ہے کہ معرکوں میں آپ نے ہمیشہ پیٹھ ہی دکھائی اور ایسا ہی ہوا ہے کہ لڑائی کو چھوڑ چھاڑ پہاڑ کی چوٹی پر جا پہنچے ہیں اور پہاڑی بکری کی طرح اچھلنے کودنے کی پریکٹس کی ہے جیسا کہ خود آپ کا ارشاد ہے - بدر - احد - حنین - خندق - خیبر میں تو کہیں بھی اس مہیب انسان کے قدم جمتے دکھائی نہیں دیتے - ممکن ہے عمر صاحب نے وقت ہجرت یہ کلمات فرمائے ہوں مگر ان کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسا کہ کوئی زنانہ مخنث انسان تالیاں بجا بجا کر رسالے کے جوانوں پر اپنی بہادری کا سکہ جمانا چاہے - ظاہر ہے کہ اس صورت میں مدمقابل کو سوائے تبسم کے اور کیا چارہ ہوگا - ایسا ہی مکے والے بھی آپ کی اس حرکت ان خوش فعلیوں کا تماشہ دیکھ رہے ہوں گے - کفار عرب گو کافر تھے مگر اس میں کلام نہیں کہ باحمیت جسور تھے وہ تلوار اسی کے مقابلے پر اٹھاتے تھے جو ان کا مدمقابل ہوتا تھا - شمس العلماء کو خیال فرمانا چاہیے کہ جس وقت رسول اللہ نے مدینے سے عمر صاحب کو بطور قاصد کفار مکہ کے پاس بھیجنا چاہا اس وقت وہ ہیبت کہاں تشریف لے گئی تھی - ٹکا سا جواب دیدیا کہ عثمان کو بھیج دیجئے ان کے وہاں رشتہ دار بھی موجود ہیں - اگر کوئی بھیڑا آپڑی تو مدد پر تل جائیں گے - مجھے تو معاف کیجئے - آخر عثمان کو روانہ کیا گیا - یہاں سے یہ نکتہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عمر صاحب کسی قوم و قبیلہ کے ممبر نہ تھے ورنہ کیا ممکن نہ تھا کہ ان کے رشتہ دار مکہ میں موجود ہوں یا تھے تو اس درجہ با وقار تھے کہ ان کا قبیلہ ان کی پرواہی نہ کرتا تھا یہیں سے معلوم کر لیجئے کہ آپ کی کیا حیثیت تھی درانحالیکہ عرب کا ہر قبیلہ اپنے اپنے بچے پر حتی کہ غلاموں پر بھی جان چھڑکتا تھا اہانۃ العبد اہانۃ المولیٰ عرب کا مقولہ ہے -

شادی یا نکاح

مدینہ پہنچکر رسول اللہ کو ایک گونہ اطمینان میسر ہو گیا تھا - قریش مکہ جو دن رات ایذا رسانی کے لیے طرح طرح کے حیلے پیدا کرتے تھے اب وہ حرمان و حسرت کے ساتھ پشت دست کاٹنے کے سوا اور کچھ نہ کر سکتے تھے گو غزوات و سریات کا سلسلہ مدینہ سے ہی شروع ہوا ہے مگر رسالت کی وہ زبردست مہم فتح ہو چکی ہے جس کا انجام دینا کسی معمولی انسان - معمولی قلب اور معمولی دماغ کا کام نہیں تھا تیرہ برس کامل کفار مکہ جیسے شدید اور شقی القلب انسانوں میں توحید کی منادی کرنا حقیقۃً اسی

برگزیدہ رسول کا کام تھا جسے اس نے نہایت استقلال نہایت صداقت اور نہایت پختگی کے ساتھ انجام دیا اور بحکم ایزد متعال اب مدینہ میں جائے سکونت اختیار کی۔ مدینہ میں آکر یہ ظاہر ہے کہ جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا بھی حد رشد کو پہنچ چکی تھیں اور جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس طرف سے غافل نہ تھے اور تمام اصحاب کی بھی آنکھیں اسی طرف لگی ہوئی تھیں کہ دیکھئے یہ سعادت ابدی کس کے حصہ میں آتی ہے

صاحب جلاء العیون رقمطراز ہے کہ مناقب خوارزمی اور جمیع کتب معتبرہ شیعہ وسنی میں جناب ام سلمہ وسلمان فارسی سے روایت کی ہے کہ جب جناب سیدہ حد بلوغ کو پہنچیں اکابر و اشراف قریش وصاحبان اہل ثروت و شرف وعزت نے جناب فاطمہ کی خواستگاری کی اور جو شخص ان میں سے درخواست کرتا تھا حضرت اس کی طرف سے منہ پھیر کر اظہار کراہت فرماتے تھے حتیٰ کہ ہر ایک سمجھ لیتا تھا کہ حضرت ہم پر خشمناک ہیں یا آسمان سے وحی ہماری مذمت میں نازل ہوئی ہے ان خواستگاری کرنے والوں میں ماشاء اللہ ابوبکر بھی تھے۔ ان کی درخواست پر حضرت نے یہ جواب دیا کہ اس کا اختیار خدا کو ہے۔ پھر عمر صاحب کا نمبر آیا اور انہیں بھی یہی جواب ملا اس کے بعد پھر یہ روایت درج کرتے ہیں کہ ایک دن ابوبکر و عمر و سعد ابن معاذ مسجد حضرت رسول میں بیٹھے تھے اور فاطمہ کے نکاح کی باتیں ہو رہی تھیں۔ ابوبکر بولے اشراف قریش نے فاطمہ کی خواستگاری کی اور حضرت نے یہ جواب دیا کہ اس کا اختیار خدا کو ہے وہی جس کے ساتھ چاہے گا اسے تزویج کرے گا اور علی ابن ابیطالب نے ابھی تک حضرت سے اس بارے میں کچھ نہیں کہا۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ ان کی تنگدستی ان کو اس امر سے مانع آرہی ہے اور ہمارا گمان یہی ہے کہ خدا اور رسولخدا نے فاطمہ کو انہیں کے لئے رکھا ہے آؤ چلو علی کو آج حضرت کی خدمت میں بھیجیں اگر تنگدستی مانع ہے تو ہم ان کی مدد کریں گے آخر اس راز کا انکشاف تو ہو جائے یہ کہکر سب اٹھے اور حضرت امیر کے مکان پر پہنچے وہاں حضرت کو نہ پایا اس وقت حضرت اپنے اونٹ کو لے گئے تھے اور ایک باغ میں اجرت پر آبکشی کر رہے تھے یہ لوگ وہاں پہنچے حضرت نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ کس لئے آئے ہو ابوبکر بولے اے ابوالحسن کوئی نیک خصلت ایسی نہیں ہے جس میں تم اور لوگوں پر سبقت نہ رکھتے ہو تمہارے اور رسول اللہ کے درمیان جو ربط و اتحاد و یگانگت ہے وہ بھی ہمیں معلوم ہے کل اشراف قریش فاطمۃ الزہرا کی خواستگاری کر چکے تھے

مگر حضرت نے پذیرا نہیں فرمائی نہیں کون سی چیز خواستگاری سے مانع ہے ہمارا یہ گمان ہے کہ یہ سعادت تمہارے ہی لئے مخصوص ہے یہ سنکر حضرت کے آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا کہ میرا عم زادہ تم نے تازہ کر دیا جو آرزو میرے دل میں پنہاں تھی وہ اور تیز ہو گئی کون ایسا ہو جو اس سعادت کا متمنی نہو۔ لیکن میری تنگ دستی عرض کرنے میں حائل ہے۔ آخر ان لوگوں نے حضرت کو اس امر پر راضی کیا جناب امیر علیہ السلام نے اپنا اونٹ کھولا گھر میں لاکر باندھا اور نعلین پہن کر متوجہ خانہ رسالت ہوئے اس وقت حضرت خانہ جناب ام سلمہ میں تشریف رکھتے تھے جناب امیر نے جاکر دق الباب کیا ام سلمہ نے کہا کون ہے قبل اس کے کہ جناب امیر کچھ بولیں رسول اللہ نے ارشاد فرمایا اے ام سلمہ اٹھو اور دروازہ کھول دو یہ وہ مرد ہے جو محب و محبوب خدا اور رسول ہے ام سلمہ نے عرض کی بابی انت وامی یہ کون شخص ہے جس کے حق میں آپ ایسا ارشاد فرماتے ہیں حالانکہ ابھی اسے دیکھا نہیں ہے رسول اللہ نے فرمایا اے ام سلمہ چپ رہو یہ وہ مرد ہے جو سفیہ نہیں ہے بلکہ نازک مزاج و شجاع ہے یہ میرا بھائی اور ابن عم ہے اور مجھے یہ مرد سب خلق سے زیادہ محبوب ہے ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں اٹھی اور دروازہ کھولنے میں جلدی کی اس عجلت میں پاؤں الجھا اور قریب تھا کہ گر پڑوں جب دروازہ کھولا علی ابن ابی طالب کو دیکھا پس قسم خدا کی علی گھر میں آئے جب تک یہ جان لیا کہ میں اپنے پردے میں چلی گئی ہوں اس وقت علی ابن ابیطالب داخل ہوئے اور کہا السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ جناب رسول خدا نے فرمایا وعلیک السلام اے ابوالحسن بیٹھو ام سلمہ فرماتی ہیں کہ جناب امیر حضرت بشیر و نذیر میں بیٹھے اور نگاہ نیچی تھی جس سے مترشح تھا کہ کسی کام کے لئے آئے ہیں مگر فرط حیا سے کچھ کہ نہیں سکتے رسول اللہ نے قیافہ سے معلوم کیا اور فرمایا اے ابوالحسن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم کسی کام کو آئے ہو اپنی حاجت بیان کرو اور جو کچھ دل میں ہے اس کا اظہار کرو تمہاری حاجتیں میرے نزدیک مقبول ہیں جناب امیر نے عرض کی یا حضرت آپ جانتے ہیں کہ مجھے آپ نے ابوطالب اور فاطمہ بنت اسد سے لیکر عہد طفلی میں پرورش کیا اپنی غذا سے مجھے غذا دی اپنے آداب سے ادب تعلیم کیا اور والدین سے زیادہ مہربانی کی حق تعالےٰ نے مجھے آپ کی برکت سے چچاؤں اور بزرگوں کی حیرت و ضلالت سے ہدایت فرمائی یا رسول اللہ آپ میرے لئے دنیا و آخرت میں ذخیرہ شرف و آخرت ہیں اب ان کرامتوں کے سبب سے جو حق تعالیٰ نے آپ کی برکت سے مجھے عطا فرمائی ہیں امیدوار ہوں کہ مجھے

گھر اور زوجہ بیٹے ہیں درخواست کرتا ہوں کہ اپنی نور نظر فاطمہ کو مجھ سے تزویج فرما دیجے یا رسول اللہ کیا
میری یہ عرض قبول ہوگی اور فاطمہ کو آپ مجھ سے تزویج کرنا گوارا کریں گے ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ رسول کا چہرہ
اقدس ان باتوں کے سننے سے شگفتہ ہو گیا حضرت خنداں ہوئے اور از روے تبسم جناب امیرؑ سے
کہا یا علی تمہارے پاس کچھ ہے کہ میں فاطمہ کو تم سے تزویج کردوں عرض کی بابی انت و امی یا رسول اللہ
آپ پر میری حالت پوشیدہ نہیں میرے پاس ایک شمشیر ہے ایک زرہ ہے ایک اونٹ ہے کہ اس سے آب
رسانی کا کام لیتا ہوں سوائے ان کے اور کچھ میرے پاس نہیں حضرت نے فرمایا شمشیر سے تو دشمنان
خدا کا مقابلہ کرتے ہو رہا اونٹ اس سے نخلستان کے لئے پانی کھینچتے ہو اور اپنا اسباب وغیرہ سفر
میں اس پر بار کرتے ہو۔ ہاں یہ زرہ جو تمہارے پاس ہے بس اسی پر میں فاطمہ کو تم سے تزویج کئے
دیتا ہوں اے ابوالحسن چاہتے ہو کہ میں تمہیں بشارت دوں جناب امیرؑ نے مودبانہ الفاظ میں اشتیاق
ظاہر کیا اس وقت حضرت نے فرمایا اے ابوالحسن تمہیں بشارت ہو کہ حق تعالےٰ نے آسمان پر
فاطمہ کو تم سے منسوب کیا ہے قبل اس کے کہ میں زمین پر اس کا تم سے نکاح کروں تمہارے آنے
سے پہلے اسی جگہ جہاں میں بیٹھا ہوں مجھ پر ایک فرشتہ نازل ہوا جس کے بیشمار منہ اور ہاتھ تھے
اس سے قبل میں نے ایسا فرشتہ نہ دیکھا تھا اس نے آکر کہا السلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اے
محمد آپ کو اجتماع اہل دنیا کی پاکیزگی نسل کی بشارت ہو میں نے دریافت کیا اے ملک کس بات کی بشارت
ہے اس نے کہا اے محمد میرا نام سطائیل ہے اور میں ایک قائمہ عرش الہی پر موکل ہوں میں نے اپنے
پروردگار سے رخصت طلب کی کہ آپ کو بشارت دوں اور ابھی میرے بعد جبرئیل آتے ہیں وہ آپ کو
کرامتہائے حق سبحانہ تعالی جو آپ پر مبذول ہیں ان کی خبر دیں گے اتنے میں جبرئیل امین آپہنچے
اور بعد سلام ریشمی ریشم کا ایک سفید پارچہ مجھے دیا جس پر دو نورانی سطریں مرقوم تھیں میں نے
جبرئیل سے اس نوشتہ کی ماہیت دریافت کی اس نے کہا یا محمد چونکہ حق تعالےٰ اپنے علم سے جمیع خلق
کے حالات پر مطلع تھا لہذا اس نے آپ کو سب میں سے برگزیدہ کیا اور عہدہ رسالت پر مبعوث فرمایا
بعد آپ کے جمیع خلق سے آپ کے بھائی و وزیر۔ مصاحب اور داماد کو برگزیدہ کیا پھر آپ کی دختر
فاطمہ کو اس سے تزویج کیا میں نے کہا اے حبیب جبرئیل وہ کون شخص ہے جبرئیل بولے وہ آپ کے
بھائی دنیا میں اور ابن عم نسب میں یعنی علی ابن ابی طالب۔ حق تعالےٰ نے جمیع اہل بہشت کو وحی

فرمائی کہ مزین ہوجاؤ۔ باغان جنت بن سنور گئے پھر شجر طوبے کو حکم دیا کہ زیورات و سامان آرائش سے آراستہ ہو جائے۔ حوریان جنت کو بھی یہی حکم ہوا اور فرشتوں کو حکم دیا کہ فلک چہارم پر بیت المعمور کے قریب جمع ہوں اور رضوان خزانہ دار بہشت کو حکم دیا کہ منبر کرامت کو نزدیک بیت المعمور نصب کرے اور یہ وہ منبر ہے کہ حضرت آدم نے جس روز فرشتوں کو اسماء کی تعلیم کی اس روز اس پر خطبہ پڑھا تھا اور وہ منبر نورانی ہے پھر حقتعالے نے ایک ملک کو ملائکہ حجب سے حکم دیا جسکا نام راحیل ہے کہ اس منبر پر جاکر حمد و ثنا پروردگار بیان کرے جسکا وہ سزاوار ہے وہ ملک جو نیکو بیانی اور شیریں زبانی میں سب ملائکہ سے ممتاز ہے اس منبر پر آیا اور حمد و ستائش کے نغمے شروع کئے جسپر آسمان و اہل آسمان فرط سرور سے جھومنے لگے پھر مجھے حقتعالے نے وحی فرمائی کہ ان کا عقد باندھوں اس طرح کہ میں نے اپنی کنیز فاطمہ اپنے حبیب محمدؐ کی دختر کو اپنے بندے علیؑ ابن ابیطالب سے تزویج کیا میں نے اسی طرح یہ عقد باندھا۔ ملائکہ مقربین اسپر گواہ ہوئے اور ان کی گواہی اس حریر پر لکھی ہے اور پروردگار نے حکم دیا ہے کہ یہ نامہ آپ کو دکھاؤں اور پھر اسپر مشک سے مہر لگا کر رضوان کے سپرد کردوں اور جب حقتعالی نے تزویج علی و فاطمہ پر ملائکہ کو گواہ کیا تو طوبیٰ کو حکم دیا کہ جو کچھ زیورات اور حلے تیری آرائش ہیں وہ سب نچھاور کردے پس ملائکہ اور حور العین نے اس نچھاور کو سمیٹ لیا اور حوریں ایک دوسرے کو اس نچھاور کا ہدیہ بھیجتی ہیں اور اسپر فخر و مباہات کرتی ہیں اے محمدؐ بیشک مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ تزویج علیؑ و فاطمہ کے متعلق حکم خداوند عالم آپ کو پہنچادوں آپ اس کار خیر کو انجام تک پہنچائیے اور انہیں بشارت دیجیے کہ حقتعالے انہیں دو فرزند عطا کرے گا کہ وہ پاکیزہ طیب و طاہر نجیب صاحب خیر اور مالک فضیلت دنیا و آخرت ہونگے اے ابوالحسن ابھی تمہارے دق الباب کرنے سے پہلے وہ ملک یہاں سے گیا ہے۔ اب میں تمہارے باب میں امر خدا کو جاری کردونگا اے ابوالحسن تم مسجد میں بیٹھو میں بھی تمہارے پیچھے آتا ہوں سب لوگوں کے سامنے تمہیں فاطمہ سے تزویج کرتا ہوں اور تمہاری ایسی فضیلت بیان کرتا ہوں جو تمہارے اور تمہارے دوستوں کی دنیا اور آخرت میں باعث روشنی چشم ہوگی یہ سنکر جناب امیر المومنین علیہ السلام اُٹھے اور متوجہ مسجد نبوی ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ مجھے اس درجہ سرور تھا جو بیان سے باہر ہے ادھر ابوبکر و عمر وغیرہ منتظر تھے کیونکہ آپ کو رسول خداؐ کے پاس بھیجا تھا انھوں نے آتے ہی پوچھا کہ کیا خبر ہے آپ نے فرمایا

کہ رسول اللہ نے اپنی دختر فاطمہؑ کو مجھ سے تزویج کیا اور مجھے خبر دی ہے کہ آسمان پر بھی خدائے تعالےٰ نے فاطمہؑ کو مجھ سے تزویج کیا ہے اور اب حضرت تشریف لاتے ہیں کہ سب کے سامنے فاطمہ کو مجھ سے تزویج فرمائیں جب انھوں نے یہ خبر سنی تو اظہار مسرت کیا۔ امیر المومنین فرماتے ہیں کہ ہم ابھی داخل مسجد ہوئے تھے کہ جناب رسول اللہ تشریف لائے روئے مبارک سے اثر شادی و خرمی ظاہر تھا آپ نے بلال کو حکم دیا کہ مہاجرین و انصار کو ندا کرے تاکہ سب جمع ہو جائیں جب سب جمع ہوئے تو حضرت منبر کے پہلے زینے پر تشریف لے گئے۔ حمد و ثنائے خدا بیان کی اور فرمایا اے گروہ مسلمانان آج جبرئیل میرے پاس آئے اور مجھے خبر دی کہ میرے پروردگار نے ملائکہ کو بیت المعمور میں جمع فرما کر ان کے سامنے علیؑ و فاطمہؑ کا عقد کیا اور انہیں گواہ بنایا پھر مجھے حکم دیا کہ میں بھی فاطمہؑ کو علیؑ سے تزویج کر دوں اور میں تمکو اسپر گواہ کرتا ہوں یہ فرما کر آپ بیٹھے اور جناب امیر سے فرمایا اے ابوالحسن اٹھو اور فاطمہ کی خواستگاری کرو۔ آپ اٹھے اور نہایت فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا جس کے بعض الفاظ یہ ہیں میں اپنے حق تعالیٰ کی نعمتوں اور شکر احسان پر اس کی حمد کرتا ہوں اس کی وحدانیت پر شہادت دیتا ہوں تاکہ اس کی خوشنودی کا باعث ہو اور درود بھیجتا ہوں محمد و آل محمد پر جو خداوند کی قربت کا باعث ہو اور واضح ہو کہ نکاح منجملہ ان اشیاء کے ہے جس کا حکم خداوند عالم نے دیا ہے اور اس کو پسندیدہ فرمایا ہے اور یہ مجلس و مجمع خداوند تعالیٰ کے قضا و قدر سے مرتب ہوا ہے بے شک رسول خدا نے اپنی بیٹی فاطمہ کو مجھ سے تزویج فرمایا اور اُن کا مہر یہ میری زرہ قرار دیا اور بروایت دیگر پانسو درہم مقرر کیا اور میں اس پر راضی ہوں اب تم رسول اللہ سے دریافت کرو اور گواہ رہو۔ مسلمانوں نے رسول اللہ سے استفسار کیا کہ آیا آپ نے اپنی بیٹی فاطمہؑ کو علیؑ سے تزویج کیا آپ نے فرمایا ہاں مسلمانوں نے کہا خدا اُن کو برکت دے اور ان کی پراگندگی کو یکجائی سے مبدل کرے پس حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ ازواج کے گھر تشریف لے گئے۔

شیخ طوسی علیہ الرحمۃ نے بسند معتبر حضرت صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ نے حضرت فاطمہؑ کا علی ابن ابیطالب سے نکاح کیا اور جناب فاطمہ کے پاس تشریف لائے تو دیکھا کہ آپ رو رہی ہیں حضرت نے سبب گریہ پوچھا اور ارشاد کیا کہ اگر میرے اہل بیت میں کوئی اس سے بہتر

ہوتا تو میں اُس کو تزویج کرتا اور اے فاطمہ میں نے یہ نکاح نہیں کیا بلکہ خداوند تعالےٰ نے علیؑ کے ساتھ تیری شادی کی ہے اور خمس کو جب تک زمین و آسمان باقی ہیں تمہارا مہر کیا۔

حضرت امیرؑ فرماتے ہیں کہ نکاح کے بعد مجھ سے حضرت نے فرمایا کہ اے علیؑ اٹھو اور اپنی زرہ بیچ ڈالو میں نے فروخت کر کے اُس کی قیمت حضرت کے سامنے لاکر رکھدی تو نہ حضرت ہی نے پوچھا کہ یہ کتنے روپیہ ہیں نہ میں نے بیان کیا۔ ان میں سے حضرت نے ایک مٹھی بھر کر بلال کو دی اور فرمایا کہ فاطمہؑ کے لئے عطر و خوشبوئے لے آ پھر ان درہموں میں سے دو مٹھیاں ابوبکر کے حوالے کیں اور فرمایا کہ بازار میں جاکر کپڑا اور جو کچھ اثاث البیت درکار ہے لے آئیں۔ پھر عمار یاسر اور ایک جماعت صحابہ کو ابوبکر کے پیچھے روانہ کیا اور سب بازار میں پہنچے ان میں سے ہر ایک شخص جو چیز لیتا تھا وہ ابوبکر کے مشورے سے لیتا تھا ایک پیراہن سات درہم کو ایک مقنعہ چار درہم کو ایک چادر سیاہ خیبری و کرسی کہ دونوں پاٹ اُس کے لیف خرما سے جڑے تھے اور دو توشک جامہ ہائے مصری کی کہ ایک کو لیف خرما سے اور دوسری کو پشم گوسفند سے بھرا تھا اور چار تکیہ پوست طائف کے جو گیاہ اذخر سے بھرے گئے تھے ایک پردہ پشم ایک بوریائے ہجری اور چکی اور بادیہ مسی اور ایک ظرف چوبین پانی پینے کا اور ایک کاسہ دودھ کے لئے ایک مشک پانی کی لئے ایک آفتابہ جس پر قیر کا روغن کیا ہوا تھا سبوئے سبز اور کچھ کوزہ ہائے سفالین۔ غرض یہ اشیا خرید کیں اور حضرت کی خدمت میں لائے آپ ہر ایک چیز کو ہاتھ میں اٹھاتے تھے اور کہتے تھے خداوندا اسے میرے اہلبیت کے لئے مبارک کر۔ اور بروایت دیگر آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے اور سر بجانب آسمان بلند کر کے فرمایا خداوندا اس گروہ کو برکت دے جن کے ظروف زیادہ تر مٹی کے ہوں۔

جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ نکاح کے بعد میں برابر حضرت کے ہمراہ مسجد میں جاتا تھا نماز پڑھتا تھا اور فاطمہؑ کے بارے میں کچھ نہ کہتا تھا اسی طرح ایک مہینہ گذر گیا۔ ایکدن ازواج رسولؐ نے مجھ سے فرمایا کیا تمہیں منظور ہے کہ تمہارے مقدمہ مزاوجت میں ہم رسول اللہ سے کچھ عرض کریں میں نے کہا ہاں پس ازواج خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور ام ایمن گویا ہوئیں یا رسول اللہ اگر خدیجہ زندہ ہوتیں تو زفاف فاطمہ سے ان کی آنکھیں روشن ہوتیں اب علیؑ اپنی زوجہ کے خواستگار ہیں دیدۂ فاطمہ کو اُن کے شوہر سے روشن کیجئے اور ان دو بزرگواروں کو جمع فرمائیے تاکہ ہماری آنکھیں

maablib.org

اس مزاوجت سے روشن ہوں حضرت نے فرمایا کہ علیؑ خود کیوں نہیں طلب کرتے ہیں میں ان کے
طلب کرنیکا منتظر ہوں میں نے عرض کی یا رسول اللہ مجھے حیا مانع ہوئی پس حضرت ازواج کی طرف
متوجہ ہو کر فرمانے لگے کہ تم میں سے کون کون موجود ہیں ام سلمہ بولیں یا حضرت میں اور زینب اور
فلاں فلاں حاضر ہیں آپ نے فرمایا کہ میرے حجروں میں سے ایک حجرہ میری بیٹی فاطمہ اور میرے
ابن عم علی ابن ابیطالب کے لئے درست کرو ام سلمہؓ نے دریافت کیا کہ کون سا حجرہ ؟ حضرت نے فرمایا
کہ اپنا ہی حجرہ آراستہ کرو۔ پھر ازواج کو حکم دیا کہ فاطمہؑ کو آراستہ کریں اور جو کچھ انہیں درکار ہو
مہیا کریں ام سلمہ کہتی ہیں کہ میں نے فاطمہؑ سے پوچھا آیا تمہارے پاس کچھ خوشبو ہے جناب فاطمہ ایک
شیشہ لائیں اور اس میں سے تھوڑا سا میری ہتھیلی پر دیا میں نے اس قسم کی خوشبو کبھی نہ سونگھی تھی میں نے
فاطمہ سے دریافت کیا کہ یہ کہاں سے آئی ہے جواب دیا کہ جب کبھی دحیہ کلبی میرے پدر بزرگوار کی خدمت
میں آتے تھے تو حضرت مجھ کو فرماتے تھے کہ اپنے چچا کے لئے تکیہ لا کر رکھو میں رکھ دیتی تھی جب وہ اٹھتے تھے
تو ان کے کپڑوں سے ایسی چیز جھڑتی تھی حضرت مجھے حکم دیتے تھے کہ اسکو جمع کر لو جناب امیرؑ نے رسول خدا
سے پوچھا یا حضرت وہ کیا چیز تھی آپ نے فرمایا کہ جبرئیلؑ امین بصورت دحیہ کلبی میرے پاس آتے تھے اور
یہ عنبر ہے جو ان کے پروں سے جھڑتا تھا اور بروایت دیگر جناب فاطمہ گلاب بھی لائیں جس پر جناب
ام سلمہ نے کہا کہ ایسا گلاب کبھی نہیں دیکھا گیا یہ کہاں سے آیا ہے جناب فاطمہؑ نے جواب دیا کہ جب رسول اللہ
استراحت فرماتے تھے تو میں حضرت کا پسینہ شیشے میں جمع کر لیتی تھی یہ گلاب حضرت کا وہی پسینہ ہے غرض
اس کے بعد جناب امیرؑ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا اے علی اپنے اہل کے لئے عمدہ کھانا تیار کرو اور
فرمایا گوشت اور روٹی تو میں لاتا ہوں تم روغن اور خرما لاؤ چنانچہ میں لے آیا اور رسول اللہ نے اپنے
دست مبارک سے کپڑے میں روغن ڈالا اور خرمے توڑ کر اس میں ملائے اور میرے لئے گوسفند ذبح اور
بہت سی روٹیاں مہیا فرمائیں جب کھانا تیار ہوا تو فرمایا اے علیؑ جس کو چاہو بلا لاؤ جب میں مسجد میں آیا
تو تمام مسجد اصحاب سے بھری ہوئی تھی مجھے حیا مانع ہوئی کہ بعض کو بلاؤں اور بعض کو نہ بلاؤں میں ایک
بلندی پر آیا اور آواز دی کہ ولیمہ فاطمہ میں تکلیف کرو جمیع اہل مسجد اس آواز پر اٹھ کھڑے ہوئے اور
میرے گھر کی طرف چلے مجھے کثرت مردم اور قلت طعام سے سخت شرمندگی تھی۔ جناب رسول اللہ نے
مجھے شرمندہ پا کر فرمایا میں دعا کروں گا کہ حق تعالےٰ اس طعام میں برکت عطا فرمائے چنانچہ سب اصحاب

نے سیر ہو کر بہ برکت دعائے حضرت پیغمبر کھانا کھا لیا اور یہ لوگ چار ہزار سے زیادہ تھے۔ پھر بھی اس کھانے میں کمی نہ ہوئی پھر حضرت نے کاسہ طلب فرما کر اس میں کھانا بھرا اور ازواج کے لئے بھیجا پھر ایک دوسرے کاسے میں بھر کر فرمایا کہ یہ علیؑ و فاطمہؑ کا حصہ ہے جب آفتاب غروب ہوا تو ام سلمہ سے کہا کہ فاطمہ کو لاؤ وہ لائیں جناب فاطمہؑ کا دامن زمین پر لٹکتا اور فرط حیا سے پسینہ ٹپکتا آتا تھا نہایت شرم و حیا سے سر جھکائے ہوئے تھیں جناب رسولخداؐ نے انہیں دیکھ کر فرمایا کہ حقتعالے انہیں دنیا و آخرت میں لغزشوں سے محفوظ رکھے جب جناب رسول اللہ کے سامنے آئیں تو حضرت نے اُن کی نقاب اٹھا دی اور انکا ہاتھ شوہر کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا اے علیؑ دختر رسولخداؐ کی مواصلت خدا تمہیں مبارک کرے یا علیؑ فاطمہؑ نیک زوجہ ہے اور اے فاطمہؑ علیؑ نیک شوہر ہے اب تم اپنی منزل میں جاؤ اور میرے آنے کا انتظار کرو

جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں فاطمہ زہرا کا ہاتھ تھامے ہوئے انہیں اپنے مکان میں لے گیا انہیں ایک گوشہ میں بٹھا دیا اور خود دوسرے گوشے میں جا بیٹھا ہم دونوں شرم و حیا سے سر جھکائے ہوئے تھے اتنے میں حضرت رسول اللہ تشریف لائے اور فرمایا یہاں کون ہے میں نے عرض کی مرحبا اے تشریف لانے والے اور اے زیارت کرنے والے حضرت نے آکر جناب فاطمہ کو اپنے پہلو میں بٹھایا اور پھر فرمایا اے فاطمہ پانی لاؤ وہ اُٹھ کر کاسہ آب بھر لائیں حضرت نے ایک گھونٹ اس میں سے دہان مبارک میں لیا اور کلی فرما کر اسی پیالہ میں ڈال دیا۔ پھر تھوڑا سا پانی اُس میں سے جناب فاطمہ کے سر پر چھڑکا اور فرمایا کہ منھ میری جانب کرو پھر تھوڑا سا پانی سینہ پر چھڑکا اور دونو شانوں کے درمیان بھی یہی عمل کیا اور فرمایا خداوندا یہ میری بیٹی ہے یہ مجھے محبوب ترین خلایق ہے۔ خداوندا اسکو اپنی دوست اور اطاعت کنندہ اور اس کے اہل کو اس کے لئے مبارک فرما پھر ارشاد کیا اے علیؑ تم اپنی زوجہ کے پاس جاؤ اور اے اہل بیت پیغمبر رحمت خدا و برکات نازل ہوں

اس روایت کے علاوہ اور بھی کئی روایات ہیں جن میں ان ہر دو بزرگوار کے عقد کی کیفیت درج ہے۔ مضمون تقریباً سب کا ایک ہی ہے اس لئے ایک ہی روایت پر اکتفا کی گئی۔ ہمارا مقصود فقط اتنا ہے کہ جناب فاطمہ کا عقد جو حضرت علی سے ہوا اس شان سے ہوا اور اس اہتمام سے ہوا۔ اہتمام و شان سے کوئی یہ نتیجہ نہ نکالے کہ اس میں کوئی دنیاوی آرائش تھی۔ نمود تھی۔ نہیں ہرگز نہیں یہ اس شخص کی بیٹی کا نکاح تھا جس کا مقولہ تھا الفقر فخری۔ جس کی نظر میں دنیا اور مال دنیا کی پرِ پشہ کے

maablib.org

برابر بھی وقعت نہ تھی اس کا ثبوت یہ ہی ہے کہ قریش کے بڑے بڑے زور آوروں نے پیغام بھیجے جو نہایت کراہت کے ساتھ واپس کر دیئے گئے اور یہ نعمت اس شخص کو میسر ہوئی جس نے فقر و فاقہ میں ہی بسر کی اور اس خوشی وخرمی کے ساتھ بسر کی کہ ایک ہفت اقلیم کا بادشاہ بھی اس مسرت کے ساتھ زندگی کے دن پورے نہیں کر سکتا - اگر ہم غور سے کام لیں - اگر ہم ایک عمیق نگاہ ڈالیں تو ہم پر ایک عجیب وغریب نکتہ پیدا ہوتا ہے - ہمارا ایمان - ہمارا اسلام - ہمارا اعتقاد یہ سب گواہی کے لئے تیار ہیں کہ اگر رسول اللہ چاہتے تو ایک شاہانہ زندگی بسر کر سکتے تھے جو انہیں میسر بھی تھی جس سے ان کے مراتب رسالت میں بھی کچھ نقص نہیں آ سکتا تھا - لیکن اس سچے ہادی - اس سچے پیشوا اس برگزیدہ نبی اور اس محبوب الٰہی کو اپنی امت مرحومہ کے فقرا کی دلداری منظور تھی وہ چاہتا تھا کہ اس کی امت کا کوئی فرد فقر و فاقہ میں گرفتار ہو کر شکریہ خالق ارض وسما سے روگردانی نہ کرے ان آلام کو فانی سمجھے اور محض فانی اس نے خود اپنی مبارک زندگی کو ایسے لوگوں کے لئے نمونہ بنا دیا اور اپنے اہل بیت کو بھی اسی طریق پر چلنے کی ہدایت فرمائی اور اپنی پیاری دختر کو ایسے شخص کے ساتھ منسوب کیا جس نے عمر بھر میں نان جویں بھی سیر ہو کر نہ کھائی اور جو کچھ اسے مال دنیا سے میسر ہوا وہ راہ خدا میں دے ڈالا فاطمہ سردار دین و دنیا کی پارہ جگر اور اس کی یہ حالت کہ جھاڑو دیتے دیتے کپڑے گرد و غبار بن گئے - چکی پیستے پیستے ہاتھ لہولہان ہو گئے اور پھر بھی زبان پر سوائے شکر کوئی کلمہ جاری نہ ہوا - خادمہ بھی موجود تھی مگر عادل الٰہی پابندی یہ کہ ایک دن گھر کا کام خود کرتی تھیں اور ایک دن خادمہ جناب فضہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقدس خاندان ہمارا سچا ہادی ہے اور اسی خاندان کی طرز معاشرت دیکھ کے اہل ایمان میں سے ایک فقیر سے فقیر کا دل بھی قوی ہو جاتا ہے اور اسے مصائب زمانہ کی ذرہ برابر پروا نہیں ہوتی - یہی امر ہدایت تھا جس کے سبب یہ لوگ اس چند روزہ زندگی کو وقف ابتلا کر کے جنتی خوشی اعلیٰ علیین میں چلے گئے اور اب ہم میں سے کوئی محتاج سے محتاج بھی اپنے فقر و فاقہ کی شکایت نہیں کر سکتا بشرطیکہ اس کے دل میں ایمان کی نورانی شعاعیں اپنا پرتو ڈال رہی ہوں۔

اس متبرک نکاح سے پھر اس مسئلہ پر بھی روشنی پڑ جاتی ہے - جو اہل سنت حضرت عثمان کے لئے افتخاراً پیش کرتے ہیں کہ حضرت نے اپنی دو صاحبزادیاں ان سے بیاہ دیں - ہم پھر دریافت

کرتے ہیں کہ شرفا وعظمائے قریش نے جو فاطمہ کی خواستگاری کی۔ آخر کیوں کی۔ صرف اسی وجہ
تھا کہ وہ دختر رسول تھیں ورنہ ظاہر ہے کہ رسول اللہ کے پاس کچھ مال تھا نہ دولت تھی۔ جس سے
کچھ جہیز کی توقع ہوتی مگر کیوں یہ کوششیں صرف فاطمہ کے لئے ہوئیں اور ان صاحبزادیوں کی
جنہیں پیغمبر کی صلبی دختر بتایا جاتا ہے کیوں کسی نے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا نہ ابوبکر صاحب کو اس
شرف کی تمنا ہوئی نہ عمر صاحب کو۔ جناب عثمان کے ساتھ یکے بعد دیگرے ایک چھوڑ دو دو نکاح
ہو گئے اور گویا کسی کو کانوں کان بھی خبر نہ ہوئی نہ اہل تاریخ کو ہی اس مسئلہ سے دلچسپی ہے اور نہ راویان
مابعد کی توجہ ہی جنہیں وضع حدیث میں ایک خاص کمال حاصل تھا اس طرف مبذول نظر آتی ہے
جناب امیرؑ کو اس مزاوجت سے وہ شرف حاصل ہوا کہ خود خلیفہ عمر صاحب کے رشک اور آخر کار حسد کا
باعث ہو گیا جیسا کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ علی میں تین خصلتیں ایسی ہیں جو میرے لئے شتران سرخ موئے
بہتر و افضل ہیں منجملہ ان دو کے یہ ہے کہ ان کا نکاح فاطمہ کے ساتھ ہوا۔ افسوس ہے عمر صاحب نے
عثمان صاحب کو کبھی اس رشک و غبطہ کی نظر سے نہ دیکھا۔

فاطمہؑ اور عائشہ

جناب فاطمہؑ کی زندگی کو عائشہ صاحبہ کی حیات سے بہت کچھ تعلق ہے۔ لہٰذا ان کا ذکر خیر بھی زیب قلم
ہوتا ہے یہ بزرگوارہ چھ برس کی عمر میں پیغمبر سے بیاہی گئیں اور نویں برس پیغمبر کے گھر آئیں جب آپ مدینہ
میں ہجرت فرما چکے تھے ان کا مزاج ان کی عادات ان کے اطوار جیسے کچھ تھے اُن سے اہل سنت
کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اہلسنت کا بیان ہے کہ یہ رسول اللہ کی بڑی ہی پیاری محبوبہ اور
چاہتی بیوی تھیں اور رسول اللہ ان کی دل جوئی ان کی خاطر داری اور ان کی دلداری کے لئے
کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے تھے۔ اکثر ایسا اتفاق ہوا ہے کہ رسول اللہ نے اپنی اوٹ میں
کھڑا کر کے ان کو ناچ دکھایا ہے اور جب تک اطہر بیوی کی طبیعت سیر نہیں ہوئی۔ آپ وہاں سے
نہیں سرکے اکثر ایسا ہوا ہے کہ لڑکیوں کو آپ نے پکڑ پکڑ کر کہا کہ آؤ عائشہ کے ساتھ گڑیاں
کھیل کر انکا جی بہلاؤ اس تمام خاطر داری کا راز اگر دیکھا جائے تو شمس العلماء کی رائے میں تو یہ
ہے کہ وہ ذہین تھیں اور بے حد ذہین تھیں مگر ایک اور سنی اہل الرائے کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے

کہ یہ بی بی ادب آموز پیغمبر تھیں اور پیغمبر کا امتحان کامل لے کر انھوں نے شادی کا وعدہ لیا تھا-
مولوی ظفر الدین صاحب ایم اے حیدر آبادی صوبہ مدراس کے ایک ماہواری انگریزی رسالے
مسی کرسچن ریویو بابت ماہ فروری ۱۹۰۹ء میں عائشہ و پیغمبر کے ازدواج کے متعلق لکھتے ہیں۔ جس کا
ترجمہ لفظاً لفظاً رسالہ شیعہ سے لیکر نقل کیا جاتا ہے "حضرت محمد کو عائشہ کے ساتھ مجنونانہ عشق تھا لیکن
عائشہ نے قسم کھالی تھی کہ اس وقت تک وہ کسی شخص کے ساتھ شادی نہیں کرینگی جب تک ان کو
معلوم نہ ہو جائے گا کہ جو شخص ان سے بیاہ کرنا چاہتا ہے اس کے منصوبے عالی ہیں (اس قسم سے یہ
بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ کسی معمولی عورت کا حصہ بنے ہوئے تھیں کیونکہ چھ برس کی عمر میں تو نکاح ہی ہوا ہے
تھا یعنی آغوش مادر میں بیٹھی ہوئی ان خیالات کو ذہن نشین کرکے ایسی زبردست قسم کھالی ہوگی جبکہ دوسرے بچے سوتے ہوں
گے اور کچھ تعلقات دنیوی سے ربط نہیں رکھتے) عائشہ کو اپنے آئندہ شوہر میں خدا کی ذات پر بھروسہ ہونا صفت
کا ہونا خاص کر کے ساتھ منظور تھا۔ انجام عشق اپنی جان مائل کرنیکے لیے موہنے والی نے اقرار کیا کہ وہ خدا تجھے بہت بڑے محبوب ہیں
عائشہ نے دریافت کیا ابوبکر سے حضرت تمھارے ہم خدا کی عبادت کرتے ہیں (مراد) وہ میرے بہت مہربان ہیں ہماری تمام عمر میں ہم کو کسی ایک مصیبت سے
سامنا نہیں ہوا خدا نے جس پر فضل کیا ہو اور ہم خوش ہیں۔ وہ مائل کرنیوالی حسن کی بی بی (دیوی) چلا اٹھی تم میرے
ساتھی ہونے کے لائق نہیں ہو کیونکہ تم ابھی تک خدا کے سچے اور وفادار خادم ہو جب تک ہماری اطاعت کا دم نہ بھرو گے
وصل نہیں ہو سکتا۔ غریب عاشق نامراد و شکستہ دل ہو کر مایوسی کی شکل مجسم بن گیا۔ لیکن حضرت
محمد نے بخلوص دعا کی کہ خدا اس نفرت کرنے والی بی بی کا دل نرم کر دے اس واقعہ کے چند ماہ
بعد جب (حضرت) محمد اور عائشہ دونوں سڑک پر جا رہے تھے (حضرت) محمد ٹھوکر کھا کر پتھر پر
گر گئے اور زمین پر لیٹ گئے اور چیخ اٹھے اے خدا! ان کو سخت چوٹ آگئی اور درد نہایت
تکلیف دہ تھا لیکن وہ اپنی تمام جرأت کو ایک جا کر کے بمشکل دو زانو بیٹھ گئے اور خدا کا شکر
ادا کرنے لگے وہ مسکرائے اور کہا اے تمام مسرتوں کے دینے والے خدا میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں
کہ تو نے مجھے اس قابل بنایا کہ میں اس تلخ گھونٹ کا پیالہ پی سکوں آج تک میں نے سچی عبادت
کی خوشی نہ جانی تھی آج تک میرا دل پتھر جیسا سخت تھا لیکن اس مبارک لحظہ میں وہ ایسا
نرم ہو گیا جیسا پکا ہوا آم ہوتا ہے (کیا حسینوں کے پیغمبر کی شان ہے)
سخت حیرت زدہ ہو کر عائشہ کھڑی ہو گئی اور کہنے لگی اب تم ہمارے شریک حال بن گئے گویا

maablib.org

عائشہ صاحبہ پیغمبر سے پہلے ہی بچے خضوع و خشوع کے مزے لے چکی تھیں اور پیغمبر ابھی تک روحانی قوت کے لحاظ سے عائشہ سے بہت کمزور تھے) کیونکہ تم خدا سے باوجود تکالیف کے بغل گیر ہوئے تم سچے بندے ہو بدقسمتی سے وہ پتھر ہے جس پر وفادارانہ عبادت کی جانچ ہوتی ہے۔ تم نے اپنی قابلیت ثابت کر دی تم مجھ سے شادی کرو

اس وقت جبرئیل نازل ہوئے آپ کے چمکتے ہوئے پر جواہرات سے مرصع تھے اور اُن کی مسکراہٹ دلوں کو خوش کر رہی تھی انھوں نے کہا کہ اے عائشہ تم غلطی پر ہو (بیچے اب تو نبی بھی ہو گئیں) تمہارا آئندہ شوہر فی الحقیقت خدا کا بڑا محبوب ہے کیونکہ اس نے خدا کو خوشحالی کے زمانے میں بھی فراموش نہیں کیا یہ کہہ کر جبرئیل غائب ہو گئے (حضرت) محمد اور عائشہ بہت خوش ہوئے اور دونوں میں شادی ہو گئی

اس مضمون سے جو جو نتائج نکلتے ہیں اور جس قسم کے اختراعات پر اس کی بنیاد رکھی ہے اس کا نتیجہ بھگتنے کے لئے تو سواد اعظم کو تیار رہنا چاہئے۔ مگر ہاں ہمارے خیال میں اس مضمون سے جہاں اور لطیف نکات مستنبط ہیں وہاں فاضل مضمون نگار نے روشن خیال تعلیمیافتہ نوجوانوں کے مسئلہ "کورٹ شپ" کو بھی صاف کر دیا ہے یہ مضمون کوئی نرالا مضمون نہیں ہے اہل سنت نے اس قسم کا بہت سا مواد اپنے ہاں جمع کر رکھا ہے۔ جس کی فضیلت عائشہ کے لئے بحث درج کی گئی ہے۔ خیر ہم ان خوش اعتقادیوں کی طرف توجہ نہیں کرتے ہم بحث کرتے ہیں واقعات سے ہماری نظر ہے اوراق تاریخ پر۔ عقل سلیم ان عشقیہ افسانوں سے نہ اثر پذیر ہوئی ہے نہ ہو گی۔ معتقدین عائشہ۔ عائشہ کو ولی مانیں۔ نبی مانیں رسول تسلیم کریں۔ مگر ہم تو یہ جانتے ہیں کہ جب حضرت عائشہ خانۂ رسالت میں تشریف لائیں اُن کے دل سے۔ بغض حسد کینے اور عداوت کی چنگاریاں نکل رہی تھیں وہ آئیں اور خاندان رسول کے قلع قمع کرنے کا بیڑا اُٹھا کر آئیں۔ انھوں نے پیغمبر کا گھر بسایا مگر اس رنگ سے کہ بات بات پر نافرمانی۔ قدم قدم پر سرکشی۔ لفظ لفظ پر تمرد اُن کے خون کا جزو اعظم تھا اور یقیناً یہ باتیں انہیں میکے سے جہیز میں ملی تھیں۔ اُنھوں نے رسول کو رنج دیا اور بے حد رنج دیا انھوں نے رسول کی نافرمانی کی اور بے حد نافرمانی کی۔ ایذا دی اور بے حد ایذا دی۔ زندگی ہی میں نہیں بلکہ مرنے کے بعد بھی اُن کی روح کو چین نہ لینے دیا۔ سوتیا ڈاہ ایک چیز ہے جو عورتوں کا فطری خاصہ ہے۔ مگر عائشہ کے دماغ میں یہ دھواں نہایت کثرت کے ساتھ پیچ و تاب کھاتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ازواج رسول میں صرف حفصہ سے البتہ ان کی دانت کاٹی روٹی دکھائی دیتی

باقی سب کی سب کو ایک ہی لاٹھی ہانک رہی ہیں۔ خدیجہ وہ خدیجہ جس نے اسلام اور بانی اسلام کی وہ خدمت کی ہے جس کا احسان تا قیامت مسلمانوں کے سر سے نہیں اُتر سکتا۔ ڈپٹی صاحب کی یہ رائے کہ ابوبکر وخدیجہ اسلامی خدمات میں مساوی ہیں۔ محض مخالفت سے بھری ہوئی ہے ایک کیا اگر لاکھ ابوبکر دنیا میں پیدا ہوں تو بھی خدیجہ کی خدمات کا مقابلہ نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ ابوبکر جنہوں نے اگر غور کی آنکھ سے خوش اعتقادی کی عینک اُتار کر دیکھو تو کیا ہی کیا ہے۔ اسی خدیجہ سے عائشہ صاحبہ خاص طور پر نفرت کرتی تھیں شمس العلماء صاحب رقم طراز ہیں کہ جب پیغمبر صاحب خدیجہ کا ذکر خیر کرتے تھے تو کہتیں کہ میرے سامنے کیا اس بوڑھی دوہا جن بڑھیا کُٹن کے مرنے کا افسوس کیا کرتے ہو خدا نے تمکو اُس سے بہتر بی بی دی ہے یعنی میں سبحان اللہ اپنے مُنہ میاں مٹھو۔ ہم تو کہہ نہیں سکتے کہ کوئی حیادار شریف زادی ایسے کلمات مُنہ سے نکال سکتی ہو اور پھر شوہر کے سامنے اور شوہر بھی کون پیغمبر۔ اس پر طرہ یہ کہ ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا کے یہاں سے آپ شہد کا شربت پیکر آئے تھے جو آپ کو بہت ہی مرغوب تھا اس پر دو نو سہیلیوں نے صلاح کی اور جب حضرت پیغمبر تشریف لائے تو کہا آپ کے مُنہ سے بدبُو آتی ہے۔ ملی بھگت تو تھی ہی دوسری بولی کہ شاید حضرت نے شہد کا شربت پیا ہے اور شہد کی مکھیاں کسی بدبودار درخت پر بیٹھی ہیں اس سے یہ شہد حاصل ہوا ہے رسول اللہ کو بھی بدبُو سے خاص نفرت آپ نے عہد کیا کہ اب شہد کا شربت نہ پیوں گا اس پر آیت نازل ہوئی کہ حلال چیزوں کو ان کے کہنے سننے سے اپنے اوپر حرام نہ کرو۔ ان کی مثال زوجہ لوط اور زوجہ نوح کی ہے اگر تم ان کو گھر سے نکال دو یا طلاق دے دو تو خداوند عالم ان سے بہتر بیبیاں تم کو دے سکتا ہے جو مومنہ ہونگی صالحہ ہونگی اور باکرہ ہونگی اس سے معلوم ہوا کہ حضرت اول وثانی کی صاحبزادیوں میں اپنے پدر عالیقدر کی مانند نہ ایمان تھا نہ وہ صالحہ تھیں اس سے بڑھ کر یہ سُنو حضرت پیغمبر صفیہ کو خیبر سے نکاح کر کے لائے ہیں سب ازواج انہیں دیکھ رہی ہیں آپ بھی باول ناخواستہ گئیں جب دیکھ کر نکلنے لگیں تو حضرت نے پوچھا اے عائشہ تم نے کیا دیکھا فرماتی کہا ہیں دیکھا کیا ایک یہودن بیٹھی ہے۔ حضرت نے جھڑک کر فرمایا ایسا مت کہو وہ اسلام لائی ہے اور اسکا اسلام دم سے اچھا ہے۔ وہ خدا کی نیک بندی ہے (تم نہیں ہو) تم ابوبکر کی بیٹی ہو تو وہ ہارون علیہ السلام پیغمبر کی دُلہتیں اس سے نسبت کیا) خود شمس العلماء نے اس واقعہ کو زیب امہات کیا ہے اب فرمائیے جو اس مزاج کی اور ایسی کینہ ور عورت ہو فاطمہ کو دیکھ کر کس طرح آنکھوں ٹھنڈک اور کلیجے ٹھنڈک

کی مصداق ہو سکتی تھی۔ پھر ایسی حالت میں کہ فاطمہؑ خدیجہؑ کی بیٹی تھیں اور خدیجہ کا وقار جنابِ پیغمبر کی نظر میں جتنا وہ کسی سے مخفی نہیں علاوہ ازایں خود فاطمہ کی قدر و منزلت رسول اللہ اسقدر فرماتے تھے کہ جب وہ تشریف لاتیں تو خود تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے اسپر ستم یہ کہ فاطمہ صاحبؑ اور بیچے اولاد اسی واسطے تو خدیجہ کو بچہ کش ہونیکا طعنہ دیا جاتا ہے تو گویا عائشہ کو یہ منظور تھا کہ کفار جو خاک بدہانم ابتر کہا کرتے تھے اُن کا مقولہ سچ ہو جاتا اور جیسے خود بدولت عقیمہ تھیں ویسی ہی وہ بھی ہو تیں تو اُن کے کلیجہ میں ٹھنڈک پڑ جاتی ان واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ فاطمہؑ کو دیکھ کر عائشہ کے سینے پر سانپ سا لوٹ جاتا تھا ایک سوکن کی اولاد دوسرے باپ کی اسقدر پیاری وہ نہ جلیتں تو کیا کرتیں حسد کی آگ بھڑکتی رہی اور برابر بھڑکتی رہی اور آخر کار اس کے شعلے کہیں سے کہیں پہنچ گئے۔

ایسی صاف اور صریح باتوں کو دیکھ کر یہ رائے قایم کرتے ہوئے کہ عائشہ و فاطمہ کے درمیان انقباض تھا یہ کہدینا کہ ابتدا اس کی فاطمہؑ کی طرف سے ہے۔ شمس العلمار کی روشنضمیری اور عقلمندی کا کسقدر بیّن ثبوت ہے۔ یہ بے دلیل دعوے ہم شانِ عقلا کے بالکل خلاف سمجھتے ہیں۔

ہم اس کو تسلیم کرتے مگر شمس العلمار کو کوئی واقعہ تو ایسا دکھانا چاہئے تھا جس سے استناد کیا جا سکتا۔ غریب فاطمہ نے کبھی عائشہ کی شکایت کی ہو۔ کبھی انہیں دیکھ کر تیوری چڑھائی ہو۔ کبھی رسول سے یہ کہا ہو کہ آپ عائشہ سے لطف و مدارا پیش نہ آئیے برخلاف اس کے عائشہ کے طرزِ عمل سے یہ بات بخوبی ثابت ہوتی ہے رسول اللہ جب فاطمہ کی تعظیم کرتے تو یہ برابر ٹوکتی تھیں ڈپٹی صاحب آگے چل کر اور بھی ایمانداری کو کام فرمایا ہے فرماتے ہیں در اصل وہ اپنی والدہ کے بعد کسی ام المومنین کو پسند نہیں کرتی تھیں اور پسند نہیں کر سکتی تھیں (یہ خوب حکم لگایا ہے) اور چاہتی تھیں کہ پیغمبر سارے کے سارے انہیں کی طرف ملتفت رہیں ان کی یہ خواہش بجا بھی تھی اور بے جا بھی تھی بجا اس لئے کہ اُن کی یہ خواہش مبنی تھی فرطِ محبت فرزندانہ پر بے جا اس لئے کہ وہ اپنی ضرورت کے سامنے پیغمبر صاحب کی ضرورتوں کی پروا نہیں کرتی تھیں تو اُن کو امہات المومنین سے کیا ناخوشی تھی حقیقت میں پیغمبر صاحب سے تھی اگرچہ وہ ایسی بات منھ سے نہیں نکال سکتی تھیں"۔ عائشہ صاحبہ کے روزِ روشن کی طرح آشکارا ہو جانے والے معائب کو چھپانے کے لئے فاطمہ پر یہ الزام لگانا کہ وہ کسی ام المومنین سے خوش نہ تھیں اور اس طرح ان کو پیغمبر سے نارضامند دکھلانے کی کوشش کرنا شمس العلمار کا ہی ایمان اس کو گوارا کر سکتا ہے ہم تو یہ دیکھتے ہیں

اور واقعات سے بھی ثبوت ملتا ہے کہ کبھی کسی بی بی کو فاطمہؑ نے بُری نظر سے نہیں دیکھا بلکہ عائشہ اور حفصہ کے سامنے بھی کبھی اُف نہیں کی۔ ہر چند کہ دونوں اُن کی مخالفت میں کسی قسم کی کسر نہ اٹھا رکھتی تھیں اور موقعہ بے موقعہ جب دیکھیے تب بچھو کی طرح ڈنک مارا کرتی تھیں۔ ہاں شمس العلما کو اگر سارا الزام فاطمہؑ کے ہی سر منڈھنے کا شوق ہے تو انہیں کوئی روک نہیں سکتا کوئی منع نہیں کر سکتا مگر عقلمندوں کے مجمع میں بیجا خیالی تکے یہ بادہوائی باتیں ریگ شتر سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ اور بس عائشہ کے جلنے کا ایک بہت بڑا سبب یہ بھی تھا کہ حضرت پیغمبر فاطمہؑ کی اولاد کو بے حد عزیز رکھتے تھے اور کیوں نہ رکھتے اُن کے سبب سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کی نسل قائم رہنے والی تھی۔ مگر عائشہ و حفصہ کو جو رشتے میں نانی بھی ہوتی نہیں خواہ سوتیلی ہی سہی مگر کبھی دنیا دکھاوے کو بھی ان بچوں کے سر پر ہاتھ نہیں پھیرا ہاں کیا تو کیا کیا کہ حسنؑ کے جنازے پر جب انہیں پہلوئے آنحضرتؐ میں دفن کرنے چلے تو ایک مختصر سے رسالہ کی کمانیر بنکر خچر پر سوار ہو کر تیر برسانے لگیں اور کئی تیر اس جگر گوشہ رسول اللہ کے جنازے پر پیوست ہو گئے اسی پر تو حضرت عبد اللہ ابن عباس نے کہا ہے۔ تجملت تبغلت و لو عشت تفیلت بی بی صاحبہ تم اونٹ پر بھی سوار ہوئیں۔ خچر پر بھی چڑھ لیں اور اگر زندہ رہیں تو ہاتھی پر بھی چڑھ بیٹھیں۔ خیال کیجیے اور ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیے۔ عمر صاحب کے جنازے کو کس فراخدلی سے پہلوئے رسول میں دفن کرایا جسے ان کی سخاوت کے باب میں پیش کیا جاتا ہے اور فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ کے ساتھ کیا کیا۔

عائشہ! عائشہ افوہ کس مزاج کی عورت تھی۔ کس دماغ کی عورت تھی۔ اُف رے تیرا تیہا۔ ام المومنین حبیبہ نے حلوا تیار کیا۔ رسول خدا بی بی صاحبہ کے حجرے میں تشریف رکھتے تھے اس بیچاری نے انہیں کے گھر حلوا بھیجدیا۔ شمس العلماء فرماتے ہیں انھوں نے مارے جلن کے لانے والے کے ہاتھ کو ایسا جھٹکا دیا کہ حلوے کا حلوا زمین پر گر کر ضائع ہوا اور پیالہ ٹوٹا سو الگ اور پیغمبر صاحب بیٹھے دیکھا کئے۔ پیغمبر صاحب ہی جیسے حلیم تھے کہ پیالے کا تاوان دلانے پر قناعت کی اور تاوان دلانا کیا معنی آپ تاوان بھرا۔ اس میں کسی طرح کا شک نہیں کہ پیغمبر کا ہی حلم تھا جس نے ایسی بدمزاج عورت کی پردہ پوشی کی ورنہ یقیناً عرب کے کسی خاندان میں کسی شخص کے ساتھ اس کا گذارہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اٹھتے جوتی بیٹھتے لات۔ روز مرہ ہی نوبت رہتی اور پھر بھی انکا مزاج نہ سنورتا۔ وہ تو "خوئے بد در طبیعتے کہ نشست"

والا معاملہ ہے۔ پیغمبر صاحب بیشک اُن کو طلاق دے دیتے اور ضرور دیدیتے مثل مشہور ہے کھٹ پڑے وہ
سونا جس سے ٹوٹیں کان ایسی بیوی کو آدمی لیکر کیا کرے بیوی ہوتی ہی اسلئے کہ شوہر کی دلداری کرے اسکو دکھ سکھ میں شریک ہو یہاں
اُلٹا یہ حساب کہ انہیں دن رات نشتر پرونے کے سوا کچھ کام نہیں مگر حقیقت امر یہ ہے کہ دبی حلم پیغمبری آڑے
آگیا۔ زوجہ رسول ہو کر امت پر تو حرام ہو ہی گئیں تھیں۔ اب دیدیتے آپ طلاق یہ تو جاتی تو کہاں
جاتیں۔ میکے والوں پر کہیں جوان بیٹی کا گذارا ہوا ہے اور پھر ایسی بیٹی کا خدا جانے کیا کیا فتنے برپا ہوتے
اور اس بوڑھاپے میں ابوبکر صاحب کو جتنا بھی رنج ہوتا وہ اُنکا دل ہی جانتا۔

عائشہ کا دیگر امہات اور فاطمہؑ کے ساتھ بھی یہ حال تھا بلکہ اس حسد کے شرارے وہ علیؑ تک بھی پہنچایا کرتی
تھیں اور قصہ افک کے بعد سے تو وہ اُن کی جانی دشمن ہو گئی تھیں۔ بقول جان ڈیون پورٹ
ایک انگریزی مورخ کے جنگ جمل اسی کینہ کا نتیجہ تھا۔ اور اس طرح کی کینہ ور عورت اگر دنیا میں مل سکتی
ہے تو وہ عائشہ ہی ہے۔ افک کا قصہ بھی عجیب و غریب ہے۔ بات یہ تھی کہ حضرت بنی مصطلق کے ساتھ
جنگ کے لئے گئے تھے اور قاعدہ آپ کا یہ تھا کہ جس بی بی کے نام پر قرعہ پڑتا تھا اُسی کو ہمراہ لیجاتے
تھے۔ اب کے عائشہ ساتھ تھیں آتے ہوئے ایک منزل پر جو مدینہ سے تھوڑی دور تھی قدم رکھا آپ
اپنے ہودج سے اُتر کر رفع حاجت کے لئے گئیں۔ جب واپس آئیں تو دیکھا کہیں گردن کا ہار یا بھولی
بھالی سہاگن کا سنگار کہیں ٹوٹ کر گر گیا ہے۔ وہ تھا مانگے تانگے کا۔ انہیں تشویش ہوئی اور اسے
ڈھونڈنے نکل کھڑی ہوئیں اس میں ہوئی دیر۔ واپس آکر کیا دیکھتی ہیں کہ قافلہ روانہ ہو گیا
اسوقت کرتیں تو کیا کرتیں وہیں بیٹھ رہیں اور سو بھی گئیں۔ نیند اور پھر وہ بھی بچپن کی نیند۔ قافلے
کے پیچھے ایک شخص رہتا ہے جو اہل قافلہ کی گری پڑی چیز کی خبر رکھتا ہے وہ صفوان بن معطل تھا
اس نے اس پڑاؤ پر پہنچکر ایک آدمی کو سوتے ہوئے دیکھا آواز دی اور جب اُسے معلوم ہوا کہ آپ ہیں
تو بیچارہ پرے ہٹ گیا اور اپنے اونٹ پر سوار کر کے انہیں مدینہ میں لے آیا۔ آپ جانیں یہ تو دنیا
ہے۔ مارتے کے ہاتھ پکڑے جاتے ہیں۔ کہتے کی زبان نہیں پکڑی جاتی۔ منافقوں کو ایک شگوفہ
ہاتھ لگا وہ لگے کچھ سے کچھ بکنے یہ افواہیں جب رسول کے گوش زد ہوئیں تو آپ کو سخت قلق ہوا
اور ہونا ہی چاہئے تھا اس واسطے کہ معاملہ تھا عزت کا معاملہ تھا آبرو کا معاملہ تھا حرمت
کا معاملہ تھا ناموس کا ایک کمتر سے کمتر انسان بھی ایسی افواہ کو اپنے ناموس کی طرف

منسوب ہوتے ہوئے دیکھ کر شرم و ندامت کے پسینوں میں نہا جاتا ہے رسول اللہ پر اس کا جتنا صدمہ ہوتا تھوڑا تھا اور جتنا قلق کرتے کم تھا۔ حضرت پیغمبر نے ان کو چھوڑنے کا قصد کر لیا اور اس امر میں اسامہ بن زید اور علی مرتضیٰ سے رائے لی۔ بقول شمس العلماء اسامہ نے عرض کی یا رسول اللہ عائشہ آپ کی بیوی ہیں اور ہم نے ان میں بجز بھلائی اور نیکی اور پاکدامنی کے اور کچھ نہیں دیکھا اور یہ بھی ہمیں معلوم ہے کہ اگر خدانخواستہ عائشہ میں کوئی عیب کی بات ہوتی تو خدائے علام العیوب ان کو آپ کی خدمت کا شرف ہرگز نہ دیتا اس کے بعد علی ابن ابیطالبؑ کہا یا رسول اللہ خدا کی طرف سے عورتوں کے بارے میں آپ پر کچھ تنگی تو ہے نہیں اور دنیا میں عورتوں کا کال بھی نہیں۔ لیکن آپ کو گھر کی لونڈی بریرہ سے دریافت کرنا چاہئے جو بات ہوگی وہ صاف صاف کہدے گی پیغمبر صاحب نے بریرہ کو بلا کر دریافت کیا تو اس نے عرض کی یا رسول اللہ مجھے اس ذات پاک کی قسم جس نے آپ کو رسول برحق بنا کر بھیجا ہے کہ میں نے عائشہ میں بجز اس کے اور کوئی بات نہیں دیکھی کہ وہ نو عمر لڑکی ہے گھر کا آٹا گوندھ کر سو جاتی ہے اور بکری آکر وہ آٹا کھا جاتی ہے۔

خیر یہ قصہ تو رفع دفع ہو گیا۔ خداوند تعالےٰ نے ان کی برئیت میں آیت بھی نازل کی اور کئی شخصوں پر حد قذف بھی جاری ہوئی جس سے ہم عین خوش ہیں کیونکہ ہمارا ایمان کسی طرح اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہ زوجۂ رسولؐ کی نسبت ایسے شرمناک الزام کو اچھی نظر سے دیکھا جائے۔ ہمارا ایمان گواہی دیتا ہے کہ عائشہ زوجۂ رسول ہونے کے سبب واقعی اس قابل تھیں کہ اس معاملے میں ان کی برئیت کے لئے آیت نازل کی جاتی۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ علی نے جو ان کے معاملے میں مندرجہ بالا رائے دی ہے اس میں ان کی برائی کا پہلو نکلتا ہے یا بھلائی کا۔ رائے کا پہلا حصہ کہ عورتوں کے بارے میں آپ پر کسی قسم کی تنگی نہیں۔ عین قرآن کے مطابق ہے جب رسول اللہ اس درجہ ملول اور غمگین ہوتے ہیں تو ان کی خدمت میں ایک اطمینان و تسکین کا پہلو پیش کیا جاتا ہے کہ آپ کیوں ملول و غمگین ہو رہے ہیں عورت کیا ہے ایک جوتی ہے جب ٹوٹ گئی اتار پھینکی اور پہن لی آپ کے لئے اچھی سی اچھی عورت موجود ہو سکتی ہے یہ ایک عام رائے ہے جو حضرت علی نے اطمینان پیغمبر کے لئے عرض کی۔ پھر دوسرا حصہ ہے کہ عائشہ کے بارے میں آپ کو گھر کی لونڈی سے حال معلوم کرنا چاہئے کیونکہ وہ

خلوت وجلوت کے حالات سے واقف ہے اور لونڈی نے آکر بیان کیا وہ سراسر عائشہ کے مفید مطلب تو گویا حضرت علیؑ نے ایک ایسے گواہ کو پیش کیا جس سے زیادہ بنظر ظاہر کوئی معتبر ہی نہیں ہو سکتا اور اس سے رسول اللہؐ کو فی الجملہ تسکین ہوئی اور وہ طلاق دینے کا جو ارادہ تھا ملتوی ہو گیا اب اس پر بھی یہ کہنا کہ علیؑ نے عائشہ کے خلاف گواہی دی اور عائشہ نے بھی سمجھ کر عمر بھر آپ سے بغض وکینہ رکھا یہ تو ایک عجیب وغریب بات ہے تو ان دینے سے اگر آنکھیں پھوٹ جائیں تو اس کا علاج ہمارے پاس نہیں اور نہ کسی اہل حق کے پاس ہو سکتا ہے۔

ہمیں نہایت افسوس اس بات پر ہے کہ مصنف امہات الامۃ جناب شمس العلماء واقعات تو کل کے کل قلمبند کرتے ہیں مگر جب ان سے نتیجہ نکالنے کا وقت آتا ہے تو ایسی گہری عقلمندی سے کام لیا جاتا ہے جس کی تھاہ ہمیں تو مل نہیں سکتی۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی کہے کہ سورج جب ہوتا ہے دن ہوتا ہے اور اب سورج نکل آیا ہے لہذا رات ہو گئی کوئی بھی دنیا کا عقلمند اس منطق کو دنیا میں قبول کرے گا۔ یہی حال شمس العلما کا ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ کی بدمزاجی اور خدیجہ کو ان کا برائی سے یاد کرنا اس کے متعلق لکھتے ہوئے فرماتے ہیں "بھلا ان سے توقع کی جاسکتی ہے کہ یہ فاطمہ اور علیؑ کے ساتھ خاطر مدارات سے پیش آتی ہونگی اور پھر یہ بھی لکھتے ہیں کہ فاطمہ کی طرف سے رنجش کی ابتدا تھی وہ کل امہات المومنین سے مکدر رہتی تھیں خصوصاً عائشہ سے کہ یہ رسول کی بہت پیاری تھیں ایک عجیب بات یہ ہے کہ مصنف امہات کی کوئی خاص رائے ہی معلوم نہیں ہو سکتی کہ وہ فرماتے کیا ہیں ابھی کچھ کہا تھا ابھی کچھ ہے۔ سبحان اللہ ایسا اختلال آج تک کسی تحریر میں دیکھنے میں نہ آیا تھا۔

خیر مختصر یہ ہے کہ حیات پیغمبر میں بھی عائشہ نے کوئی دقیقہ مخالفت فاطمہ کا باقی نہیں چھوڑا۔ مگر بقول جناب شمس العلما پیغمبر صاحب کی زندگی میں ان کی عنایت خاص کے ہوتے علیؑ اور فاطمہ کو عائشہ کی یا کسی کی پرواہی کیا تھی۔ لیکن چونکہ زمانہ کا رنگ یکساں نہیں رہتا صحیفہ دہر کا ایک ورق الٹتا ہے اور فاطمہ بنی فاطمہ یا یوں کیوں نہ کہو کہ اسلام پر وہ مصیبت ٹوٹتی ہے جس کی تلافی ہو نہیں سکتی اور نہ ہوئی ہے نہ قیامت تک ہونے کی امید۔

وفات آنحضرت

وہ مصیبت جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے وہ کیا تھی وہ یہ تھی کہ جب حضرت حج آخری سے واپس ہوئے اور غدیر خم پر پہنچے تو بحکم رب جلیل جبرئیل یہ پیغام لائے یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس آپ نے اسی وقت ایک لق ودق میدان میں تمام قافلے والوں کو مع اکرجن کی تعداد ایک لاکھ ستر ہزار اور بروایتے ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی۔ کجاوں کے منبر پر تشریف فرما ہو کر حمد و ثنائے خداوندی کے بعد نہایت صاف اور روشن لفظوں میں اپنے جانشین کا تقرر کر دیا آپ نے فرمایا الست اولیٰ بانفسکم ؟ قالوا بلیٰ جب حاضرین اپنے نفس سے بھی ان کی اولیت کا اقرار کر چکے تو آپ نے ارشاد کیا من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ جس کا میں مولا ہوں اسکا علی بھی مولا ہے اب رہی یہ بات کہ مولا مختلف معنی میں مستعمل ہوتا ہے یہ صحیح ہے مگر ہر معنی کے لئے قرینہ ہوا کرتا ہے۔ لکھنے کو تو شمس العلما نے بھی لکھدیا برادر عم زاد۔ آقا۔ غلام آزاد۔ دوست۔ ناصر مددگار وغیرہ اگر وہ انصاف سے کہیں تو سوائے آقا کے دوسرے معنی چسپاں ہونگے۔ چنانچہ اسی لئے وہ فرماتے ہیں کہ یہاں آقا اور دوست اور مددگار کے معنی مراد لئے جا سکتے ہیں۔ جب جب اقرار شمس العلماء آقا کے معنی مراد لے جا سکتے ہیں تو اب کسر ہی کیا رہ گئی اہل تخلاف خدا جانے وہ کون سے جانور کا نام ہے یہ بھی امر اضح رہے کہ شمس العلما نے اس حدیث کو قوی تر حدیث مانا ہے اور وہ کیا مانتے ایسا تھی کیا غضب ہے روز روشن میں سورج کے وجود کا انکار کرے منکران بدیہیات میں کیونکر داخل ہو سکتے تھے خیر یہ رسم تخلاف یا ولیعہدی عمل میں آچکی تو عمر نے مبارکباد دی کہ بخ بخ لک یا علی اصبحت مولائی ومولا کل مومن ومومنۃ مبارک ہو مبارک اے علی کہ تم نے ایسی حالت میں صبح کی کہ میرے اور ہر ایک مومن ومومنہ کے مولا ہو گئے بعد حضرت مراجعت فرمائے مدینہ ہوئے چونکہ اس تخلاف نے اکثر ہوسناکوں کے رشتہ طمع خلافت کو منقطع کر دیا تھا لہذا اس سے پیچ و تاب کھا کر یہ تدبیر سوچی کہ مدینہ پہنچنے سے پیشتر ہی حضرت کا کام تمام کر دیا جائے یہ صلاح کر کے عقبہ نامی ایک گھاٹی میں چھپ گئے اور جب رسول اللہ کا راحلہ ادھر سے گذرا تو اوپر سے پتھر لڑکانے شروع کر دئے تا ناقہ بھڑک جائے اور آپ گر کر جاں بحق ہوں

یہ لوگ پہچانے بھی گئے، مگر مورخوں نے ان کے نام چھپائے ہیں اور نام کی جگہ لکھ دیا ہے۔ فلاں فلاں اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ دال میں کالا کالا ضرور ہے حضرت نے حذیفہ کو ان کے نام بھی بتا دئے تھے اور عمر صاحب تا دم مرگ ان سے سوال کرتے رہے کہ منافقین میں سے میں تو نہیں ہوں؟ مگر حذیفہ نے یہ راز افشا نہیں کیا جس کے افشا نہ کرنے کی تاکید غالباً حضرت پیغمبر نے کی ہوگی۔ اس کے بعد جب آپ مدینہ تشریف لائے تو مرض الموت شروع ہو گیا اور اسی عالم میں آپ نے ایک مہم تیار کی اسامہ بن زید کو اس کا سردار بنایا اور عمر و ابوبکر وغیرہ کو اسامہ کے ماتحت کر کے حکم دیا جہزوا جیش اسامہ لعن اللہ من تخلف عنہا۔ لشکر اسامہ کی تیاری کرو۔ لعنت خدا کی جو اس لشکر سے مخالفت کرے اور اس میں شریک نہ ہو اہل عقل اچھی طرح اندازہ کر سکتے ہیں کہ ایسے نازک وقت میں لشکر کا تیار کرنا کیا معنی رکھتا ہے اس کے صاف معنی یہی تھے کہ منافقین کے وجود سے بالکل مدینہ خالی کر دیا جائے اور علیؑ کے خلاف کسی قسم کا فساد نہ اٹھے اور انہیں لوگوں کو اس لشکر کے لئے نامزد بھی کیا تھا۔ جن کی نسبت آپ کو واقعات سے معلوم ہو چکا تھا کہ اُن کے دل میں حرص و آز کا بھڑکتا ہوا شعلہ موجود ہے لیکن وہ بھی ایک سُر تھے خدا خدا کر کے تو یہ دن دیکھنا نصیب ہوا تھا ایسے وقت رسول کی لعنت سے ڈر جانا تمام ان منصوبوں کو خاک میں ملائے دیتا ہے جن کے لئے دین آبائی سے دست برداری کی تھی غرض نہ گئے پر نہ گئے۔ اہل بیت پر تو اسوقت قیامت بپا تھی ان کا سردار دنیا سے رخصت ہو رہا تھا۔ انہیں اسی رنج و ملال سے فرصت کہاں تھی مگر ہاں ان لوگوں کی ریشہ دوانیاں برابر جاری تھیں باہر تو ابوبکر وغیرہ صاحبان اپنے لئے کوشش کر رہے تھے۔ گھر میں پیغمبر کے ان کی سعادتمند صاحبزادیاں تھیں وہ بھی سوقت غافل نہ تھیں ایک نے موقعہ پاکر اپنے باپ عمر صاحب کو نماز پڑھانے کو کہلا بھیجا۔ جب رسول اللہ کو اسکی خبر ہوئی خبر کیا ہوئی مسجد پہلو ہی میں تو تھی سخت اور کرخت آواز نے چونکا دیا آپ نے اظہار تنفر و اکراہ فرمایا۔ اب دوسری جو تھیں اُنھوں نے ابوبکر کے لئے فرمان جاری کر دیا رسول اللہ کو جب ان مکاریوں پر اطلاع ہوئی تو آپ اسی حالت بیماری میں اُٹھے اور علی و عباس کے کاندھوں پر تکیہ کئے ہوئے اس طرح کہ پائے اقدس زمین پر خط کھینچتے ہوئے آتے تھے مسجد میں تشریف لائے اور ابوبکر کا ہاتھ پکڑ کر الگ کر دیا اور خود نماز پڑھائی شمس العلماء اگر اپنی ہی تاریخوں میں ان واقعات کو دیکھتے تو انہیں ہرگز یہ کہنے کی جرات نہ ہوتی کہ ابوبکر کو

رسول اللہ نے نماز پڑھانے کا حکم دیا چہ جائے کہ اُس سے خلافت کے لیے استدلال کرنا۔ بفرضنا اگر ہم تسلیم بھی کرلیں کہ ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا تو اس سے خلافت کیونکر ثابت ہو سکتی ہے رسول اللہ کے زمانہ میں بیرونجات کے علاقے جو فتح ہو چکے تھے۔ آخر وہاں بھی تو کوئی نہ کوئی رسول کے حکم سے نماز پڑھاتا ہی ہوگا۔ پھر ان سب کو خلافت کا مستحق تسلیم کرلینا چاہیئے۔ ہم آجکل بھی دیکھتے ہیں کہ اسلامی سلطنتوں میں نماز پڑھانے والا ایک دوسرا شخص ہوتا ہے تو کیا اس تقرر سے وہ بادشاہ کا ولیعہد تسلیم کیا جاتا ہے سوادِ اعظم کی اس معاملہ میں بالکل الغریق یتشبث بالحشیش کی مثال ہے مگر خیر یہ وہ تنکا بھی تو کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ علاوہ ازایں اسی عالم مرض الموت میں رسول اللہ نے فرمایا انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی میں تم میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں ایک خدا کی کتاب دوسرے اپنی عترت اگر تم ان دونوں سے تمسک کرلوگے تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے یہ حدیث فریقین میں مستند مانی جاتی ہے اور اسی لئے شاہ صاحب دہلوی فرماتے ہیں کہ جو مذہب کتاب اللہ اور اہلبیت کے موافق ہو وہ عقلاً اور نقلاً باطل ہے مگر افسوس دوسری جگہ یہی بزرگوار ارشاد فرماتے ہیں کہ ہمارا مذہب ابن مسعود کا مذہب ہے۔ غرض یاروں نے یہ بھی سُنی اَن سُنی کردی۔ سب سے بڑا واقعہ جو پیش آیا وہ معاملۂ قرطاس ہے۔ اس واقعہ کے متعلق شمس العلماء نے جو فقرات زیب رقم فرمائے ہیں ضروری ہے کہ اُن پر ایک تنقیدی نظر ڈالی جائے۔

شمس العلماء: پیغمبر صاحب نے اپنی زندگی میں اس کا پتہ نکلنے نہیں دیا کہ وہ کس کو اپنے بعد خلافت کے لئے نامزد کرنا چاہتے ہیں۔

ہم: یہ شمس العلماء کی بلند نظری کی دلیل ہے۔ پیغمبر صاحب نے ابتدائے بعثت میں ہی اس امر کو ظاہر کردیا تھا جب اپنے عزیزوں کو بذریعہ دعوت جمع کرکے مخاطب کیا تھا اور فرمایا تھا کہ تم میں سے کون میرا وزیر میرا وصی۔ میرا وارث ہوتا ہے۔ ہم اس واقعہ کو اس رسالہ میں لکھ آئے ہیں اور علمائے سوادِ اعظم کو یہ تاویل سوجھی ہے کہ یہ خلافت چہارم کی طرف اشارہ ہے۔ یہ "تاویل" توجیسی کچھ ہے اہل نظر سے مخفی نہیں۔ مگر شمس العلماء کا یہ قول نہایت وضاحت کے ساتھ رد ہوگیا کہ پیغمبر نے اپنے خیالات میں اپنے خلیفہ کا تقرر نہیں فرمایا۔ کیوں نہ فرماتے۔ یہ مسئلہ کوئی معمولی مسئلہ نہیں تھا اس پر مسلمانوں کی آئندہ فلاح منحصر تھی۔

شمس العلما: - بلکہ منہ ایسا خیال کرتے ہیں کہ پیغمبر صاحب نے آخر وقت تک اس کا فکر ہی نہیں کیا

ہم: - آپ کا یہ خیال ٹھیک خیال ہی خیال ہے جسے اصلیت اور واقعیت سے ذرا بھی ربط نہیں اگر پیغمبر نے آخر وقت تک اس کا فکر نہیں کیا تو فاضل شمس العلماء اور اُن کے ہم خیال واقعہ امامت نماز ابوبکر کو خلافت ابوبکر کے لئے کیوں سند پیش کرتے ہیں اور سند بھی ایسی جس پر بقول شمس العلماء صحابہ نے بالا جماع ابوبکر کو پیغمبر کا خلیفہ تسلیم کر لیا۔ ہم نہیں سمجھ سکتے ایسے متناقض اقوال ایک محقق اور فاضل کی شان کے لئے کہاں تک زیبا ہیں۔

شمس العلماء: - اور جو لوگ از خود ایسے تو قعات لگائے بیٹھے تھے وہ بھی پیغمبر صاحب کے جیتے جی اظہار ما فی الضمیر نہیں کر سکتے تھے۔

ہم: علی کو تو اس کے اظہار کی مطلق ضرورت ہی نہ تھی کیونکہ ایک ولیعہد کو جب اسی بادشاہ نے ایک نہیں متعدد موقعوں پر اپنی ولیعہدی کے لئے ارکین سلطنت کے سامنے پیش کر دیا ہو۔ کوئی حاجت ہی نہیں ہے کہ بادشاہ سے اپنی ولیعہدی کی درخواست کرے یہ تو ایک تحصیل حاصل ہے جو ہر طریقہ سے غیر ممدوح ہے اب رہے اور لوگ وہ حضرت کے جیتے جی اظہار ما فی الضمیر کیونکر کر سکتے تھے جب کہ انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ معاملہ ہمارے رقیب کے ہاتھوں میں پہنچ چکا ہے ہاں ان کی ریشہ دوانیاں برابر جاری رہیں اور اُن میں کامیاب بھی ہو گئے اور کامیابی کا راز صاف ظاہر ہے کہ اس شخص کے مقابلہ میں جو دین سے کسی حالت میں گشتہ ہونا نہیں چاہتا وہ شخص ہمیشہ کامیاب ہوا کرتا ہے جس کی نظر محض دنیا پر ہو اور وہ جائز ہو یا ناجائز ہر طریقہ سے دنیا کو حاصل کرنے کی کوشش کرے جیسا کہ ابوبکر و عمر صاحب نے کیا۔

شمس العلماء۔ بس سب سے پہلے واقعہ قرطاس نے بھانڈا پھوڑا کہ اول دن سے رکا وٹوں کی کھچڑی خلافت کے لئے پک رہی تھی خلافت کے سوا اور کونسا ایسا ضروری مطلب تھا جس کے لئے ختفار کی حالت میں صورت سوال بن کر پیغمبر صاحب کو وصیت کی تکلیف دیجائے۔ بات پھر بھی گول مول ہی ہی علی نے سامنے جا کھڑے ہونے کے سوا منہ سے کچھ نہ کہا۔

ہم بے شک ؎

خلوہ لکھا تھا مگر منع رقیبوں نے کیا　　ماجرا یہ بھی کم از قصۂ قرطاس نہیں

واقعۂ قرطاس نے ظاہر کر دیا۔ کہ ان صحابہ میں کتنے ایماندار آدمی جمع تھے۔ علی کا صورت سوال نبکر

پیغمبر کے سامنے عالمِ احتضار میں کھڑا ہونا۔ یہ قول تو شمس العلماء کا ایجاد بندہ ہے۔ جس کا وہ کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکیں گے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت پیغمبر کو جب وہ اکثر مواقع پر خصوصاً غدیر خم میں خلافت علی کا اعلان کر چکے تھے اور تکمیل دین کا مژدہ بھی سن چکے تھے۔ ایسی نازک حالت میں وصیت کے لکھنے کی کیا ضرورت تھی جو یقیناً خلافت علی پر مبنی ہوتی کیونکہ عمر صاحب سے زیادہ بات کو سمجھنے والا خصوصاً ایسے معاملات میں کون ہو سکتا ہے اگر وہ اس وصیت کو کسی قرینے سے بھی خلافت علیؑ کے مخالف خیال کرتے تو ہرگز مزاحم نہ ہوتے۔ ہاں تو خلافت علیؑ کے اعلان کرنے کے بعد جب آپ مدینہ منورہ پہنچ کر مرض الموت میں گرفتار ہوئے تو آپ نے اسی وقت تجہیز لشکر اسامہ کا حکم دیا اور انہیں لوگوں کو اس میں نامزد کیا جو امر خلافت علیؑ میں خارج ہونے والے تھے مگر انھوں نے آپ کی اس تدبیر کو چلنے نہ دیا یعنی تعمیل کی اور مدینہ سے باہر نہ نکلے۔ رسول اللہ نے جب یہ رنگ دیکھا تو وصیت تحریری کے ذریعے سے اپنے حکم خلافت علیؑ کو مستحکم کرنا چاہا۔ مگر اس حکم کو کس حد تک قبول کیا گیا۔ ہر ایک واقفکار آدمی جان سکتا ہے اور یہیں سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ صحابہ جن پر سواد اعظم اپنی جان بلکہ ایمان تک بھی قربان کر رہا ہے۔ کہاں تک مطیع حکم رسول تھے۔

شمس العلماء: ۔ پیغمبر صاحب نے بھی وصیت کی جس کے لیے کاغذ منگوانے تھے کچھ صراحت نہ فرمائی کہ کیا لکھوانا چاہتے تھے مگر جن کے دل میں تمنائے خلافت چٹکیاں لے رہی تھی انھوں نے تو دھینگا مشتی سے منصوبہ کو چٹکیوں جب ہی اُڑا دیا اور مزاحمت کی تاویل یہ کی کہ ہماری ہدایت کے لیے قرآن بس کرتا ہے اور چونکہ پیغمبر صاحب کے حواس برجا نہیں کاغذ قلم دوات کا لانا۔ کچھ ضرور نہیں خدا جانے کیا کا کیا لکھوا دینگے

ہم حضرت پیغمبر تصریح کرتے تو اور کیونکر کرتے اسی تصریح کو تو سمجھ کر متمنیان خلافت نے قلم و دوات کو منع کیا اور رسول پر ہذیان کا الزام لگایا۔ اور منھ در منھ رسول اللہ سے کہدیا کہ یہ جو آپ نے اپنی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی۔ فرما کر عترت کی بیخ لگائی ہے۔ ہمیں آپ کی عترت سے کوئی علاقہ نہیں قرآن کافی ہے۔ ہم اسی کو اپنے مطلب کے موافق توڑ مروڑ لیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا اور ایسا ہی ہوا بھی شمس العلماء کا یہ فقرہ "چونکہ پیغمبر صاحب کے حواس برجا نہیں یہ پیغمبر صاحب تو آپ کی زبان سے نکلا ہے کہنے والے نے تو یہ کہا تھا ان الرجل لیہجر یہ آدمی ہذیان بک رہا ہے توبہ۔ توبہ اور کہنے کو

وہی عمر صاحب تھے - جنہیں خدمت اقدس پیغمبر میں گستاخیاں کرنے کی اکثر عادت تھی ایک معمولی سا معمولی انسان بھی اگر احتضار کے عالم میں ہو تو تہذیب کا ہرگز اقتضا نہیں ہو سکتا کہ ایسی باتیں اس کے روبرو کی جائیں - کجا کہ پیغمبر کے روبرو - مگر تہذیب نتیجہ ہے شرافت کا - تہذیب خاصہ ہے اہلبیت کا اور یہی دونوں باتیں عمر صاحب میں مفقود ہیں دیکھ لیجئے کچھ نہ کہیں تھوڑا ہے - غرض مختصر یہ ہے کہ حضرت پیغمبر کی یہ آخری درخواست نہایت بیدردی اور سرکشی کے ساتھ نامنظور کی گئی عمر صاحب کی چالاکی ایک اور بھی قابل داد ہے - حضرت پیغمبر وقت آخر وصیت تحریر کرنے کے لئے جو اعلیٰ درجہ کا فرض ہے - قلم و دوات طلب فرما رہے ہیں اور عمر صاحب کہتے ہیں ان کے ہوش بر جا نہیں - ہم صحیح الدماغ اور سلیم الفطرت انسانوں سے دریافت کرتے ہیں کہ جو شخص ایسی تکلیف کے وقت ادائے فرض پر آمادہ وصیت نامہ لکھوانے کے لئے قلم دوات طلب کرے - دنیا کا کوئی حکیم کوئی ڈاکٹر کوئی طبیب اس کو مخبوط الحواس کہہ سکتا ہے - حاشا وکلا اس سے بڑھ کر ہوشیاری کیا ہوگی مگر چونکہ یہ ہوشیاری لالچ کے بندوں کو ناکامی کی شراب سے بے ہوش کرنے والی تھی اس لئے اسے بیہوشی بدحواسی اور ہذیان سے منسوب کیا گیا اور اس پر وہ شور و غوغا بلند ہوا کہ الٰہی تیری پناہ حجرۂ پیغمبر کو عرصہ پیکار بنا دیا - جس پر آپ نے سخت ناخوش ہو کر فرمایا - قوموا عنی میرے پاس سے اٹھ جاؤ - لا یجوز عندی التنازع میرے سامنے جھگڑا اور تنازعہ جائز نہیں ہے - چنانچہ سب یہاں سے نکالے گئے - یہیں سے شمس العلماء کے اس ارشاد پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ "عمر صاحب کا رعب صحابہ پر اس درجہ تھا کہ وہ ان کے سامنے پکار کر بات تک کر ہی نہ سکتے تھے بات کرنا تو درکنار آنکھیں ڈال کر تو دیکھ ہی نہ سکتے تھے اس پر آیہ یا ایہا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی الخ کو استدلالاً تحریر کرتے ہوئے فرمایا ہے - کسی کی مجال نہ تھی کہ پیغمبر صاحب کے کسی قول کسی فعل پر مخاصمانہ اعتراض کرے" ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ شمس العلماء کے اس اشارہ کو اس واقعیت سے کہاں تک تعلق ہے اور مواقع کو نظر کرو - صرف واقعہ قرطاس ہی کو دیکھو کہ جناب عمر صاحب نے حضرت پیغمبر کے خاص حجرے میں اور وہ بھی اس وقت کہ آپ بستر مرگ پر لیٹے ہوئے ہیں وہ ہڑبونگ مچائی ہے - جس پر رسول اکرم سخت ناخوشی کے عالم میں قوموا عنی فرما رہے ہیں غرض عمر صاحب نے وصیت پیغمبر کو عمل میں آنے نہیں دیا اگر وصیت نامہ تحریر ہو جاتا تو اسلام میں تفرقہ پردازیاں نہ ہوتیں جو آج نظر آ رہی ہیں - کچھ شک نہیں کہ اس ثواب یا عذاب کا بار جو کچھ بھی ہے عمر

صاحب کی گردن پر ہے۔ جسے انھوں نے محض چند روزہ حکومت اور اپنے رقیب کو زک دینے کے اختیار کیا ہے اور محض اپنے دنیوی نفع کے لئے خلافت کو اس کے مقام اصلی سے ناجائز طور پر ہٹا دینے میں سر توڑ کوشش کی ہے۔ مسئلہ خلافت میں جو اختلاف واقع ہوا ہے اس کے بانی مبانی یہی عمر صاحب ہیں مگر ہمیں سخت تعجب ہوتا ہے جب شمس العلماء کی مندرجہ ذیل رائے پر نظر پڑتی ہے

شمس العلماء:۔ چھوٹی چھوٹی باتوں سے قطع نظر کرو تو پاؤ گے کہ سنیوں اور شیعوں میں بڑا اختلاف مسئلہ خلافت میں ہے اور یہ اختلاف شروع تو ہوا پیغمبر صاحب کی زندگی میں اور خود پیغمبر صاحب کے گھر میں مگر ہر کہ آمد بر آں مزید کند رفتہ رفتہ اس نے ایسی ضخامت پکڑی اور یوماً فیوماً بڑھتا چلا جا رہا ہے کہ گویا اسلام کی دو شاخیں نہیں بلکہ دو مذہب ہیں۔ جداگانہ جن میں التیام ممکن نہیں مشکل یہ آ کر پڑی ہے کہ سنی سنائی باتوں پر فیصلہ کرنا ہے اور باتیں بھی آج کی نہیں اب سے تیرہ سو برس پہلے کی اور سنی سنائی بھی اپنے کانوں کی نہیں بلکہ ان لوگوں کی جن کی چالیس چالیس پچاس پچاس نسلیں مر کھپ گئیں۔ فریقین کے پاس اس قسم کی باتوں کے انبار کے انبار موجود ہیں اب اپنے مطلب کو متضاد کس کو مانیں کس کو نہ مانیں۔ لڑائی پیغمبر صاحب کی بیٹی اور بی بی کی ہے۔

ہم:۔ اختلاف کے بارے میں شمس العلماء کی جو رائے ہے وہ بالکل صحیح ہے لیکن اس اختلاف کو حضرت فاطمہ و عائشہ کی لڑائی کی فرع قرار دینا یہ ایک ایسا نکتہ ہے جو دنیا میں تو کسی عقلمند کی سمجھ میں نہیں آسکتا ہم اثبات کا ثبوت دے چکے ہیں کہ حضرت فاطمہ نے اپنی طرف سے کبھی عائشہ کو آزردہ کرنے کا خیال ہی نہیں کیا۔ ہاں حسد کی آنچ البتہ عائشہ کو نچلی نہیں بیٹھنے دیتی تھی مگر ان خانگی امورات کو اختلاف خلافت سے علاقہ کیا۔ گھٹنے کی ضرب سے اگر آنکھ پھوٹ سکتی ہے تو شاید شمس العلماء کا قول بھی تسلیم کیا جا سکتا تھا۔ اختلاف کے بانی مبانی وہی بزرگوار ہیں جن کو پس پردہ رکھتے ہوئے ڈپٹی صاحب فرماتے ہیں کہ جن کے دلوں میں تمنائے خلافت چٹکیاں لے رہی تھی انھوں نے اس منصوبے ہی کو گوارا دیا اگر فاطمہ اور عائشہ میں اختلاف ہوتا اور ان دونوں کے جانبین کی اس معاملے میں یکساں حالت ہوتی تو بھی اس کا اثر گھر کی چار دیواری میں ہی محدود رہتا۔ مگر مشکل تو یہ ہے کہ عائشہ و حفصہ کو ابوبکر و عمر نے اپنی تمنا کے حصول کا آلہ بنا کر پیغمبر کے گھر میں بھیجا تھا۔ ان دونوں کو فاطمہ سے یا علی سے جو بغض تھا وہ اسی تعلیم کا اثر تھا جس کے سایہ میں انھوں نے نشو و نما پائی تھی۔ ورنہ اصلی اس اختلاف کے مرکز ق

تحقیق ہے۔ اگر شمس العلماء ذرا غور و تعمق کے ساتھ آبائی مذہب سے خالی الذہن ہو کر معاملے کے پہلو کو دیکھیں تو امید کی جاتی ہے کہ حق و باطل صاف آشکارا ہو جائے گا اور وہ بہت جلد اپنی اس رائے کو واپس لیں گے کہ فاطمہ اور عائشہ کی لڑائی اس اختلاف کی بانی ہوئی یہ رائے بلحاظ رائے کے بھی گری ہوئی نظر آتی ہے۔

المختصر یہ حشر ہوا قصہ قرطاس کا اور یوں رسول اپنی جان نثار صحابہ کی بدولت آخری آرزوؤں کو دل ہی میں لے گئے۔ ابن عباس جب تک زندہ رہے جمعرات کے دن کو نہایت حسرت سے فرماتے ہے کہ آہ یہ وہ دن ہے جس میں رسول اللہ کو تحریر وصیت سے روکا گیا اور ابن عباس پر کیا منحصر ہے جو مسلمان اس پر غور کرے گا بے اختیار خون کے آنسو اس کی آنکھوں سے ٹپک پڑینگے۔ جب یہ واقعہ ہو چکا۔ یہ سمجھئے حجرہ رسالت سے نکال دیے گئے تو پھر انہیں دوبارہ پیغمبر کی زیارت نصیب نہیں ہوئی اور انہیں ضرورت ہی کیا پڑی تھی۔ حصول جاہ کی کوششیں تھیں کہ برابر اپنا کام کر رہی تھیں اتنے میں قضا و قدر نے یہ سانحہ دکھایا کہ رحمت للعالمین اس دار ناپائدار سے رخصت ہو گئے۔ خانہ اہلبیت سے آہ و بکا کی آوازیں بلند ہو ہو کر ساکنان ملاء اعلیٰ کو بیچین کرنے لگیں مدینہ کے گلی کوچوں پر اداسی چھا گئی۔ مسجد نبوی میں حشر بپا ہو گیا یہاں تو یہ دلخراش سانحہ پیش آیا۔ اب عمر صاحب کی طرف دیکھیے وہ بن گئے دیوانے اور تلوار لے کر چکر لگانے لگے کہ جو کہے گا رسول اللہ فوت ہو گئے میں اس کا سر اڑا دوں گا عقلمند خوب جانتے ہیں کہ یہ دیوانگی کس قسم کی دیوانگی تھی۔ تھے تو دیوانے مگر مطلب کے دیوانے تھے۔ مطلب کے۔ خوش اعتقاد مرید کہتے ہیں کہ جوش غم نے ان کی یہ حالت کر دی تھی۔ استغفر اللہ۔ توبہ کرو توبہ ان باتوں میں کیا رکھا ہے اہل بیت سے زیادہ قلق کس کو ہو سکتا ہے۔ قلق تو اس خاتون کو تھا جس نے اسی غم میں گھل گھل کر جان دے دی اور اس سانحہ کے بعد جب تک زندہ رہیں ہنسنی تو کیا تبسم سے بھی لب آشنا نہ ہوئے۔ رنج اس کو تھا جس نے قبر مطہر سے لپٹ کر فرمایا اے برادر مجھے قوم نے بالکل ضعیف اور لاچار کر دیا اور قریب ہے کہ مجھے قتل کر ڈالیں وہ مرثیہ جو دیوان جناب امیر میں مرقوم ہے اس کا ایک ایک لفظ گواہی دیتا ہے کہ اس الم میں آپ کی یہ کیفیت تھی

امن بعد تکفین النبی ودفنہ   باثوابہ اسی علیٰ ھالک ثوی

پیغمبر خدا کو اسی کے کپڑوں میں دفن و کفن کرنے کے بعد کیا ہم کسی اور ہلاک اور پیوند خاک ہونے والے پر

غمگین اور محزون ہو سکتے ہیں (ہرگز نہیں)

دامان و گریباں کوئی کیوں چاک کرے | ہے کوئی قلق جو اسے غمناک کرے
جس دل پہ ہو داغ غم احمد کا اثر | اغیار کے مرنے کا وہ غم خاک کرے

وذر نا رسول اللّٰہ فینا فلن نری | بذالک عدیلا ا حیینا من البرئی

ہمیں رسولخدا کی وفات سے ایسی مصیبت پہنچائی گئی ہے۔ جس کا مثل و نظیر جب تک بھی ہلاکت سے نجات پائے ہوئے ہیں ہنیں دیکھ سکتے۔ لمولفہ

اب کونسا گردوں کا ستم دیکھیں گے | دیکھا ہے نہ اس طرح کا غم دیکھیں گے
رحلت سے پیمبر کی جو آفت دیکھی | تا عمر جواب اس کا نہ ہم دیکھیں گے

فقد غشینا ظلمۃ بعد موتہ | فقد زادت علی ظلمۃ الداجی

اس کی موت کے بعد دن کے وقت ہمیں تاریکی نے ڈہانک لیا روز روشن سیاہ ہوگیا اور یہ ظلمت و تاریکی تمام تاریکیوں سے بڑھ گئی۔ لمولفہ

بیکار ہے ہر دیکھنے والے کی نگاہ | چھائی ہوئی ظلمت ہے زمانہ ہے سیاہ
سورج کو گہن لگا ہے دن ہے تاریک | رحلت ہے رسول حق کی انا اللّٰہ

وفی کل وقت للصلوۃ ھیجۃ | بلال ویدعو باسمہ کلما دعے

یہ غم کیونکر دور ہو سکتا ہے۔ جبکہ ہر ایک نماز کے وقت بلال اسے برانگیختہ کرتا ہے اور نماز کے لئے جس وقت بھی بلاتا ہے اسی (پیغمبر) کا نام لے کر بلاتا ہے لمولفہ

کیونکر ہو اس اندوہ و مصیبت کو زوال | کب مٹ سکتا ہے دل سے کہیں یہ رنج و ملال
نشتر سے کھٹک جاتے ہیں جب پانچوں وقت | لیتا ہے اذاں میں نام حضرت کا بلال

ہم کو ایک لفظ بھی کہیں ایسا نظر نہیں آتا جو عمر صاحب کے منہ سے نکلا ہو اور اس سے رسول اللّٰہ کی وفات پر افسوس کا کوئی پہلو نکلتا ہو۔ پھر ان کا قلق المصیبت سے بڑھ کر کیونکر ہو سکتا تھا اور پھر ایسا کہ سنجر بدیوانگی ہوتا ۔ اعوابں خیال ست و محال ست و جنوں۔ مثل مشہور ہے جگر جگر۔ دگر دگر۔ ماں سے زیادہ چاہنے والی پھاپھا کٹنی ہوتی ہے۔ عمر صاحب کی یہ دیوانگی بھی غل سے خالی نہ تھی۔ جس وقت ان کے برادر معظم ابوبکر نے آکر کچھ ان کے کان میں پھونکا۔ اسی وقت سیدھے ہو گئے۔ پھر پہنچ

سقیفۂ بنی ساعدہ میں جہاں جاتے ہی مسئلہ خلافت پر تقدیر آزمائی ہونے لگی
تمام مذاہب میں یہ بھی افسوس کے ساتھ دیکھا جائے گا کہ مسلمانوں کے پیغمبر کا جنازہ گھر میں پڑا ہوا ہے اور جاں نثار صحابہ تحصیل حکومت میں مصروف ہیں ان سے اتنا بھی صبر نہ ہو سکا کہ اپنے ہادی کے سوم کا تو انتظار کریں۔ سوم نہیں تو انکی تجہیز و تکفین سے تو فارغ ہو جائیں۔ لیکن یہاں تو کچھ "گھرے" کی جڑ بھی ہوئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ سقیفہ میں انصار پہلے سے یہ مشورہ کر رہے تھے اور اس خبر کو سنکر شیخین نے وہاں قدم رنجہ فرمایا تھا مگر یہ بات کچھ دل کو نہیں لگتی۔ انصار کا یہ حوصلہ ہی نہیں ہو سکتا کہ وہ مہاجرین اور قرابت داران رسولؐ کو اس طرح نظر انداز کر کے بطور خود خلافت کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے لگتے۔ عقل اس بات کو چاہتی ہے کہ جب ابو بکر و عمر اپنے حواریین سمیت اس سقیفہ میں داخل ہوئے جہاں بدمعاشان عرب مشورہ کے لیے اکٹھے ہوتے تھے تو انصار کو دخل در معقول کا موقع مل گیا اور جب انھوں نے دیکھا کہ بیراہ چلنے لوگ خلافت کو اہلبیت پیغمبر سے نکال کر اپنے لیے خاص کر رہے ہیں تو یہ خیال کہ او بہتی گنگا ہیں ہم بھی ہاتھ دھو لیں۔ انہیں منا امیر و منکم امیر کہنے کا حوصلہ ہو گیا جس کی تردید اس حدیث سے کی گئی کہ الائمہ من قریش انصار کی جبل نبی تو اسی سے معلوم ہوتی ہے کہ وہ اس دلیل سے کچھ ساکت ہو گئے ادھر عمر صاحب نے فوراً ابو بکر صاحب کے ہاتھ پر بیعت کا ہاتھ کھینچ دیا اور اس کے ساتھ ہی دوسرے حواریین نے بھی جو اس کے لیے تیار ہو کر آئے تھے۔ بیعت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

یہ ہے وہ اجماع جس پر سواد اعظم کو ناز ہے جس پر وہی مثل صادق آتی ہے کہ "مدعی سست گواہ چست" عمر صاحب سے زیادہ اس خلافت کا راز دار اور کون ہو سکتا ہے وہ خود فرماتے ہیں کہ ابو بکر کی بیعت ناگہانی تھی یہ ایک فتنہ تھا جس کے شر سے خدا نے بچا لیا۔

شمس العلما نے اس واقعہ کے متعلق جو الفاظ تحریر فرمائے ہیں وہ دیکھنے کے قابل ہیں۔

شمس العلما۔ ابو بکر نے عمر کے سامنے آیۂ "ما محمد الا رسول" الخ کی تلاوت کی پھر سنا کہ لوگ سقیفہ میں جمع ہیں عمر کو ساتھ لے کر ادھر دوڑے گئے اور فتنے کو فرو کیا اگر یہ بر وقت نہ پہنچتے تو پیغمبر صاحب کو تو کھو ہی چکے تھے اسلام کو بھی سر پر ہاتھ دھر کر روتے۔ خدا جانے کون پیغمبر کا جانشین بن

نتیجتاً مہاجرین و انصار آپس میں کٹ مرتے اور پیغمبر صاحب کی ساری عمر کی کوشش دم زدن میں اکارت جاتی
ہم یہ بالکل صحیح نہیں ہے کہ وہ کسی اٹھتے ہوئے فتنہ کو دبانے کی نیت سے سقیفہ پہنچے تھے اگر اسی نیت سے وہاں
جاتے اور اُن کے دل میں خلوص کی جھلک ہوتی تو وہ ان لوگوں سے جا کر کم از کم اتنا تو کہتے کہ اے مسلمانو!
تمہیں شرم نہیں آتی۔ تمہیں غیرت نہیں آتی۔ تم سے ڈوب کے نہیں مر جاتا کہ پیغمبر کا جنازہ تو بے دفن
و کفن پڑا ہے اور تم اپنی ہوسناکیوں میں مبتلا ہو رہے ہو اگر انصار وہاں فتنہ پردازی کی نیت سے جمع
بھی ہوئے تھے تو ممکن تھا کہ اپنے کردار پر پشیمان ہوتے مگر یہاں تو خود ایسی ہی سازشیں دلوں میں جا
گزیں تھیں جیسا کہ خود جناب شمس العلماء نے اقرار کیا ہے کہ (اس معاملہ میں) ابوبکر اور عمر کی ملی بھگت
تھی۔ اور بلا شبہہ یہی امر ہے کہ ان کی ریشہ دوانیوں کی سن گن لے کر ہی انصار کو اتنی جرات ہوئی ہوگی
کہ وہ سقیفہ میں جمع ہوئے۔ بشرطیکہ ہوئے بھی ہوں۔ ہاں تو اگر ابوبکر و عمر صاحبان انصار کو غیرت دلاتے
تو نہ کوئی ایرا غیرا پیغمبر کا جانشین بن سکتا۔ نہ مہاجرین و انصار میں کشت و خون کی نوبت آتی اور حضرت
پیغمبر کی عمر بھر کی محنت اکارت جاتی۔ بلکہ ان شیخین کے طرز عمل سے یہ باتیں ظہور میں آئیں کہ امت محمدی
کے تہتر ٹکڑے ہو گئے۔ بلا خوف تردید کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں نے پیغمبر کو کھو کر اسلام کا بھی
ستیاناس کر دیا۔ ہم یہ فرض کئے لیتے ہیں کہ ہاں پیغمبر نے علی کو اپنا ولیعہد نہیں بنایا تھا اور مسلمانوں کو
اسکا اختیار دے دیا تھا مگر ہم سوال کرتے ہیں کہ اگر یہ سب حضرات مجموعی طاقت سے اتفاق و سکون
کے ساتھ پیغمبر کی تجہیز و تکفین کر کے مسجد نبوی میں بیٹھ کر خلافت کے لئے مشورہ کرتے اور پبلک اوپینین
(عام رائے) کی مدد سے خلیفہ کا انتخاب کرتے تو کون سی قباحت پیش آتی تھی۔ کچھ بھی نہ تھی صرف
یہ تھی کہ بنی ہاشم کا شریک مشورہ کرنا موت نظر آتا تھا۔

شمس العلماء۔ کچھ شک نہیں کہ ابوبکر نے اُس وقت بڑی دانشمندی کی ورنہ اسلام گیا ہی تھا۔
خدا نے رکھا۔

ہم ابوبکر کی دانشمندی کے تو ہم بھی قائل ہیں۔ اس سے زیادہ کوئی دانشمندی نہیں کہ وقت کو ہاتھ سے
نہ جانے دیا لیکن اس موقع پر مندرجہ بالا مصرعہ چسپاں کرنا محض خوش اعتقادیوں اور تقلید آبائی کی
سخت جکڑ بندیوں کا نمونہ پیش کرنا ہے ہاں یہ البتہ کہہ سکتے ہیں کہ ابوبکر کی خلافت نے اسلام کا
ایک بہت بڑا رکن ضائع کر دیا اور آئندہ نسلوں کو تلقین کر دیا کہ پیغمبر نے جو اپنی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ

دعترتی فرمایا ہے یہ بالکل غلط ہے۔ عترت کوئی چیز نہیں۔ پھر کیا تھا۔ ہر کہ آمد بر آں مزید کرد۔ لگا
نسل پیغمبر کا قلع قمع ہونے اور آجتک یہ کوشش ہے کہ برابر چلی جا رہی ہے۔

شمس العلماء رہی تجہیز و تکفین آخر علی اور عباسؓ وغیرہ پیغمبر صاحب کے لواحق اس کے اہتمام میں لگے ہی تھے۔

ہم:۔ جی ہاں اس میں کیا شک ہے جن کا مُردہ تھا وہ خود اس کی تجہیز و تکفین کے ذمہ دار تھے ابوبکر و عمر صاحبان کو غرض کون سی تھی جو خواہ مخواہ اس دردسری میں شریک ہو کر موقعہ کو ہاتھ سے دے بیٹھتے اور پھر عمر بھر سوائے پچھتانے کے اور کچھ ہاتھ نہ آتا۔ ہم جب شمس العلماء کے اس فقرے پر نظر ڈالتے ہیں تو اس میں سے ایک مزاح آمیز طعن کی بُو آتی ہے جو ان جاہ طلب صحابہ پر کیا گیا ہے۔ کیا تعجب ہے ایسا ہو۔ اور کاش ایسا ہی ہو۔

الغرض عمر صاحب لے توبہ ابوبکر صاحب سریر آرائے خلافت ہو گئے اور ابو قحافہ نے اپنے بوڑھے فرزند کو تخت امارت پر بیٹھے دیکھ لیا اب بیعت کا سلسلہ شروع ہوا اور کوشش کی جانے لگی کہ جس طرح بھی ہو سکے بیعت لی جائے اور علیؑ پر دربار خلافت سے زور ڈالا گیا۔ علمائے امامیہ کی تحقیق اس بارے میں یہ ہے کہ شورہ سقیفہ کے بعد علیؑ اپنے حق خلافت کا اظہار کرتے رہے اور اپنی حقیت کے دلائل نہایت واضح طور پر جرات کے ساتھ پیش کرتے رہے انھوں نے کبھی کسی خلافت کی بطوع خاطر بیعت نہیں کی اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب خلافت ثالثہ کی نامزدگی کے وقت کمیٹی نے آپؑ سے فرمایا کہ آپ سیرت شیخین اور سنت رسول اللہ پر عمل کریں تو بسم اللہ مسند خلافت حاضر ہے آپ نے صاف جواب دے دیا کہ سیرت شیخین کوئی چیز نہیں خلافت سے دست برداری پسند کی مگر سیرت شیخین پر عامل ہونے کی ہامی نہ بھری اس سے صاف ظاہر ہے کہ جب ابوبکر و عمر کی سیرت اُن کے نزدیک ایسی بُری چیز عمل کرنے سے وہ ایسے بیزار تھے کہ اپنے حق سے محروم ہو جانا گوارا کیا۔ تو کیونکر کوئی عاقل گوارا کر سکتا ہے کہ آپ ایسے لوگوں کے حلقۂ بیعت میں داخل ہو گئے ہونگے جن کے اعمال کو حد درجہ ناپسند کرتے تھے محققین (فرقہ شیعہ) کی یہ رائے کہ آپ نے بطوع خاطر بیعت نہیں کی انہیں واقعات سے ماخوذ ہے جو اہلسنت کی کتابوں میں بھرے پڑے ہیں جن سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بیعت کے لئے ان پر بے انتہا دباؤ ڈالا گیا ہے چنانچہ ابن قتیبہ دینوری لکھتے ہیں کہ جب ابوبکر خطبہ تمام کر چکے تو معلوم ہوا کہ کچھ لوگوں نے بیعت

سے انحراف کیا ہے اور علیؑ مرتضیٰ کے پاس جمع ہوئے ہیں۔ عمر ابن خطاب کو ان کے پاس بھیجا۔ انہوں نے اور پکارا اور یہ لوگ علیؑ مرتضیٰ کے گھر میں جمع تھے انھوں نے نکلنے سے انکار کیا اُس وقت عمر نے لکڑیاں سلگائیں اور کہا قسم ہے اُس خدا کی کہ روح عمر کی جس کے قبضۂ قدرت میں ہے نکل آؤ نہیں تو اس گھر کو مع تم سب کے جلا دوں گا لوگوں نے کہا اے ابو حفصہ اس گھر میں جناب فاطمہ بھی تو ہیں وہ بولے وان کان ان ہوا کریں یہ سُنکر وہ سب نکل آئے۔ اسی کی مثل تاریخ طبری۔ ابوالفدا اور سیوطی نے جمع الجوامع میں روایت نقل کی ہے۔ سیوطی نے یوں شروع کیا ہے کہ علی اور زبیر اور اور لوگ بنت رسول کے پاس جاتے تھے اور اُن سے مشورہ کرتے تھے اور اپنے امر میں اُن کی طرف رجوع کرتے تھے جب یہ خبر عمر صاحب کو پہنچی تو انھوں نے جاکر حضرت فاطمہ علیہا السلام سے کہا کہ میں یہ گھر ان پر جلا دوں گا۔

ابو بکر جوہری کتاب سقیفہ میں رقم طراز ہیں کہ ابو بکر نے عمر کے ساتھ خالد ابن ولید کو بھی بھیجا تھا اور حکم دیا تھا کہ علیؑ و زبیر کو میرے پاس لے آؤ۔ خالد ابن ولید دروازہ پر ٹھہر ارہا اور عمر گھر میں داخل ہوئے اور عمر نے زبیر سے پوچھا کہ یہ تلوار تمہارے پاس کیسی ہے وہ بولے میں نے بیعت علیؑ کے لئے رکھی ہے۔ اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ اس گھر میں بہت سے لوگ تھے مثلاً مقداد ابن اسود اور بنی ہاشم عمر نے تلوار لے لی اور ایک پتھر پڑا تھا اس پر مار کر توڑ ڈالی اس کے بعد زبیر کا ہاتھ پکڑ لیا اور دھکیلتے ہوئے باہر لائے اور خالد سے کہا ان کو پکڑ لو۔ خالد نے پکڑ لیا اور خالد کے ساتھ بھی بہت لوگ تھے جنھیں ابو بکر نے کمک کے لئے بھیجا تھا پھر عمر اندر آئے اور علیؑ مرتضیٰ سے کہا کہ اُٹھو اور بیعت کرو حضرت نے کچھ تامل کیا ان کا بھی ہاتھ عمر نے پکڑ لیا اور کہنے لگے کہ اُٹھو انھوں نے انکار کیا تو ان کو اُٹھا کر باہر لائے اور زبیر کی طرح حوالہ خالد کردیا اور انہی دونوں کو ابو بکر کے پاس لے کر چلے یہ خبر سُنکر مدینہ میں تمام تماشائی جمع ہو گئے اور تمام گلی کوچے آدمیوں سے بھر رہے تھے جب جناب سیدہ نے یہ دیکھا فریاد کرنے لگیں اور دردناک نالہ بلند کیا اُن کے ساتھ اور عورات بنی ہاشم بھی جمع ہو گئی تھیں اور جناب سیدہ نے اپنے حجرے کے دروازے پر آکر ابو بکر کو با آواز بلند پکارا اور فرمایا اے ابو بکر کس قدر جلد تم نے لوٹ شروع کردی اور اہل بیت رسول میں گھس آئے قسم خدا کی اب میں عمر سے بات نہ کروں گی جب تک رسولِ خدا سے بات نہ کروں۔"

ابوبکر جوہری اس واقعہ کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں کہ جناب امیرؑ اس شان سے گھر سے نکالے گئے تھے کہ
گلے میں کوئی کپڑا ڈال کر کھینچے جاتے تھے اور مجبوری کی حالت میں آپ لاتیں مارتے تھے اور کہتے جاتے
تھے اے گروہ مسلمین کیوں ایک ایسے مسلمان کی گردن مارنے ہو کہ جو کسی مخالفت کی وجہ سے نہیں بیٹھ رہا
بلکہ ایک ضرورت سے بیٹھ رہا ہے پس جس مجلس کی طرف سے آپ گذرتے تھے یہی صدا آتی تھی کہ چلو چلو
بیعت کرو۔ ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ جب عمر جناب امیرؑ کو لیکر ابوبکر کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ بیعت کرو
آپ نے فرمایا کہ اگر بیعت نہ کروں گا تو کیا ہوگا۔ لوگوں نے کہا (جن کی زبان سے عمر کلام کرتا تھا)
کہ قسم خدا کی کہ سوائے اُس کے کوئی خدا نہیں ہے ہم تمہاری گردن ماریں گے۔ آپ نے فرمایا اگر ایسا کروگے
تو ایک بندۂ خدا اور برادر رسول خدا کو قتل کروگے عمر بولے کہ بندۂ خدا ہونا تو مسلم ہے مگر برادر رسول خدا
ہونا یہ میں نہیں مانتا۔ ابوبکر خاموش بیٹھے تھے اور کچھ نہیں کہتے تھے۔ عمر نے کہا کہ اب ان کے بارے
میں آپ کچھ حکم نہیں کرتے (ہم شمشیر بکف منتظر حکم ہیں) ابوبکر نے کہا کہ میں اُن کو کسی بات پر مجبور نہیں
کرتا ہوں جب تک کہ فاطمہ اُن کے پہلو میں ہے پس اسوقت جناب امیرؑ قبر رسولؐ سے لپٹ گئے اور
چیخ چیخ کر رونے لگے اور پکار کر کئی مرتبہ یہ آیت پڑھی یا بن ام ان القوم استضعفونی وکادو
ان یقتلوننی لے ماں جائے قوم نے مجکو ضعیف کردیا اور قریب ہے کہ قتل کرڈالے۔
یہ ہیں وہ واقعات جن سے ہر عاقل نتیجہ نکال سکتا ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے اگر بیعت کی بھی تھی
تو کس قسم کی بیعت تھی اور شیعوں کے سامنے کہاں تک سنداً پیش کئے جانے کی قابلیت رکھتی ہے ابوبکر
و عمر کے علاوہ اگر کوئی شخص ایسا ہوتا جس نے بے انتہا اسلام کی خدمت کی ہوتی۔ جان و مال سے رسول اللہ
پر قربان رہا ہوتا اور پھر اُس کے ہاتھ سے یہ مظالم اہلبیت رسولؐ پر توڑے جاتے تو بے شبہ اہل نظر
اس کے اس کام سے سوائے لعن کے اور کوئی ریمارک نہیں کرسکتے تھے۔ ان واقعات کا فاطمہ رسولؐ
کی پارۂ جگر پر جو اثر پڑا ہوگا اُس کا اندازہ ہر اہل دل کرسکتا ہے۔ ایک تو شفیق باپ اور سردار دوجہان
کا سایہ سر سے اُٹھ چکا ہے اس کے ساتھ ہی وہ اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ رہی ہیں کہ اُسی باپ کے ہمراہی
پرسا دینے اور دلجوئی کے بجائے آگ اور لکڑیاں لیکر آتے ہیں۔ اس کا گھر جلا دینے پر آمادہ ہیں
اور کوشش کرتے ہیں کہ انہیں بیوہ بنادیا جائے یہ صدمہ فاطمہ زہراؑ کے لئے کوئی معمولی صدمہ نہیں
تھا۔ نشتر بالائے نشتر۔ زخم بالائے زخم تھا۔ اسی لئے شمس العلماء فرماتے ہیں کہ مجکو جب فاطمہ زہراؑ

کا خیال آتا ہے تو بے اختیار جی چاہتا ہے کہ علیؑ کو خلافت ملی تو غم زدہ فاطمہ کی کچھ تو دلجوئی ہو جاتی"۔ ہم شمس العلماء سے بادب عرض کرتے ہیں کہ آپ فاطمہ کو چھوڑیئے۔ خلافت کے مرکز اصلی پر قرار پکڑنے سے فقط فاطمہ ہی کی خوشنودی مدنظر نہ رکھیئے بلکہ یوں کہیئے کہ وہ اسلام جسے عربی پیغمبر نے ۲۳ برس تک اپنا خون چسایا تھا ان تفرقہ اندازیوں کی نذر ہوتا اور آپ کو اپنی لبنت ٹھیکہ داران اسلام کے منہ سے کافرستانہ پڑتا

یہ ظلم وستم تو اہلبیت رسول پر ہی ہو رہا تھا کہ ایک اور تازہ مصیبت ان پر نازل کی گئی اور وہ یہ کہ فدک فاطمہ سے چھین کر ان کو اور ان کی اولاد کو نان شبینہ تک کو محتاج کرنے کی کوشش کی اور یہ کوشش بارور ہو گئی کیونکہ حکومت اور جبری حکومت اس کی بانی مبانی تھی شمس العلماء صاحب نے اس عظیم الشان قضیہ کا دو چار فقروں میں خاتمہ کیا ہے اور بزعم خود اچھا کیا ہے۔

شمس العلماء یہ فرما کر کہ علیؑ نے بیعت تو کر لی۔ ارشاد کرتے ہیں، مگر انھوں نے جانشینی کے دعوے کو ایک اور صورت میں پیش کیا کہ فاطمہ نے فدک کی اراضی پر قبضہ دلائے جانے کا استغاثہ کیا

ہم شمس العلماء کا یہ ارشاد کہ استغاثہ معصومہ علیؑ کی شہ سے تھا اور گویا یہ جانشینی کا دعوا ہے علمائے سواد اعظم کی اس رائے سے ماخوذ ہے جو ابوبکر کو اس اعتراض سے بچانے کی ہر ایک کوشش میں ناکامیاب ہو کر قایم کی گئی ہے وجہ یہ کہ اگر ابوبکر جناب سیدہ کے دعوے فدک کو قبول کرتے تو کل کو وہ خلافت کے دعوے کر بیٹھتیں۔ سبحان اللہ اس رائے سے کس قدر ایمان کی خوشبو آ رہی ہے۔ اتنا تو ہم بھی کہتے ہیں کہ پولیٹکل لحاظ سے ابوبکر نے جو کیا وہ اچھا کیا۔ کیونکہ اگر کوئی بادشاہ کا مصاحب اپنی چالاکیوں سے اس کا جانشین بن بیٹھے تو جب تک وہ سچے وارثوں کا ہر ایک طریقہ سے قلع قمع نہ کرے اسے اپنی حکومت کے استحکام کی امید نہ کرنی چاہیے اگر فدک پر فاطمہ کا قبضہ بحال رہتا تو ایک خلایق کا انبوہ ان کے گرد جمع رہتا اور علیؑ کی جماعت کو ایک نمایاں تقویت رہتی۔ خلیفہ اولؓ ان کے مشیر اعظم خلیفہ گر ایسی صورت کو ٹھنڈے دل سے نہ دیکھ سکے اور دیکھ بھی نہیں سکتے تھے۔ سیاست ملکی کا اقتضا یہی ہے مگر بدقسمتی سے ہمیں ان حضرات کا یہ فعل کسنا پڑا ہے اسلام کی کسوٹی پر اور یہاں آ کر اس میں سراسر کھوٹ ہی کھوٹ نظر آتا ہے۔

شمس العلماء کا یہ نقوہ کہ فاطمہ نے فدک کی اراضی پر قبضہ دلائے جانے کا استغاثہ کیا ایک تشکوک

اور مبہم فقرہ ہے جب کسی معاملہ کو آدمی لکھنے بیٹھے تو اس کے ہر پہلو کو ملک کے سامنے پیش کر دے
ہم نے اس فقرہ کو مشکوک یوں کہا کہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے سے فدک فاطمہ کے قبضہ میں تھا
او خلیفہ اول کے عہد میں آپ نے اس پر قبضہ کرنا چاہا حالانکہ ایسا نہیں ہے جناب فاطمہ اس پر متصرف
تھیں ابو بکر صاحب نے خلافت پر قبضہ کرتے ہی فدک کو اپنی مٹھی میں لے لیا۔ پس جناب فاطمہؑ کی
درخواست واگذاری فدک کی نسبت تھی نہ کہ سرے سے قبضہ دلائے جانے کے لئے جیسا کہ تفاسیر و
تواریخ اہل سنت میں بیان کیا گیا ہے۔

علامہ سیوطی تفسیر درمنثور میں تحت آیہ وات ذی القربی حقہ (اے پیغمبر قرابت داروں کو ان کا حق
دیدے) بسند معتبر تحریر فرماتے ہیں فلما نزلت ہذہ الآیۃ وات ذی القربی حقہ فدعا رسول اللہ
فاطمۃ فاعطاھا فدک یعنی جس وقت آیہ وات ذی القربی حقہ نازل ہوئی تو رسول اللہ نے فاطمہؑ کو
بلایا اور فدک انہیں عطا فرمایا و فی معارج النبوۃ الشہیر بسیر مولانا المعین الھروی فی وقائع
السنۃ السابعۃ بعد واقعۃ خیبر بہذہ العبارۃ علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ معارج النبوۃ جو مولانا
معین الہروی کی سیر مشہور ہے اس میں بھی واقعات سنہ ۷ھ میں واقعہ خیبر کے بعد یہی عبارت لکھی ہے
بیاض ابراہیمی میں مرقوم ہے اما ان فدک کانت فی ید فاطمۃ فیدل علیہ ما فی کنز الاعمال
للشیخ علی المتقی فی صلۃ الرحم من کتاب الاخلاق عن ابی سعید قال لما نزلت وات ذی القربی
حقہ قال النبی یا فاطمۃ لک فدک رواہ الحاکم فی تاریخہ بیشک فدک فاطمہ کے قبضہ میں تھا
جس پر دلیل یہ ہے کہ شیخ علی متقی نے کنز الاعمال کے باب صلۂ رحم میں کتاب الاخلاق سے بروایت ابو سعید
لکھا ہے کہ جب آیت وات ذی القربی حقہ نازل ہوئی تو نبی نے فرمایا اے فاطمہ فدک تمہارے لئے
ہے۔ حاکم نے بھی اپنی تاریخ میں اسے روایت کیا ہے۔

کتاب مقصد الاقصیٰ میں یہ عبارت تحریر ہے بعضے گویند کہ حضرت رسول اللہ بوئے خیبر امیر المومنین
علی را فرستاد و مصالحہ بردست حضرت امیر واقع شد بر آں نہج کہ حضرت امیر قصد خون ایشاں
نکند و حوائط خاص از آں رسول باشد پس جبرئیل فرود آمد و گفت کہ حق تعالیٰ می فرماید کہ حق خویشاں
بدہ رسول گفت خویشاں من کیستند و حق ایشاں چیست جبرئیل گفت فاطمہ است حوائط فدک را
بادوہ و آنچہ از خدا و رسول روا ست در فدک ہم بادوہ پیغمبر فاطمہ را بخواند و برائے وے حجۃ

نوشت و آن وثیقہ بود کہ بعد از وفات رسول پیش ابوبکر صدیق آورد و گفت این کتاب بخدا ست کہ برائے من وحسن وحسین نوشتہ است صاحب روضۃ الصفا اور حبیب السیر نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے۔

روایات مندرجہ بالا جو نہایت اختصار کو مدنظر رکھ کر درج کی گئیں ہیں ان سے ضرور یہ مستفاد ہوتا ہے کہ فدک زمانہ رسول سے ہی قبضہ فاطمہ میں تھا۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ اس کا انتظام بطور ایک سردار خاندان کے رسول اللہ سے متعلق ہو اور اس میں کسی قسم کا حرج بھی نہیں خصوصاً جبکہ ہم اس تو حد پر نظر کریں جو ان بزرگواروں میں پایا جاتا ہے۔ اب رہا یہ شبہ کہ فدک جو زرخیز قریہ تھا قریات حجاز میں اور اس کی آمدنی چالیس ہزار اشرفی تھی رسول اللہ نے فاطمہؑ کے لئے کیوں مخصوص کیا تو اس کو اول تو خدا سے پوچھو پھر رسول اللہ پر اعتراض کرو پھر اپنے علماء سے دریافت کرو کہ انھوں نے ان روایات کو کس بنا پر نقل کیا اگر ان سب سے قطع نظر صرف ہمیں ہی معرض اعتراض میں رکھا جاتا ہے تو ہم یہ کہنے کے لئے تیار ہیں کہ رسول اللہ حسب ارشاد جناب شمس العلماء کسی کا ذرا سا احسان بھی سر پر رکھنا نہیں چاہتے تھے ابوبکر نے جو احسان کیا اس کی تلافی یہ ہے کہ عائشہ سے نکاح کر لیا اور جو ان کے لئے حصول خلافت کا ذریعہ تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ خدیجہ نے جو اسلام کی خدمات کی ہیں اور جس دریا دلی کے ساتھ اپنا مال رسول اللہ پر قربان کیا تھا۔ کچھ اس کا بدلہ دنیا میں خدیجہ کو ملا۔ اگر خدیجہ کی انہیں خدمات کو خدا و رسول نے مدنظر رکھ کر فدک ان کی بیٹی فاطمہ کو ھبہ کر دیا ہو تو کونسا عقلی استبعاد لازم آتا ہے۔

الغرض مسند خلافت پر بیٹھ کر جب ابوبکر نے فدک پر دست درازی کی تو فاطمہ جگر گوشۂ رسول نے اسی ھبہ کی بنا پر واگذاری کی درخواست دی ہمارے یقین میں فاطمہ کو ضرور اسبات کا علم تھا کہ وہ اس دعوے میں ناکام رہیں گی۔ کیونکہ قاضی جو ہے وہ ہی تو غضب کرنے والا ہے اور یہ ایک معمولی سی عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ ایسے شخص سے کسی صورت میں بھی انصاف کی امید نہیں ہو سکتی۔ مگر چونکہ عقائد اسلامی کے مطابق قضیات و امورات کا فیصلہ فقط دنیا ہی میں ختم نہیں ہوتا۔ یہ تو ایسا مقام ہے جس میں اکثر اہل حق کو اپنے حق سے ناکامی ہوئی ہے بلکہ اس کے لئے ایک دن مقرر ہے جسے یوم الحساب (قیامت) لکھتے ہیں اس لئے جناب فاطمہ کو یہ درخواست اٹھانا

حجۃ پیش کرنی پڑی تاکہ کل کو ابوبکر یہ عذر نہ پیش کر سکے کہ فاطمہؑ نے مجھے اس غلطی سے متنبہ نہیں کیا تھا اور نیز اس لئے بھی کہ آنے والی نسلوں پر یہ امر روز روشن کی طرح ظاہر ہو جائے کہ قرن اولی میں امت پیغمبر نے اپنے پیغمبر کی اولاد کے ساتھ کیا اچھا سلوک کیا ہے فاعتبروا یا اولی الابصار جو وقت یہ درخواست واگزاری فدک پیش کی گئی اور وہ ہبہ نامہ ابوبکر کے سامنے رکھا گیا تو آپ کی ایمانداری مقتضی ہوئی کہ فاطمہ سے اس معاملہ میں گواہ طلب کئے جائیں۔ چنانچہ گواہ بلائے گئے ادھر سے علی حسنؑ وحسینؑ ام ایمن و بعض نے ام کلثوم بھی لکھا ہے مگر وہ صحیح نہیں شہادت کے لئے آئے جسے اس حجۃ سے رد کیا گیا کہ حسنؑ وحسینؑ صغیر سن ہیں اور اولاد کی گواہی ماں باپ کے حق میں قابل اعتماد نہیں۔ اب رہے علیؑ و ام ایمن سو نصاب گواہان پورا نہیں ہوا اور صاحب شرح مواقف نے بھی یہی حجۃ پیش کی ہے

ابوبکر نے اس معاملے میں جس قدر قرآن کی خلاف ورزی کی ہے اسی قدر اپنے رہے سہے ایمان کو بھی غارت کر لیا ہے آیہ قرآنی سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ جب تک دو گواہ نہ ہوں قاضی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ بلکہ گواہوں کا حکم اہل معاملہ کے لئے ہے نہ کہ قاضی کے واسطے اگر ایسا ہو تو بہت سے حقوق کی تعطیل لازم آتی ہے۔ بلا شبہ قاضی مجاز ہے اس امر کا کہ ایک دو یا اس سے زیادہ گواہوں کی رو سے فیصلہ دے سکتا ہے۔ دوم یہ امر کہ گواہوں کی تعداد اہل معاملہ کے لئے جو قرآن میں درج ہے وہ معاملہ دین کے متعلق ہے فاطمہ کا دعوے اس سے تعلق ہی نہ رکھتا تھا بلکہ اسکا تعلق تھا بیع سے جس کی رو سے صرف گواہوں کی ضرورت ہے جن کی تعداد معین نہیں کی گئی حضرت ابوبکر نے فاطمہ سے گواہ طلب کرکے دو طرح سے آیت قرآنی کی مخالفت کی اول تو یہ کہ آیت میں جو ہدایت اہل معاملہ کے لئے ہے وہ اپنے لئے جو قاضی تھے قرار دی دوئم یہ کہ جو ہدایت معاملہ دین کے لئے تھی وہ معاملہ انتقال بیع اور عطیہ سے متعلق فرمائی۔

اگر یہ شبہہ کیا جائے کہ معاملہ دین میں خدا نے گواہوں کی تعداد مقرر فرما دی ہے اور معاملہ بیع میں معین نہیں کی یہ گویا خداوند تعالی کا استغنا ہے کہ جو حکم ایک جگہ بیان کر دیا ہے اس کے بیان کی پھر ضرورت نہ سمجھی اس لئے معاملہ بیع کو معاملہ دین پر قیاس کر لینا جائز ہے سو ایسا قیاس درست نہیں ہے خدا نے جو ہدایتیں کسی معاملہ کے متعلق فرمائی ہیں وہ اسی تک محدود ہیں اور اس صورت میں ایک کو

دوسرے پر قیاس کرنا ایک سخت غلطی ہے۔ معاملہ بیع میں جو گواہوں کی تعداد معین نہیں کی گئی اس سے بظاہر ہوتا ہے کہ گواہوں کی تعداد اہل معاملہ کی مرضی پر موقوف رکھی گئی ہے اسی وجہ سے اس کی تشریح نہیں ہوئی جیسے کہ آیۂ قذف میں چار گواہوں کی تشریح کردی گئی ہے اب اس میں دو صورتیں پیدا ہوتی ہیں یا تو حضرت ابوبکر اور اُن کے مشیر کار جنھوں نے بڑے زور شور سے فرمایا تھا حسبنا کتاب اللہ) قرآن سے بالکل جاہل تھے۔ یا یہ اقرار کیا جائے کہ انھوں نے دانستہ ہدایات متعلقہ دین کو معاملہ بیع غیر قرضہ کے متعلق کیا اور اس طرح بدنامی سے بچنے کا ایک حیلہ اپنے لئے تجویز فرمایا

ایک اور لطیفہ دیکھنے کے قابل ہے کہ کتب اہل سنت سے بہت سے ایسے واقعات مل سکتے ہیں جن سے معلوم ہوسکتا ہے کہ فقط مدعی اور ایک گواہ کے بیان پر فیصلہ صادر کیا گیا ہے۔ خود عہد رسول اللہ کی نظیر موجود ہے جن میں صرف آنحضرت کا بیان اور ایک گواہ کی شہادت قبول کر لی گئی ہے اور جس کی رُو سے ادائے شہادت کو یہاں تک وسعت دی گئی ہے کہ صرف بیان صدق کی تصدیق کافی ہے۔ نہیں نظائر سے وہ مسئلہ پیدا ہوا ہے جو زمانہ رسول تک ہی محدود نہیں ہے۔ بلکہ خلفائے ثلثہ اسپر عامل نظر آتے ہیں اور مروان نے اسپر عمل کیا ہے جو معاویہ کی طرف سے مدینہ کا گورنر تھا ملاحظہ فرمائیے علامہ زمخشری ربیع الابرار میں وجہ تسمیہ ذوالشہادتین خزیمہ بن ثابت کے بیان میں تحقیقاً رقم فرماتے ہیں روی ان رسول اللہ استقضاہ یھودی دینا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اولم اقضک فطلب البینۃ فقال لاصحابہ ایکم یشہد لی فقال خزیمہ انا یارسول اللہ قال وکیف تشہد بذالک ولم تحضرہ ولم تعلمہ قال یارسول اللہ نحن نصدقک علی الوحی من السماء فکیف لا نصدقک علی انک قضیتہ فانفذ شہادتہ وسماہ بذالک لانہ صیر شہادتہ بشہادۃ رجلین

روایت کی گئی ہے کہ ایک یہودی نے حضرت سے قرض طلب کیا آپ نے فرمایا کیا میں نے تیرا دین ادا نہیں کیا۔ اس نے گواہی طلب کی آپ نے اصحاب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم میں سے کون شخص میری گواہی دیتا ہے خزیمہ نے عرض کی یارسول اللہ میں حاضر ہوں آپ نے فرمایا تو کس بنا پر شہادت دیتا ہے تو تو اسوقت موجود تھا نہ تجھے خبر ہے اس نے عرض کی یارسول اللہ ہم جب آپ کی وحی آسمانی پر تصدیق کرتے ہیں تو اس بات کی تصدیق کیوں نہ کریں کہ آپ نے قرض ادا کر دیا ہے پس اسکی شہادت جاری کی

گئی اور اسے ذوالشہادتین کہا گیا کیونکہ اس کی گواہی دو مردوں کی برابر قرار پائی تھی۔ تفسیر نیشا پوری میں بھی بتفاوت یسیر یہی مضمون موجود ہے۔ ابو داوٗد نے اپنی سنن میں اسی کے متعلق ایک باب موسوم بہ باب اذا علم الحاکم صدق شہادۃ الواحد یجوز ان یقضی (جب حاکم کو شہادت واحد کی بناپر مدعی کی تصدیق ہو جائے تو حکم کرنا جائز ہے) اور اس باب میں مندرجہ ذیل حدیث نقل کی ہے۔ حدثنا عن عمارہ ابن خزیمہ ان عمہ حدثہ و ھو من اصحاب النبی ان النبی ابتاع فرسًا من اعرابی فاستبعہ النبی لیقضیہ ثمن فرسہ فاسرع رسول اللہ المشی وابطا الاعرابی فطفق رجال یعترضون الخ

حاصل حدیث یہ ہے کہ عمارہ نے خزیمہ سے اس نے اپنے چچا سے جو صحابہ نبی تھا روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت پیغمبر نے ایک اعرابی سے گھوڑا خرید اور پھر اسے بھیجا چاہتا کہ اس کی قیمت ادا کردیں رسول اللہ نے چلنے میں جلت کی اور اعرابی نے درنگ سے کام لیا اتنے میں لوگ اعرابی سے متعرض ہوئے اور اسکو گھوڑا بیچنے کے لیے عاجز کرنے لگے اور ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ نبی نے یہ گھوڑا خرید لیا ہے ان اعرابی نے رسول اللہ کو پکارا اور کہا کہ اگر آپ کو گھوڑا لینا ہے تو لیجیے نہیں تو میں اسے فروخت کرتا ہوں۔ رسول اللہ نے جب یہ آواز سنی تو ٹھیر گئے اور فرمایا کہ کیا میں نے یہ گھوڑا نہیں خریدا۔ اعرابی نے قسمیہ کہا کہ میں نے اس کو فروخت نہیں کیا۔ جانبین نے اپنے اپنے دعوے پر اصرار کیا اسوقت خزیمہ ابن ثابت نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے اسے مول لیا ہے۔ رسول اللہ نے خزیمہ سے فرمایا کہ تو کس بات کی گواہی دیتا ہے (حالانکہ تیرے سامنے یہ معاملہ نہیں ہوا) خزیمہ نے عرض کی یا نبی اللہ میں نے آپ کے ارشاد کی تصدیق کی ہے۔ بس رسول اللہ نے خزیمہ کی شہادت کو دو مردوں کے برابر فرمایا۔

صاحب کنز الاعمال تحریر کرتے ہیں ان رسول اللہ و ابا بکر و عمر و عثمان کانوا یقضون بشہادۃ الواحد و الیمین کہ رسول اللہ و ابو بکر و عمر عثمان فقط ایک شہادت اور قسم پر حکم جاری کر دیتے تھے۔

تلویح شرح توضیح میں مرقوم ہے ان النبی قضی بشہادۃ شاھد و الیمین صاحب الحق وروی عنہ ان النبی و ابا بکر و عمر و عثمان کانو یقضون بشہادۃ الواحد و الیمین یعنی نبی صلی اللہ

علیہ و آلہ فقط ایک شہادت اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کر دیتے تھے اور عمر و ابو بکر و عثمان کا بھی یہی معمول تھا۔ بخاری کتاب ہبہ میں لکھا ہے کہ پسران صہیبا غلام ابن جدعان دو گھروں اور ایک کوٹھڑی کے دعویدار تھے کہ انہیں رسول اللہ نے عطا کئے ہیں۔ مروان نے گواہ طلب کئے تو فقط ابن عمر پیش ہوئے جن کی گواہی پر مروان نے مدعیان کے حق میں ڈگری جاری کر دی۔

انہیں نظائر کی بنا پر علمائے اہل سنت نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جب حاکم کو کسی مدعی یا طالب کے بیان اور ایک گواہ عادل کی شہادت پر صدق کی مباشرت قلبی ہو تو اسی پر حکم نافذ کیا جائے مگر کس قدر افسوس کے ساتھ دیکھا جاتا ہے کہ فاطمہؑ بنت رسول کے ساتھ اتنی رعایت بھی روا نہیں رکھی گئی

اس سے بھی لطیف تر سنئے! ابن سعد طبقات کبریٰ میں باسناد خود لکھتے ہیں جس کا ماحصل یہ ہے۔

لما قبض رسول اللہ قال ابو بکر لما جاءہ مال من البحرین من کانت لہ علی النبی عدۃ فلیاتنی قال فجاءہ جابر ابن عبد اللہ الانصاری فقال ان النبی وعدنی اذا اتاہ مال البحرین ان یعطینی ھکذا وھکذا وھکذا واشار بکفیہ فقال ابو بکر خذ فاخذ بکفیہ فعدہ خمسمائۃ درھم فاعطاہ ایاھا والفا ثم جاءہ ناس کان وعدھم رسول اللہ فاخذ کل انسان ما کان وعدہ ثم قسم ما بقی من المال فاصاب کل انسان منھم عشرۃ دراھم

کہ جب رسول اللہ نے وفات پائی تو جو وقت مال بحرین آیا ابو بکر نے کہا جس شخص سے کچھ وعدہ رسول اللہ نے کیا ہو وہ میرے پاس آئے۔ جابر ابن عبد اللہ انصاری آئے اور کہا کہ مجھ سے نبیؐ نے وعدہ کیا تھا کہ جب بحرین کا مال آئے گا تو مجھے اتنا اتنا۔ اتنا عطا کریں گے اور اشارہ اپنے دونوں کف دست کی طرف کیا ابو بکر نے کہا کہ اچھا ہے لو جابر نے لپ بھر کر اٹھا لیا جس میں ازروئے شمار پانچسو درہم آئے یہ جابر کو دیدئے اور ہزار اور عطا کئے پھر اور لوگ آئے جن سے رسول نے وعدہ کیا تھا۔ پس ہر ایک شخص نے اتنا لے لیا جو اس سے وعدہ کیا گیا تھا۔ پھر جو کچھ مال باقی رہا تھا وہ بانٹ دیا گیا جس سے ہر شخص کو دس درہم پہنچے۔ صحیح بخاری میں خود جابر ابن عبد اللہ سے یہ روایت منقول ہے اور محدثین نے اس کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ خلیفہ اول نے جابر سے گواہ اسی لئے نہ طلب کئے کہ جابر جھوٹ نہ بول سکتے تھے اگر جابر ہی خیرات سے نہو گا تو اور کون ہوگا

ان اقوال کو دیکھ کر ان لوگوں کی بے انصافیوں پر خدا کی قسم خون کھولتا ہے۔ غضب خدا کا ان نازک

جابر ہاں جابر ایک معمولی صحابی اپنے دعوے میں اتنا سچا مانا جائے جابر ہی نہیں بلکہ عوام الناس تک صادق تسلیم کئے جائیں اور فاطمہ صدیقہ رسولؐ کی پارۂ جگر مقصد آیۂ تطہیر اپنے دعوے میں جھوٹی مانی جائے اس معصومہ سے گواہ طلب ہوں اور پھر وہ گواہ نہایت بیدردی کے ساتھ رد کر دئے جائیں اسپر طرّہ یہ کہ خوش اعتقاد مُرید اُن مظالم کو ایک خوبصورت لباس پہنانے کی کوشش کریں ہم سچ کہتے ہیں کہ نہایت آزادانہ خیالات کو دماغ میں جگہ دے کر جب ان لوگوں کے کردار کو دیکھا جاتا ہے تو بے ساختہ دل سے یہ صداقت بھری ہوئی آواز نکلتی ہے کہ تف برین مسلمانی۔ حیف برین اسلام ۔ حق زہرا خوردن و دین پیمبر داشتن ۔ حاشا ثم حاشا ۔ ناممکن ۔ ناممکن ۔ ناممکن

اب یہ امر قابل ملاحظہ ہے کہ فاطمہؑ کے دعوے کے گواہ کس قسم کے لوگ تھے ۔ ایک نفس رسول (علی) اور دوسرے فرزندان رسول حسنینؑ تیسرے ام ایمن ۔ انہیں کو پیغمبر نے وقت ہبہ گواہ کیا جنھیں حضرت ابوبکر نامنظور کرتے ہیں اور اس حجت سے کہ نصاب گواہان پورا نہیں ہوا ۔ کیا ابوبکر رسول اللہ سے افضل تھے کیا رسول اللہ احکام الٰہی کی پابندی ابوبکر سے بھی کم کرتے تھے ۔ ان چاروں گواہوں میں علیؑ کی شان دیکھو افمن کان علی بینۃ من ربہ ویتلوہ شاھد منہ کیا وہ شخص جو اپنے پروردگار کی طرف سے حجت پر قایم ہو اور پیچھے آئے اُس کے گواہ اسی (خدا) کی طرف سے ۔

علامہ سیوطی درمنثور میں اس آیہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں ۔

اخرج ابن ابی حاتم و ابو نعیم فی المعرفۃ عن علی ابن ابی طالب قال ما من رجل من قریش الا نزل فیہ طائفۃ من القرآن فقال لہ رجل ما نزل فیک قال ما تقرء سورۃ ھود افمن کان علی بینۃ من ربہ ویتلوہ شاھد منہ و اخرج ابن مردویہ و ابن عساکر عن علی فی الایۃ قال رسول اللہ صلعم علی بینۃ من ربہ و انا شاھد منہ و اخبر ابن مردویہ من وجہ آخر عن علی قال رسول اللہ صلعم علی بینۃ من ربہ و انا شاھد منہ و اخرج ابن مردویہ من وجہ آخر عن علی قال قال صلعم افمن کان علی بینۃ من ربہ انا ویتلوہ شاھد منہ علیؑ ۔

ابن ابی حاتم اور ابو نعیم نے معرفۃ میں علی ابن ابیطالب سے نقل کیا ہے آپنے فرمایا کہ قریش میں سے کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس کے لئے قرآن میں کچھ نازل ہوا ہو سو وقت ایک شخص نے سوال کیا کہ آپ کے بارے میں کیا نازل ہوا ہے آپ نے فرمایا کیا تو نے سورۂ ہود میں نہیں پڑھا

افمن کان علیٰ بینۃ الخ اس میں علیٰ بینۃ سے مراد رسول خدا ہیں اور یتلوہ شاہد منہ سے علی ہیں۔ ابن مردویہ اور ابن عساکر نے اسی آیت کی تفسیر میں علی مرتضےٰ سے نقل کیا ہے کہ علی بینۃ من ربہ سے مراد رسول اللہ ہیں اور یتلوہ شاہد منہ سے میں۔ ابن مردویہ نے دوسرے طریق سے علی مرتضیٰ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلعم علی بینۃ من ربہ ہیں اور یتلوہ شاہد منہ میں ہوں۔ پھر دوسرے طریق سے ابن مردویہ نے علی مرتضیٰ سے اس روایت کو لیا ہے کہ علی بینۃ من ربہ رسول اللہ ہیں اور یتلوہ شاہد میں ہوں

حافظ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیا میں تحریر کیا ہے کہ شاہد سے مراد علی ابن ابیطالب ہیں اور ثعلبی نے اپنی تفسیر میں ابو ہریرہ سے ایک طولانی روایت نقل کی ہے جس میں لکھا ہے کہ شاہد سے مراد علی ابن ابیطالب ہیں۔ ان مضامین مندرجہ کتب اہل سنت کو مد نظر رکھ کر شمس العلما صاحب اندازہ فرمائیں کہ اس خدائی شہادت کا ابوبکر صاحب نے انکار کر کے اپنے ایمان کی دیوار کو کفر و نفاق کے زلزلو نسے کہاں تک بچایا ہے اب رہے حسنین علیہم السلام جن کی نسبت یہ عذر کیا گیا ہے کہ چونکہ یہ مدعیہ کے بیٹے ہیں۔ نیز صغیر سن ہیں اس لئے ان کی شہادت قابل قبول نہیں اور علمائے سواد اعظم بھی حجۃ یہی بیان پیش کرتے ہیں ہمیں افسوس ہے کہ ان لوگوں کی تاریک نگاہیں ان بزرگواروں کے نورانی مراتب کا اندازہ کرنے میں قاصر ہیں کتب اہلسنت سے اس قسم کی ہزاروں شہادتیں حاصل ہو سکیں گی جن سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ بزرگوار بچپن میں علوم شرعیہ کے ایسے عالم تھے جو دوسروں کو بڑھاپے میں بھی حاصل نہیں ہوا۔

ابن حجر نے صواعق محرقہ میں لکھا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ ایکروز ابوبکر منبر پر تھے حسن ابن علی آئے اور اُن سے کہا کہ میرے باپ کی جگہ سے اُترو ابوبکر بولے قسم خدا کی بیشک یہ تمہارے باپ کی جگہ ہے اور میرے باپ کی نہیں۔ پھر اُن کو اپنی گود میں بٹھا لیا اور رونے لگے (اپنی کرتوت پر) اسوقت علی علیہ السلام نے (جو موجود تھے) فرمایا قسم خدا کی میری رائے سے یہ امر نہیں تھا ابوبکر بولے سچ کہا آپ نے خدا کی قسم میں آپ کو متہم نہیں کرتا ہوں

امام حسن علیہ السلام کی فہم و فراست اسی سے ظاہر ہوتی ہے کہ ابوبکر سے یہ فرمایا کہ میرے باپ کی جگہ سے اُترو آج سے رسول اللہ بھی مراد ہو سکتے ہیں اور حضرت امیر بھی یہ ایسا کلام تھا جس کے

جواب میں ابوبکر کو اشک ندامت بہانے کی ہی سوجھی۔ اب رہا جناب امیر علیہ السلام کا یقسم یہ فرمانا کہ یہ امر میری رائے سے نہیں ہوا اس سے مراد یہ ہے کہ ہمارے بچے تک تمہاری ان غاصبانہ کارروائی کا علم رکھتے ہیں۔ یہی معاملہ جناب امام حسین و عمر کے درمیان پیش آیا جسے صاحب تہذیب الکمال نے قلمبند کیا ہے عمر صاحب کو بھی سوائے سر جھکانے کے اور کچھ بن نہ آیا جب یہ بچے ان امورات سے واقف تھے تو کیا انہیں حلال و حرام کی ہی تمیز نہیں تھی کیا وہ بھی عمر صاحب کے صاحبزادے ابوشحمہ کی مانند تھے استغفراللہ وہ فرزند رسول تھے۔ انھوں نے نبی کی زبان چوسی تھی اور انہیں وہ علم میسر تھا جسے علم لدنی کہتے ہیں جو علم نبوت کی شاخ ہے۔ صحیح بخاری میں ابوہریرہ سے روایت ہے قال اخذ الحسن بن علی تمرۃ من تمرۃ الصدقۃ فجعلہا فی فیہ فقال النبی کخ کخ لیطرحہا ثم قال اما شعرت انا لا ناکل الصدقۃ یعنی حسن ابن علی نے ایک چھوارہ صدقے کے چھواروں میں سے اٹھا کر اپنے منہ میں ڈال لیا۔ اس پر پیغمبر نے فرمایا تھو۔ تھو تاکہ وہ اسے پھینک دیں۔ پھر فرمایا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے۔ شیخ عبدالحق شرح مشکوٰۃ میں اس واقعہ کے متعلق رقم طراز ہیں کہ بظاہر اشعار اس عبارت کا یہ ہے کہ امام حسن کو سابق سے اس حکم کا علم تھا اور بعید نہیں ہے کہ وہ صغیر عاقل تھے اور بے شک ان دو نو امام جلیل نے احادیث رسول کا صغر سن میں تحمل کیا اور زمانہ وفات رسول میں آٹھ برس کے تھے۔

حسنین علیہم السلام نے اگر بچپن میں مراتب علوم طے کر لئے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں بچپن میں تو نبوت ملی ہے نبوت۔ دیکھو قصہ حضرت عیسیٰ مندرجہ قرآن بفحوائے علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل اہل سنت ہر ایک ملائے مسجدی کو انبیاء بنی اسرائیل کا مشابہ گردانتے ہیں۔ کیا حسنین علیہم السلام کو انبیاء بنی اسرائیل کے برابر تصور کرنے کے لئے ان کی ایمانی قوت مانع آئے گی اگر ایسا ہے تو واللہ ثم باللہ یہ لوگ ایمان سے بالکل عاری ہیں۔ اب رہیں ام ایمن ان کی بسنت یہ سمجھ لینا چاہئے کہ رسول اللہ نے ان کو گواہ کیا تھا ہمارا خیال اور خیال کیا معنی یقین ہے ابوبکر خوب جانتے تھے کہ گواہی میں وہ لوگ پیش ہوئے ہیں جن سے زیادہ روئے زمین پر کوئی سچا نہیں ہوسکتا۔ مگر ساتھ ہی وہ یہ خوب سمجھتے تھے کہ اگر یہ دعوے قبول کر لیا گیا تو خلافت ہاتھ میں نہیں رہ سکتی جیسا کہ ایک بغدادی پروفیسر کی رائے ہے جس کا خلاصہ ہم شروع میں لکھ آئے ہیں کہ آج فاطمہ کو فدک دے دیا گیا اور ان کے دعوے کو

تسلیم کر لیا گیا تو کل کو وہ خلافت کا دعوے کریں گی

ان واقعات کو مد نظر رکھ کر اب شمس العلماء کا یہ ارشاد کہ علیؑ نے دعوئے جانشینی کو دعوئے فدک کی صورت میں پیش کیا۔ ناظرین اندازہ کر سکتے ہیں کہ کہاں تک وقیع مانا جا سکتا ہے۔

شمس العلماء :۔ یہ زمین یہودیوں سے بے لڑے پیغمبر صاحب کو حاصل ہو گئی تھی یہ بھی ایک قسم کی غنیمت تھی مگر اس کے بارے میں خدا کا خاص حکم یہ تھا کہ ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القریٰ فللّٰہ علی رسولہ ولذی القربیٰ والیتمیٰ والمسکین وابن السبیل فاطمہ نے اپنا دعوے قاعدہ میراث پر مبنی کیا ابوبکر نے فاطمہ کا دعوے خارج کر دیا کہ میں پیغمبر صاحب کا جانشین ہوں اس زمین کے محاصل سے بے کم و کاست وہی سارے مصارف چلاتا رہوں گا جو پیغمبر صاحب چلاتے رہے۔ ابوبکر فاطمہ کی درخواست نامنظور کرنے کا بھی بڑا بھاری اعتراض کیا ہے مگر ہم تو ابوبکر کے طرز عمل میں اعتراض کی کوئی بات نہیں پاتے اگر اراضی فدک میں ما افاء اللہ الی رسولہ الخ کے خلاف عام میراث کا قاعدہ جاری کیا جاتا تو اس میں امہات المومنین اور ان کے زمرہ میں خود ابوبکر کی بیٹی عایشہ بھی حقدار تھیں مگر فاطمہ کے سوائے کسی حقدار نے دعوے نہیں کیا بھلا عائشہ نے تو شاید اس لئے دعوے نہ کیا ہو کہ ان کے باپ خلافت کے دعوے سے کل اراضی پر قابض تھے اور باپ بیٹی کچھ دو نہیں تھے مگر دوسری امہات المومنین کیوں سکوت کئے بیٹھی رہیں۔ اسی وجہ سے نا کہ ان کو معلوم ہو گیا تھا کہ انبیا علیہم السّلام کے متروکے میں قاعدہ میراث جاری نہیں ہوتا۔ علاوہ بریں یہ بات بھی کہیں دیکھنے میں نہیں آئی کہ ابوبکر نے مصارف میں جو پیغمبر صاحب نے مقرر کر رکھے تھے کسی طرح کا رد و بدل کیا ہو اور کسی کی طرف سے اس کی شکایت پیش نہیں ہوئی بلکہ عمر نے تو عہد خلافت میں خود علیؑ اور عباس کو اس کا امین مقرر کر دیا تھا۔

ہم :۔ ہمارے خیال میں واقعات تاریخی کا چھپانا اور ان کے تاریک پہلوؤں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرنا ایک ایسا ناروا اور غیر مستحسن فعل ہے جو کسی طرح پسند نہیں کیا جاتا۔ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ فاطمہ نے اول از روئے ہبہ فدک کی واگذاری کی درخواست کی تھی اس وقت ابوبکر نے خدا و رسولؐ کے احکام سے الگ ہو کر ان کی درخواست نامنظور کر دی۔ ابوبکر کے ایمان نے اس معاملے میں کفر و نفاق کی چٹانوں سے جس قدر کہ ٹھوکریں کھائی ہیں وہ ہم بیان کر آئے

ہیں ان سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ فاطمہ اس صورت میں مدعیہ نہ تھیں بلکہ مدعا علیہا تھیں اور اس لئے بروئے شرع ان سے صرف قسم لی جاتی تھی اپنے دعوے کے لئے گواہ پیدا کرنا ابو بکر کے ذمے تھا غرض جب ہبہ کو ناکامی ہوئی تو آپ نے اب از روئے میراث دعوے کیا اور وہ نہ صرف فدک کی بابت تھا بلکہ کل ترکۂ پیغمبر کی بابت اور یہ دعوے ایسا صحیح اور مضبوط تھا جس سے ابو بکر کو سرتابی کرنے کی جرأت نہ ہوئی انھوں نے فاطمہ کو اپنی تحریر دے دی مگر عمر صاحب نے اُسے چاک کر دیا۔ سبط ابن جوزی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔

جاءت فاطمۃ بنت رسول اللہ الی ابی بکر و ھو علی المنبر فقالت یا ابا بکر افی کتاب اللہ ان ترثک ابنتک ولا ارث ابی فاستعبر ابو بکر باکیا ثم قال بابی ابوک و بابی انت ثم نزل فکتب لھا بفدک و دخل علیہ عمر فقال ماھذا فقال کتاب کتبتہ لفاطمۃ میراثھا من ابیھا قال فماذا تنفق علی المسلمین وقد حاربتک العرب ثم اخذ عمر الکتاب فشقہ یعنی فاطمہ بنت رسول اللہ ابو بکر کے پاس آئیں اور وہ منبر پر تھے۔ آکر فرمایا اے ابو بکر کیا کتاب اللہ میں یہ حکم ہے کہ تیری بیٹی تیری میراث پائے اور مجھے میرے باپ کی میراث نہ ملے یہ سنکر حضرت ابو بکر صاحب عبرت کے آنسو ٹپکانے لگے اور فرمانے لگے کہ میرے باپ تیرے باپ پر قربان ہوں اور میرے باپ تجھ پر قربان ہوں یہ کہکر منبر سے نیچے اُتر آئے اور فدک کے لئے تحریر لکھدی اسوقت عمر صاحب داخل ہوئے اور پوچھا یہ کیا ہے ابو بکر نے کہا کہ یہ وثیقہ جو میں نے فاطمہ کی میراث کے لئے لکھدیا ہے۔ عمر بولے کہ اب مسلمانوں کو کیا دوگے تمام عرب تو تم سے لڑنے پر تیار ہے یہ کہکر عمر نے وہ تحریر لے لی اور چاک کر ڈالی

جب ابو بکر صاحب نے یہ رنگ دیکھا تو انہیں ضرورت محسوس ہوئی کہ فاطمہ کو دعوئ ارث سے روکنے کے لئے کوئی حجۃ قایم کرنی چاہئے۔ اب اُنھوں نے اہل مجلس پر مستفسرانہ نظر ڈالی کہ کسی کو میراث پیغمبر کی نسبت کچھ علم ہو جب سب طرف سے سکوت دیکھا تو فوراً اسی ذات نے اُن کے دل میں القا کیا جو اُن پر مسلط رہا کرتی تھی جس کی نسبت خود بایں الفاظ اقرار فرماتے ہیں۔

ان لی شیطانا یعترینی فان استقمت فاعینونی و ان زغت فقوموني

مجھ پر ایک شیطان مسلط ہے جو مجھے گمراہ کر دیا کرتا ہے اگر میں سیدھے رستہ چلوں تو میری

مددگر و اور اگر گمراہ ہو جاؤں تو مجھے چھوڑ دو۔ اور آپ گویا ہوئے کہ ہم گروہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا ہے اور جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں صدقہ ہے اگر غور کی نگاہ سے دیکھو تو مندرجہ بالا روایت جو یقیناً شمس العلماء سے زیادہ نظر رکھنے والے نے قلم بند کی ہے اور اسی روایت کو کتاب انسان العیون فی سیرۃ الامین والمامون مصنفہ نورالدین علی ابن برہان حلبی مطبوعہ مصر میں بھی لیا گیا ہے اسی سے آپ کے تمام مظنونوں کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔

ہم دریافت کرتے ہیں کہ اگر فاطمہ سلام اللہ علیہا اپنے دعوے میں سچی نہ تھیں تو ابوبکر نے اول کیوں منظور کیا اور عمر نے جس حجت سے اس وثیقہ کو چاک کیا آیا وہ حجت کچھ وزن دار تھی۔ جس بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر صاحب عمر کے ہاتھ میں بالکل کٹھ پتلی بنے ہوئے تھے وہ جس طرف چاہتے تھے اُن کو پھرا لیتے تھے وہ محض ایک شطرنج کے بادشاہ کی حیثیت رکھتے تھے جس کی چالیں دوسرے کے ہاتھ میں ہوتی ہیں ابوبکر صاحب اپنے اس دعوے میں بالکل سچے معلوم ہوتے ہیں "ان لی شیطانا" الخ اور ساری عمر میں ایک ہی موقع پر ان کی صدیقیت کا جلوہ نظر آیا ہے۔

عمر کی مندرجہ بالا حجت پر جب نظر ڈالی جائے تو وہ دائرہ اسلام و ایمان سے اسقدر بیرونی اور اجنبی معلوم ہوتی ہے جس کی کوئی حد نہیں۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ پیغمبر کے عہد میں محاربات کا خرچ کس مد سے چلتا تھا۔ جبکہ فدک اور دیگر مقامات قبضہ رسول اللہ میں نہیں آئے تھے اور ان کے قبضہ کے آنے کے بعد آیا ان کی آمدنی کسی محاربہ میں خرچ کی گئی ہے۔ اگر ایسا ہو تو بے شبہ رسول اللہ پر اعتراض ہوگا کہ آپ نے ما افاء اللہ علی رسولہ کے خلاف عملدرآمد کیا جو کسی طرح پیغمبر کی ذات سے ممکن نہیں۔ عمر کی حجت سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ انھوں نے دعوے فاطمہ زہرا کی نفی نہیں کی بلکہ ایک ملکی ضرورت ابوبکر کے سامنے پیش کی اور بغیر اس کے کہ کوئی لفظ ابوبکر کی زبان سے نکلے اس تحریر کو لیکر چاک کر ڈالا۔ حقیقتہً یہ عمر صاحب کا نیا قانون تھا کہ ملکی ضرورت کے لیے جس کا مال چاہو غصب کر لو اور پھر وہ ضرورت بھی ایسی جو محض بے وجود اگر ایسی ہی ضرورت تھی تو بحرین کا مال کیوں اس فراخدلی سے لٹایا گیا۔ جس سے سوائے شہرت۔ نمود۔ تالیف قلوب اور رشوت کے اور کچھ نتیجہ نکلتا ہوا معلوم نہیں ہوتا۔ اگر واقعی خلافت مآب کو ایسی ضرورت تھی تو وہ فدک اور دیگر مقبوضات بنت پیغمبر پر فاطمہ کا قبضہ تسلیم کر کے اس کی آمدنی ان سے بطور قرض یا بطور اعانت اسلام طلب کر سکتے

تھے ہمارا تو خیال ہے کہ جناب فاطمہ اس سے کبھی پہلو تہی نہ کرتیں یہ بھی نہیں تو چھوٹے منہ سے اتنا ہی کہدیتے کہ بنت رسول اللہ بے شک یہ آپ کا حق ہے مگر ابھی اس کی آمدنی ایک بیت المال میں رہنے دیں مسلمانوں کو روپیے کی سخت ضرورت ہے۔ جب بھی کچھ اشک شوئی ہو جاتی۔ مگر وہاں سرے سے یہ ہی مدنظر تھا کہ فاطمہؑ اس سے قطعی محروم کر دی جائے۔ اب خدا جانے شمس العلما کا یہ دعوے کہ ابوبکر نے اس اراضی کی آمدنی کو اسی طرح صرف کیا جس طرح پیغمبر کرتے تھے۔ کہاں تک صداقت سے مملو ہے جبکہ عمر صاحب اس کی تردید کر رہے ہیں اور صاف ارشاد کرتے ہیں کہ ان کی آمدنی محاربات میں صرف کیجائے گی۔ حیف کتاب اللہ کے قائل نے ما افاء اللہ علی رسولہ کا کیا اچھا مصرف تجویز کیا ہے اور احکام قرآن سے وہ کیسے خبردار ہیں۔

یہ اعتراض فاطمہ کے دعوئے ارث پر کہ اور ازواج رسول بھی تو متروکہ پیغمبر میں شامل تھیں اول تو یوں باطل ہے کہ خود ابوبکر صاحب نے اس دعوے کو صحیح تسلیم کر لیا گیا ابوبکر کا علم شمس العلماء کے علم سے بھی اس معاملہ میں گھٹا ہوا تھا۔ دوئم یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ از روئے ارث فاطمہ نے کل کے کل کا دعوے کیا تھا اپنے ہی حصے کی طلب گار تھیں۔ جیسا کہ بخاری کی کتاب جس میں عائشہ سے منقول ہے قالت وکانت فاطمۃ تسأل ابابکر نصیبہا مما ترک رسول اللہ من خیبر و فدک و صدقتہ بالمدینۃ فابی ابوبکر ذالک یعنی فاطمہ ابوبکر سے اپنا حصہ طلب کرتی تھیں متروکہ رسول اللہ میں سے جو خیبر فدک اور صدقات مدینہ (صدقات کے یہ معنی ہیں کہ جو پیغمبر نے اپنے لئے رکھا تھا) سے پس ابوبکر نے اس سے انکار کر دیا۔ شمس العلماء کا یہ ارشاد کہ ازواج پیغمبر اپنے حصوں کی طلب گار نہیں ہوئیں۔ ہمارے خیال میں ناواقفیت پر مبنی ہے صحیح بخاری میں روایت موجود ہے راوی کہتا ہے میں نے عائشہ زوجہ رسول اللہ سے سنا وہ کہتی تھیں کہ ازواج رسول نے عثمان کو ابوبکر کے پاس بھیجا اور ما افاء اللہ علی رسولہ میں سے آٹھواں حصہ طلب کیا مگر انہیں بھی اسی عذر بارد سے ٹلا دیا گیا اور کیوں نہ ٹلاتے وہ اتنے بیوقوف نہیں تھے کہ فاطمہ کو اعتراض کا موقع دیتے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ابوبکر صاحب نے جو حدیث نحن معاشر الانبیاء الخ فرمائی ہے۔ اس کی کہاں تک اصلیت ہے اول تو یہ امر کسقدر تعجب خیز ہے کہ جن لوگوں سے حکم میراث متعلق تھا اولاد و ازواج ان سے رسول اللہ نے کبھی نہ فرمایا کہ تمہارا میرے متروکہ میں کوئی حق نہیں ہے نہ دوسرے صحابہ میں

سے کسی کو اطلاع دی جن میں علیؑ عباسؓ اور دیگر جلیل الشان صحابہ موجود تھے مگر ابو بکر کے کان میں چپکے سے کہدیا غالباً علم نبوت سے معلوم کر لیا ہو گا کہ میرے بعد یہی خلیفہ ہو گا۔ یہی قاضی ہو گا اسی سے کہدینا کافی ہے۔ ممکن ہے کہ عقلمند مرید اس کی خلافت ابو بکر کی دلیل سمجھ بیٹھیں مگر ذرا غور سے دیکھیں کہ اس صورت میں تبلیغ رسالت کی کسقدر تنقیص لازم آتی ہے۔ کلھیا میں گڑ پھوڑ لینا یہ تبلیغ رسالت کی شان نہیں۔ اگر کوئی خوف کا موقع ہو تو بھی خیر ایک بات ہے اپنی میراث کے بارے میں اگر عام طور سے لوگوں کو آگاہ کر جاتے تو کونسا مانع عقلی موجود تھا یا کم از کم اپنی اولاد سے تو کہہ جاتے۔ کچھ نہیں صرف ابو بکر سے کہا گیا اور یہ علم بھی ابو بکر کو اسوقت یاد آیا جب فاطمہ کو تحریر دیدی اور عمر کے ہاتھوں سے وہ پارہ پارہ ہو گئی اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نہ کچھ اس میں فی ضرور ہے۔ رسول اللہ روحی وارواح العالمین لہ الفدا ایک عام قاعدہ بیان فرما گئے ہیں کہ میری حدیث کو قرآن پر عرض کرو اگر مطابق قرآن ہو۔ تو قبول کر لو ورنہ پس پشت ڈالدو رسول اللہ نے یہ پیشبندی اسی لئے کی تھی کہ آپ کے دوربین نگاہوں میں یہ منظر پھر رہا تھا کہ میرے بعد بہت سے حرص و ہوا اور مکر و زور کے پتلے اپنی خواہش کے مطابق کلام کریں گے اور اسے مجھ سے منسوب کریں گے قاعدہ مذکورہ کے مطابق جب ابو بکر صاحب کی پیش کردہ حدیث کو قرآن کے سامنے رکھا جاتا ہے تو کلام الہی اسے نہایت حقارت اور تنفر کی نظر سے دیکھتا ہے۔ آج نہیں بلکہ اسیوقت اسی موقع پر اسی جلسے میں ابو بکر کی تکذیب کی گئی ہے اور انہیں جتایا گیا ہے وورث سلیمان داؤد وقال ذکریا یرثنی ویرث من آل یعقوب جیسا کہ صاحب کنز الاعمال لکھتے ہیں۔ قال جاءت فاطمۃ الی ابی بکر تطلب میراثھا وجاء عباس بن عبد المطلب یطلب میراثہ وجاء معھا علی فقال ابو بکر قال رسول اللہ لا نورث ما ترکناہ صدقۃ فقال علی وورث سلیمان داؤد وقال زکریا یرثنی ویرث من آل یعقوب قال ابو بکر ھو ھکذا وانت واللہ تعلم مثل ما اعلم فقال علی ھذا کتاب اللہ ینطق فسکتوا وانصرفوا یعنی راوی کہتا ہے کہ فاطمہ ابو بکر کے پاس آئیں اور اپنی میراث طلب کی اور عباس آئے وہ بھی اپنی میراث کے طالب ہوئے اور فاطمہ کے ساتھ علی بھی تھے اسوقت ابو بکر نے کہا رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ ہم کسی کے وارث نہیں ہوتے۔ ہمارا متروکہ صدقہ ہوتا ہے اسوقت علی علیہ السلام سے فرمایا کہ سلیمان داؤد کے وارث ہوئے اور زکریا

نے کہا (الٰہی مجھے فرزند عطا کر کہ وہ) میری اور آل یعقوب کی میراث پائے ابوبکر بولے یہ تو درست ہے مگر تم خدا کی قسم جانتے ہو جیسا کہ میں جانتا ہوں (تمہیں معلوم ہی ہے کہ جب خلافت میں نے لے لی ہے تو فدک وغیرہ کیوں تمہارے قبضہ میں چھوڑنے لگا) علی علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ خدا کی کتاب ہے جو بول رہی ہے (اس کی مخالفت کا انجام تم جانتے ہو) پھر وہ خاموش ہو گئے اور چلے گئے۔

ما بعد نسلوں نے ابوبکر کو سچا ثابت کرنے کی بہت کچھ کوششیں کیں ہیں ہم بھی ان کی اس دماغ سوزی کی داد دیتے ہیں۔ کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن سے میراث نبوت مراد ہے۔ کوئی صاحب کہہ فرماتے ہیں کہ نبوت اور مال دونو مراد ہیں۔ ان اقوال کی سخافت کسی صاحب نظر پر مخفی نہیں رہ سکتی امر نبوت میں میراث کو جوب جاری کیا۔ لیکن ان عقلمندوں کو اتنا تو غور کرنا چاہیے کہ جب ابوبکر کے سامنے آیات قرآنی کو پیش کیا گیا اور وہ اسکی تردید نہ کر سکے۔ سوائے ہو بکذا کہنے کے اور کچھ نہ بن پڑی ابوبکر تو ابوبکر خود عمر صاحب بھی موقع پر موجود تھے جنھوں نے نہایت وثوق کے ساتھ فرمایا تھا حسبنا کتاب اللہ وہ بھی اسوقت منھ میں گھنگنیاں بھرے بیٹھے رہے تو ہم کس شمار و قطار میں ہیں۔ مدعی سست گواہ چست خاص ایسے ہی لوگوں کی شان میں ہے۔

شمس العلماء کا یہ ارشاد کہ عمر نے اپنے زمانہ خلافت میں علیؑ و عباس کو اس کا امین بنا دیا تھا۔ پھر اس سے کیا ہوا کیا اس سے فاطمہ کا وہ زخم مندمل ہو سکتا ہے جو مرتے دم تک ہرا رہا اور جس کی اذیت سے تنگ آ کر وہ غاصبان حقوق سے ترک کلام پر مجبور ہوئیں۔ آہ ؎

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

عمر صاحب ایک پولیٹکل آدمی تھے۔ انھوں نے کسی ملکی مصلحت کی بنا پر علیؑ و عباس کو امین کر دیا ہوگا جب وہ مصلحت باقی نہ رہی واپس لے لیا جیسا کہ آخر زمانہ میں عمر صاحب نے کارروائی کی۔

اتنے مظالم برداشت کر کے اور پھر ایسی حالت میں کہ باپ کی رحلت کا گہرا زخم دل پر موجود تھا۔ اگر جناب سیدہ نے مرتے دم تک ان لوگوں سے کلام ترک کیا تو اس میں کون سی برائی لازم آتی ہے۔ کسی انسان کسی آدمی۔ کسی ولی۔ کسی پیغمبر کا طرز عمل ایسا نہیں پایا جا سکتا کہ مخالف ستم پر ستم توڑے اور اس کے دل پر میل تک نہ آئے۔ مگر یہ جناب شمس العلماء رحمۃ اللہ کی ایمانی قوت ہے کہ وہ فاطمہ کے ترک کلام کو نزیا ہٹ سے تعبیر فرما رہے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون

فدک کے تغیرات

جس طرح خلافت خاندان رسول سے نکلکر بازیچہ طفلاں بن گئی۔ حتیٰ کہ معاویہ اور اُن کے فرزند ارجمند یزید جیسے بزرگوار خلیفہ رسول کہلائے۔ یہی حشر فدک کا ہوا ابوبکر نے تو اس حیلہ سے اپنا قبضہ کیا کہ متروکہ پیغمبر کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ اب زمانہ ہوا عمر صاحب کا۔ اُنھوں نے فدک خیبر اور صدقات مدینہ علیؑ وعباسؓ کے حوالے کر دئے۔ پھر آخر میں خیبر اور فدک کو اُن کے قبضے سے نکال لیا۔ ان کے بعد جلوہ فرما ہوئے مسند خلافت پر حضرت عثمان بن عفان۔ اُنھوں نے کچھ دن تو سیرت شیخین پر موافق عمل وعدہ کیا بعدہ فدک کو مروان کی جاگیر مقرر کر دیا جیسا کہ شرح موطا ملا قاری و فتح الباری شرح حدیث فدک و دیگر کتب اہل سنت میں مرقوم ہے۔ مسلمانو! ذرا ذر پرستی کی دھوئیں کو دماغ سے دور کر کے ایمان کی عینک لگا کر دیکھو کہ رسول کی بیٹی سے تو اس بنا پر فدک چھینا گیا ہے کہ متروکہ پیغمبر صدقہ ہوتا ہے وہ خاص کسی کا مال نہیں ہوتا یہ تمام مسلمانوں کا حق ہے اور آخر کار یہی فدک اس شخص کی جاگیر مقرر ہوتا ہے جو طرید رسول تھا جس مفتی نے کلام الٰہی میں خیانت کی تھی جس نے آل عمران کی جگہ آل مروان لکھدیا تھا۔ کیا تم لوگوں سے نور ایمان بالکل سلب ہو چکا۔ کیا تمہارے قلب بالکل مردہ ہو گئے کیا تمہاری زبانیں کلمۂ حق کے کہنے سے بالکل گونگی ہو گئیں حیف ہے تمہاری حالتوں پر اور سخت افسوس ہے تمہارے دعوے اسلام پر۔ تم یہ خوب سمجھ لو کہ ظالم و مظلوم گذر چکے اور ضرور گذر چکے مگر تم صدق کی حمایت پر متکلف ہو تمہیں بے شک طرفداری صداقت کی تکلیف دیتی ہے اور تم سے ضرور قیامت کے دن اسپر مواخذہ کیا جائے گا۔ بشرطیکہ تم قیامت کے معتقد بھی ہو تمہارے دل میں حشر کا خوف بھی ہو مگر تم مانو یا نہ مانو۔ تم خوف کرو نہ کرو وہ دن ضرور آنیوالا ہے بالضرور آنیوالا ہے اور اس طرح آنیوالا ہے جیسے آج کے بعد کل کا دن عثمان نے فدک کو مروان کی جاگیر میں دیتے وقت تاویل بھی کی ہے کہ جو چیز نبی سے مختص ہے وہ خلیفہ سے مختص ہے وہ جس طرح چاہے اُسے عمل میں لائے یہ تاویل جس قسم کی ہے اہل نظر خوب دیکھ سکتے ہیں خود علمائے اہلسنت کو اعتراف کرنا پڑا ہے کہ عثمان نے اس حیلے سے اپنے نفس کے لئے تونگری اور امارت طلب کی۔

فدک جب مروان کے قبضے میں آیا تو اُس نے اپنے بیٹوں عبدالعزیز اور عبدالملک کے حوالے کر دیا جب ولید

ابن عبدالملک بادشاہ ہوا تو عمر ابن عبدالعزیز نے اپنا حصہ فدک ولید کو بخشدیا اس کے بعد عمر ابن عبدالعزیز کو حکومت پہنچی تو اس نے فدک کو اسی حال پر واپس کر دیا جیسا کہ وہ زمانہ رسول اللہ میں تھا پھر ۲۲۰ھ میں مامون نے اپنے عامل قثم ابن جعفر کو لکھا کہ فدک اولاد فاطمہ کو دے دیا جائے اس حکم کے مطابق اس نے محمد بن حسن بن زید ابن علی ابن حسین ابن علی ابن ابیطالب اور محمد ابن عبداللہ ابن زید ابن حسین ابن زید کے حوالے کر دیا اور یہ امر مامون کے شیعہ ہونے میں شمار کیا جاتا ہے۔ تحفہ اثنا عشریہ کے حاشیے پر شاہ صاحب نے یہ عبارت شرح مقاصد سے تحریر فرمائی ہے جس کا ترجمہ ہم نے یہ بیان کیا ہے۔ پھر آپ تحفہ میں فرماتے ہیں فدک کی نسبت کہ بدست مروانیہ بود تا نوبت بادشاہی عمر ابن عبدالعزیز رسید وے بجہت عدوا لتے کہ داشت گفت نہ بگیرم من چیزے را کہ منع کرد از ان حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فاطمہ را دادند و نباشد مرا او حقے من رد سکیم آنرا۔ پس رد کرد بر اولاد فاطمہ

میراث نبی کی جس کا تعلق اموال غیر منقولہ سے ہے۔ عجب پریشان کیفیت نظر آتی ہے۔ جس خلیفہ کے دل میں آتی ہے وہ اسے ضبط کر لیتا ہے اور جب کسی کو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فدک فاطمہ اور اولاد فاطمہ کا حق تھا۔ جب کوئی خدا کا بندہ اس کی طرف نظر کرتا تھا اور کوئی مصلحت ملکی بھی مانع نہ ہوتی تھی تو حق بحقدار پہنچا دیتا تھا اور جب اندرونی خواہشات غلبہ کرتی تھیں تو اسے اپنے لئے شیر مادر سمجھ لیتا تھا۔

ایک امر اور تعجب کی نگاہ سے دیکھا جائے گا جیسا کہ ابھی ہم نے بیان کیا ہے کہ مامون نے جو فدک کو اولاد فاطمہ کے حوالے کر دیا تو یہ امر مامون کے تشیع کی دلیل سمجھا جاتا ہے۔ لیکن عمر ابن عبدالعزیز نے بھی تو فدک بنی فاطمہ کو دے دیا تھا وہ اپنے اس عمل سے شیعہ نہیں سمجھا گیا کچھ عجب معاملہ ہے ہمیں اب تک نہ معلوم ہوا کہ علمائے سواد اعظم کس قسم کی عقل کے مالک ہیں۔ ناظرین کا تعجب اور بھی بڑھ جائے گا جب وہ اندازہ کریں گے کہ وہ شخص شیعہ کہلانے کا مستحق ہے اور اس جرم تشیع میں اسے طرح طرح کے آزار دئے جا سکتے ہیں جو فدک و متروکہ پیغمبر کو فاطمہؑ و بنی فاطمہؑ کا حق تسلیم کرے اور اہل بیت کو بر سر صواب سمجھے جو اس کے خلاف ہو وہ سنی ہے۔ پکا مسلمان ہے بلکہ بقول شمس العلماء اسلام کا ٹھیکہ دار۔[1] اب شمس العلماء صاحب ان تمام واقعات پر جو اقوال و کتب علمائے سنیہ سے ماخوذ ہیں نظر فرما کر انصاف

[1] جن مولویوں نے آپ کی کتاب امہات کو دیکھ کر آپ پر کفر کا فتوے لگایا ہے۔ ان کو آپ ٹھیکہ داران اسلام فرمایا کرتے ہیں۔

سے کام لیتے ہوئے ارشاد کریں کہ فدک کے معاملے میں ان کا ابو بکر کے طرز عمل کو سراہنا کہاں تک صحت اور واقعیت کے پہلو رکھتا ہے؟ شمس العلماء صاحب! اگر ایک درد رسیدہ۔ ایک پدر مردہ۔ ایک یتیم ایک بیکس ایک غریب اور نہایت ہی غریب سیدانی کا حق محض ہوائے نفس کی بنا پر محض حیلے حوالوں سے۔ محض اس کو رولانے کے لئے۔ محض اس کو بے بس اور بیکس کر دینے کے لئے چھین لینا قابل مدح ہو سکتا ہے تو پھر ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ کوئی ظلم کوئی ستم۔ کوئی جور۔ کوئی جبر دنیا میں ایسا نہیں ہو سکتا جسے دیکھ کر فلسفۂ اخلاق کی پیشانی پر تنفر اور حقارت کی شکن پڑ جائے۔ جناب شمس العلماء فاضل شمس العلما آپ نے اپنی تحریروں میں یہ ثبوت دینا چاہا ہے کہ آپ کے دل میں کچھ نہ کچھ فاطمہ کی محبت ضرور ہے اور اپنی اسی کتاب امہات الامۃ میں فاطمہ کے قلق اور اندوہ کا اندازہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ خلافت علی کو ملجاتی تو بہتر تھا لیکن ہمیں افسوس ہے کہ معاملہ فدک میں اس پیغمبر زادی کے لئے دو کلمۂ خیر آپ کے قلم سے نہ نکلے اس معصومہ کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا مگر یہ ضرور تھا کہ اس کی روح خوش ہو جاتی فقط اسی کی روح نہیں بلکہ حضرت پیغمبر کی روح آپ کو آفرین کہتی۔ نہایت ہی مبارک ہے وہ انسان جو دنیا میں آکر حق پر کھڑا ہو اس کی زبان سے کلمۂ حق نکلے اور حقانیت کا ہی دم بھرتا ہوا وہ قبر کی آغوش میں جا لیٹے اور پھر وہ دیکھ لے کہ یہ دو گز زمین اس کے لئے بہشت بریں کا ایک قطعہ بن جاتی ہے۔

افسوس اور سخت افسوس ہے کہ آپ جیسے آزاد نگار نے اس معاملے میں انہیں متعصب علما کی تقلید کی۔ جنھوں نے زبان قلم سے حقوق اہلبیت کو مٹانے میں اپنی عمریں گنوا دیں۔ محض چند روزہ دنیا کے لئے محض خلفائے وقت کی خوشامد کے سبب سے۔ محض لالچ۔ حرص و ہوا اور طمع کے اسیر ہو کر۔ انھوں نے اپنے ایمان کو نہایت سستا بیچ ڈالا جس سے ایک کھلا ہوا خسارہ ان کے لئے موجود ہے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ اپنی اس رائے پر نظر ثانی کریں گے اور نہایت جرأت کے ساتھ اعلان کر دیں گے کہ فاطمہ کے ساتھ جو کچھ برتاؤ کیا گیا وہ سراسر ظلم و جور پر مبنی تھا۔

رحلت جناب معصومہ

رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی وفات کے بعد یہ مظالم جو جناب سیدہ پر وارد کئے گئے کوئی ننگ

ہنیں کہ یہ ایک بہت بڑا سبب ہے اس معصومہ کی مدت حیات کو قطع کرنے کا اشقیائے امت سے جناب فاطمہ آزردہ تھیں اور یہاں تک آزردہ ہنیں کہ تا وقت وفات ان لوگوں سے کلام ہنیں کیا اور جب یہ لوگ عذر خواہ ہوئے تو یہی فرمایا کہ میں ہرگز تم سے کلام نہ کروں گی جب تک کہ اپنے پدر بزرگوار سے تمہاری شکایت نہ کرلوں۔

اب فاطمہ کو دن رات گریہ و بکا سے کام تھا۔ رسول کے بعد ان کا اگر کوئی ہم جلیس تھا تو گریہ۔ اہنیں اگر کسی چیز سے تسکین ہوتی تھی تو آنسوؤں سے ہی ہوتی تھی جب خیال آتا تھا یا ابتاہ کہتی تھیں اور بیہوش ہو جاتی تھیں۔ چنانچہ اہل مدینہ نے جناب امیرؑ سے شکایت کی کہ آپ فاطمہؑ سے عرض کیجئے کہ وہ اپنے رونے کے لئے ایک وقت مقرر کرلیں دن کو گریہ کریں تو ہم لوگوں کو رات کو آرام ملے اور رات کو روئیں تو ہمیں دن کو آرام ملے جب جناب امیرؑ نے آپ سے لوگوں کی یہ درخواست بیان کی تو آپ نے فرمایا کہ اب ان لوگوں کو میرا رونا بھی گوارا ہنیں۔ اچھا میرے لئے مدینے سے باہر ایک مکان بنوا دو۔ میں وہاں جاکر رو لیا کروں گی۔ چنانچہ ایک مکان وہاں تعمیر کرا دیا گیا جس کا نام بیت الحزن رکھا گیا۔ آپ حسنین علیہم السلام کو لے کر وہاں جاتی تھیں۔ اور گریہ فرماتی تھیں ؎

صبّت علیّ مصائبٌ لو انّہا ۔۔۔ صبّت علی الایام صرن لیالیا

مجھ پر وہ مصیبتیں پڑی ہیں کہ اگر ایسی مصیبتیں دنوں پر نازل ہوتیں تو شب تاریک ہو جاتے

محمد ابن جریر طبری امامی نے کتاب دلایل الامامۃ میں حضرت صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جب حضرت نے دنیا سے رحلت فرمائی تو دو بزرگ چیزیں امّت کے درمیان چھوڑیں ایک کتاب خدا دوسری عترت یعنی اہلبیت اور وقت وفات فاطمہ سے بیان کیا کہ میرے اہلبیت میں سے جو سب سے پہلے مجھ سے ملحق ہوگا وہ تم ہوگی۔ جناب فاطمہ فرماتی ہیں کہ ایک دن خواب و بیداری کی سی حالت مجھ پر طاری تھی میں نے اپنے پدر بزرگوار کو دیکھا کہ ایک بلند جگہ پر تشریف فرما ہیں اور میری طرف نظر فرما رہے ہیں میں نے جب اپنے شفیق باپ کا جمال باکمال دیکھا تو بے تابانہ اُن کی طرف دوڑی اور فرمایا یا ابتاہ آپ تشریف لے گئے۔ آسمانوں کی خبریں ہم سے منقطع ہوگئیں اُس وقت میں کیا دیکھتی ہوں کہ ملائکہ کے گروہ آسمان سے اُترے اور دو

فرشتے سب آگے آگے تھے ان دو فرشتوں نے مجھے اٹھالیا اور آسمان پر لے گئے جب میں آسمان پر
پہنچی تو بے شمار قصر۔ باغات۔ سرسبز درخت اور بے اندازہ نہریں دیکھیں اور ان مکانات میں
نہایت حسینہ وجمیلہ حوریں متبسم وشادی کناں نظر آئیں اور وہ حوریں آپس میں کہتی تھیں۔ مرحبا اس کو جس کے
پدر بزرگوار کے لئے بہشت بریں اور حور العین خلق ہوئی ہیں۔ پھر ملائکہ مجھے ایک مکان میں لے گئے
جن میں بہت سے قصر تھے اور ہر قصر میں بہت سی منزلیں تھیں کسی آنکھ نے ایسا مکان نہ دیکھا ہوگا
اور ہر منزل میں ایک تخت رکھا تھا اور ہر تخت پر سندس وحریر کے رنگ برنگ کے فرش بچھے ہوئے تھے
اور استبرق و دیبا کے طرح طرح کے طاق مہیا تھے اور نئے نئے کھانوں کے خوان اور شربت
ظروف طلائی ونقرئی میں موجود تھے نہریں دودھ سے زیادہ سفید اور مشک ناب سے زیادہ خوشبو
دیکھیں اسوقت میں نے پوچھا کہ یہ منازل رفیعہ وقصور منیعہ کیسے ہیں اور یہ فرشہائے الوان دگوناگوں
بے پایاں کس کے لئے ہیں فرشتوں نے کہا یہ فردوس اعلیٰ ہے بہشت میں اس سے زیادہ مکان بلند اور
اس سے بہتر کوئی جگہ نہیں ہے یہ مکان تمہارے پدر بزرگوار اور ان کے اہلبیت عالی مقدار کا ہے اور
سب پیغمبروں میں جاہے۔ میں نے پوچھا یہ نہر کیسی ہے فرشتوں نے کہا یہ نہر کوثر ہے کہ جس کا
حق تعالیٰ نے تمہارے پدر بزرگوار سے وعدہ کیا ہے میں نے پوچھا میرے پدر بزرگوار کہاں ہیں فرشتوں
نے کہا ابھی آتے ہیں یہ گفتگو ہو رہی تھی ناگاہ دوسرا قصر مشاہدہ کیا کہ وہ قصرہائے اول سے
زیادہ سفید و نورانی تھا اور تمام سامان آرایش میں ایک نہایت ہی ممتاز حیثیت رکھتا تھا اس قصر
میں میری نظر اپنے پدر بزرگوار پر پڑی کہ ایک تخت پر جلوہ افروز تھے اور ایک جماعت حاضر خدمت
تھی جب آنحضرتؐ نے مجھے دیکھا ہاتھ بڑھایا اور اپنی طرف لے لیا اور گود میں بٹھا کر دونوں آنکھوں کو
پیار کیا اور فرمایا خوش آمدی اے دختر من پھر مجھے اپنے دامن میں بٹھا کر فرمایا اے میری حبیبہ
اے میری نور دیدہ تو نہیں دیکھتی کہ خدا نے تیرے لئے کیسے کیسے قصر اور کیسی کیسی نعمتیں مہیا کی ہیں پھر وہ
قصر باغات اور حلّے مجھے دکھلائے اور فرمایا کہ یہ سب مساکن ومنازل تیرے اور تیرے شوہر اور
تیرے فرزندوں اور تیرے محبوں کے لئے ہیں اے فاطمہؑ شاد رہ اور خوش ہو کہ تو بہت جلد
میرے پاس آئے گی اور جور وجفا کاران امت سے نجات پائے گی۔ جناب فاطمہؑ فرماتی ہیں کہ اس حالت
کے مشاہدہ سے میرا دل شوق لقائے پروردگار کے لئے چند درچند مشتاق ہوا نہایت ہی ہراس

کی حالت میں خواب سے چونک پڑی جناب امیرؑ فرماتے ہیں کہ جب جناب سیدہ خواب سے بیدار ہوئیں مجھے آواز دی جب میں پاس گیا تو انہیں پریشان حال دیکھا اسوقت میں نے پوچھا اے سیدہ عالمیان تمہارا کیا حال ہے۔ جناب فاطمہؑ نے اپنا خواب مجھ سے بیان کیا اور مجھ سے عہد لیا کہ جب میں دنیا سے رحلت کروں تو عورتوں میں سے ام سلمہ۔ ام ایمن اور فضہ اور مردوں میں سے حسن و حسینؑ و عبداللہ بن عباس و سلمان فارسی و عمار یاسر و مقداد و ابوذر کے اور کسی کو خبر نہ کرنا یا علیؑ میں تمہیں اجازت دیتی ہوں کہ بعد وفات تم مجھے غسل دینا اور عورتیں تمہاری مدد کریں اور وقت شب مجھے دفن کرنا اور کسی کو میری قبر کا نشان نہ بتانا پس جب شب وفات فاطمہ ہوئی حالت احتضار میں کہا وعلیکم السلام اور جناب امیرؑ سے فرمایا اے پسر عم اسوقت جبرئیل آئے اور مجھے سلام کیا اور کہا خدا نے تمکو سلام کہا ہے اور فرمایا ہے اے حبیبہ حبیب خدا و میوہ دل انبیا آج تو ملحق بہ ملائے اعلیٰ ہوگی اور جانب جنت الماویٰ مراجعت کرے گی پس جبرئیل یہ رسالت ملک جلیل پہنچا کر آسمان پر چلے گئے بعد ایک ساعت کے پھر جناب سیدہ نے کہا وعلیکم السلام اور فرمایا اے پسر عم بخدا سوگند کہ میکائیل آئے اور مجھے سلام کیا پھر ایک لحظہ کے بعد خوب آنکھیں کھول کر فرمایا اے پسر عم واللہ مرگ ہر زن کے لئے حق ہے اور پہنچے گی یہ عزرائیل آئے ہوئے ہیں اور بازو سوئے مشرق و مغرب کھولے ہوئے ہیں جس سے فضائے زمین و آسمان بھر گئی ہے اور جو اوصاف مجھ سے میرے پدر عالیقدر نے بیان کئے تھے اسی طرح میں دیکھ رہی ہوں پھر کہا وعلیک السلام یا قابض الارواح میری جان بہت جلد اور نہایت آسانی سے قبض کر اور مجھے آزار نہ دینا اور پھر فرمایا الیک ربی لا الی النار اے میرے پروردگار مجھے اپنی رحمت کی طرف لیجا نہ سوئے جہنم یہ کہہ کر آنکھیں بند کرلیں ہاتھ پاؤں جانب قبلہ پھیلا دئے اور طائر روح سوئے روضۂ قدس پرواز کر گیا۔

(جلاء العیون)

کتاب روضۃ الواعظین وغیرہ میں روایت ہے کہ جب جناب فاطمہ کا مرض شدید ہوا اور چالیس روز اسپر گذر گئے تو اسوقت آپ کو معلوم ہو گیا کہ اب زمانہ وفات قریب ہے۔ ام ایمن اور اسماء بنت عمیس سے فرمایا کہ ابوالحسن کو بلا لو جناب امیرؑ تشریف لائے تو فرمایا اے ابن عم مجھے آسمان سے خبر وفات پہنچی ہے اب میں عنقریب رحلت کر جاؤں گی میں تمہیں چند وصیتیں کرتی ہوں جنہیں دل میں رکھنا

(اُن پر غشی طاری ہوتا) حضرتؑ نے فرمایا اے رسولؐ کی پارۂ جگر جو چاہو وصیت کر دو یہ کہہ کر جناب امیرؑ سرہانے بیٹھ گئے اور تخلیہ ہو گیا اسوقت جناب سیّدہؑ نے فرمایا اے پسر عم تم نے کبھی مجھے دروغ گو اور خائن نہ پایا ہوگا جس روز سے ہمارا تمہارا ساتھ ہوا ہے۔ اُسدن سے کبھی میں نے تمہاری مخالفت نہیں کی آپ نے فرمایا معاذ اللہ اے دختر رسولؐ تم سب سے زیادہ خدا کو پہچاننے والی سب سے زیادہ نیکوکار۔ سب سے بڑھ کر پرہیزگار۔ نہایت ہی کریم اور حد درجہ خدا سے ڈرنے والی ہو میں کیونکر تمہیں اپنی مخالفت کا الزام دے سکتا ہوں۔ مجھ پر تمہاری جدائی نہایت شاق ہے۔ لیکن یہ ایک ایسی چیز ہے جس کے بغیر چارہ ہی نہیں۔ قسم خدا کی تم نے رسول اللہؐ کی مصیبت کو میرے لئے تازہ کر دیا۔ تمہاری وفات میرے لئے نہایت ہی عظیم صدمہ ہے میں اس مصیبت پر جو نہایت ہی پُر درد ہے انا للہ وانا الیہ راجعون کہتا ہوں۔ یہ جدائی مجھے کس قدر جلانے والی جدائی ہے آہ! آفت کیسی رنج دہ آفت ہے خدا کی قسم یہ وہ مصیبت ہے جس کے لئے تسکین ہی نہیں اور وہ چیز ہے کہ کوئی چیز اس کا عوض نہیں ہو سکتی اس کے بعد جناب امیرؑ اور حضرت سیدہؑ دونوں رویا کئے اور جناب امیرؑ نے اپنے دامن میں آپ کو لیا اور سینہ سے لگا کر فرمایا کہ جو چاہو وصیت کرو جو ارشاد ہوگا میں اس کی تعمیل کے لئے موجود ہوں اور تمہارے امر کو اپنے اوپر اختیار کروں گا جناب فاطمہؑ نے فرمایا خداوند کریم تمہیں جزائے خیر دے اے ابن عم رسول خدا میری پہلی وصیت یہ ہے کہ میرے بعد امامہ سے عقد کرنا اس لئے کہ مردوں کو عورتوں کے بغیر چارہ نہیں اور امامہ میرے فرزندوں پر میری ہی مانند مہربان ہے۔ پھر میرے لئے جنازہ تیار کرنا کہ میں نے فرشتوں کو دیکھا کہ انھوں نے میرے لئے جنازہ تیار کیا ہے اور پہلا جنازہ جو زمین پر تیار کیا گیا ہے یہی جنازہ ہے پھر میں تمہیں وصیت کرتی ہوں کہ جن لوگوں نے مجھ پر ظلم وستم کئے ہیں اُن میں سے ایک بھی میرے جنازے پر نہ آنے پائے۔ کیونکہ یہ لوگ میرے بھی دشمن ہیں اور رسول خدا کے بھی اور اُن کے کسی ہوا خواہ کو میرے جنازے پر نماز نہ پڑھنے دینا اور رات کو جسوقت تمام لوگ سو جائیں مجھے دفن کر دینا (جلاءالعیون)

کشف الغمہ و دیگر کتب میں مرقوم ہے کہ حضرت سیدہؑ کی رحلت کا وقت آیا تو اسماء بنت عمیس سے وضو کے لئے پانی طلب کیا۔ پانی آیا آپ نے وضو کیا اور بروایت دیگر غسل فرمایا پھر خوشبو منگا کر لگائی۔ نیا لباس تبدیل کیا اور فرمایا اے اسماء جبرئیل وقت وفات پدر بزرگوار چالیس درہم کا فور جنت سے لائے

تھے اور آنحضرت نے اس کے تین حصے کیے تھے ایک حصہ اپنے لیے اور ایک علیؑ کے لیے اور ایک میرے لیے رکھا تھا وہ لے آؤ اور اسی سے مجھے حنوط کیا جائے جب کافور لے آئے تو فرمایا میرے سرہانے رکھدو پھر پاؤں قبلہ کی جانب دراز کردیے اور کپڑا اوڑھ کر آرام کیا اور مجھ سے فرمایا اے اسماء ایک ساعت صبر کر بعد اس کے مجھے آواز دینا اگر میں جواب نہ دوں علیؑ کو بلا لانا اور جان لینا کہ میں اپنے پدر بزرگوار سے ملحق ہوگئی اسماء نے ایک ساعت انتظار کرکے آپ کو پکارا کچھ جواب نہ ملا پھر اسماء نے کہا اے رسول خدا کی دختر۔ اے بہترین فرزندان آدم کی لخت جگر اے اس شخص کی بیٹی جو روئے زمین پر سب چلنے والوں سے بہتر ہے اے اس بزرگ کی دختر جو شب معراج بمرتبہ قاب قوسین او ادنیٰ فائز ہوا جب کچھ جواب نہ ملا تو روئے اقدس سے کپڑا اٹھایا اور دیکھا کہ روح اقدس سوئے باغ جنان پرواز کر چکی ہے۔ اسماء اس اندوہناک حالت کو دیکھ کر منہ کے بل گر پڑیں اور چہرہ نورانی کے بار بار بوسے لیتی تھیں اور کہتی تھیں جب رسول خدا کی خدمت میں پہنچنا تو اسماء کا سلام پہنچانا ناگاہ حسنین علیہم السلام تشریف لائے اور فرمایا اے اسماء والدہ گرامی اس وقت کیوں آرام فرما رہی ہیں اسماء نے عرض کی اے صاحبزادو آرام نہیں فرماتیں۔ بلکہ اس دنیا سے سوئے باغ جنان نہضت فرما ہوئی ہیں اسماء کے منہ سے یہ خبر سنکر امام حسن علیہ السلام مرغ بسمل کی طرح تڑپ گئے اور اپنی مادر گرامی کے رخ اطہر کو چوم چوم کر کہنے لگے اے اماں اے والدہ قبل اس کے کہ ہماری روح بدن سے مفارقت کر جائے ہم سے بات تو کر لو جناب امام حسین علیہ السلام اپنی والدہ کے پاؤں سے لپٹے ہوئے تھے اور فرماتے تھے اے مادر بزرگوار میں حسینؑ آپ کا جگر بند ہوں اس سے پہلے کہ میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو اور میں اس دنیا سے گذر جاؤں مجھ سے بات تو کیجیے اس وقت اسماء نے کہا اے رسول اللہ کے جگر گوشو جاؤ اور اپنے پدر بزرگوار کو اس سانحہ عظمیٰ کی خبر کرو۔ حسنین علیہم السلام باہر گئے اور قریب مسجد پہنچے تو بآواز بلند فریاد کرنے لگے۔ لوگ مسجد سے دوڑے اور کہا آپ کے رونے کا سبب کیا ہے اے فرزندان رسول خدا خداوند عالم آپ کی آنکھوں کو گریاں نہ کرے اپنے جد بزرگوار کی جگہ خالی دیکھ کر ان کے شوق ملاقات میں آنسو بہا رہے ہو اس وقت حسنین علیہما السلام نے فرمایا کہ والدہ نے رحلت فرمائی جناب امیرؑ نے جب یہ خبر وحشت اثر سنی تو شدت اندوہ و ملال سے زمین پر گر پڑے اور فرماتے تھے آہ! تمہارے بعد اب میں اپنے دل کو کس طرح تسلی دوں اے بنت رسول خدا سرور کائنات کی مصیبت میں

مجھے تم سے تسکین ہوتی تھی اب تم نے بھی جدائی اختیار کی اب دل کو چین اور قرار کیونکر آئے گا اسی وقت چند شعر اس مصیبت کے بارے میں انشا فرمائے جنہیں سن سن کر در و دیوار سے رونے کی صدا آنے لگی جب یہ خبر مدینہ میں پھیلی تو تمام مرد و عورت آنسو بہانے لگے آہ و بکا کی آواز ہر مدینہ کے مکانات سے بلند ہوئیں اور سب لوگ خانہ رسول خدا کی طرف مضطربانہ روانہ ہوئے زنان بنی ہاشم خانہ جناب سیدہ میں جمع تھیں اور دل ہلا دینے والے نالہ و شیون کی صداؤں سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ مدینہ میں زلزلہ آیا ہوا ہے سب فریاد کرتے تھے اے سیدہ اے خاتون زنان۔ اے دختر پیغمبر آخر الزمان لوگ گروہ در گروہ تعزیت اور ماتم پرسی کے لئے چلے آ رہے تھے حسنین علیہم السلام حضرت کے سامنے بیٹھے رو رہے تھے اور انہیں روتے دیکھ کر دیکھنے والوں کا کلیجہ پاش پاش ہوا جاتا تھا اور ام کلثوم قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر آئیں اور فریاد کی یا ابتاہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم آج آپ کی جدائی کی مصیبت تازہ ہو گئی گویا آج ہی آپ نے دنیا سے کوچ کیا ہے اور اپنی پیاری دختر فاطمہ زہرا کو بھی ساتھ لے گئے ہیں لوگ باہر جمع تھے برابر نوحہ و گریہ کرتے تھے اور منتظر تھے کہ جنازہ باہر آئے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ نے آکر اطلاع دی کہ جنازہ باہر لانے میں ابھی تاخیر ہے۔ لوگ یہ سنکر متفرق ہو گئے جب پہر رات آئی اور لوگ سو گئے اس وقت جنازہ باہر لایا گیا اور جناب امیرؑ و حسنینؑ و عمارؓ و مقداد و ابوذرؓ و عقیلؓ و زبیرؓ و سلمانؓ و بریدہ اور ایک گروہ بنی ہاشم اور خواص آنحضرت نے نماز جنازہ ادا کی اور اسی رات دفن کر دیا اور حضرت امیرؑ نے جناب سیدہ کی قبر کے گرد سات قبریں اور بنائیں تاکہ قبر مطہر معلوم نہ ہو سکے اور بروایت دیگر چالیس قبروں پر پانی چھڑکا تاکہ قبر جناب سیدہ مشتبہ ہو جائے اور بروایت دیگر قبر جناب فاطمہؑ کو زمین کے برابر کر دیا تاکہ نشان قبر نہ معلوم ہو اس لئے کہ اشقیائے امت تربت مطہرہ کو نہ جان سکیں اور قبر پر جاکر نماز نہ پڑھ سکیں اور خیال نبش قبر دل میں نہ لائیں۔ اسی وجہ سے موضع قبر جناب سیدہ میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ بقیع میں نزدیک قبور ائمہ ہے بعض کہتے ہیں کہ درمیان قبر رسول خدا و منبر آنحضرت جناب سیدہ مدفون ہیں اس لئے کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے۔ کہ میری قبر اور منبر کے بیچ میں ایک باغ ہے باغہائے بہشت سے اور میرا منبر دروازہ ہائے بہشت کے ایک دروازے پر ہے اور صحیح سب سے زیادہ یہ ہے کہ جناب سیدہؑ کو گھر ہی میں دفن کیا اسی پر اکثر روایات صحیحہ دلالت کرتی ہیں۔

شیخ طوسی علیہ الرحمہ نے بسند معتبر امام محمد باقرؑ روایت کی ہے کہ جب مرض جناب سیدہ شدید ہوا تو عباس
عم رسول اللہ عیادت کے لئے آئے جن سے کہا گیا کہ مرض جناب سیدہ نہایت شدید ہے دیکھنا ممکن
نہیں۔ آپ واپس چلے گئے اور حضرت امیرؑ کو یہ پیغام بھیجا کہ غم بیماری فاطمہ حبیبہ دل و نور دیدہ محمدؐ
اور میری آنکھوں کی روشنی نے مجھے دل شکستہ کر دیا ہے اور گمان یہ ہے کہ وہ مجھ سے پہلے اپنے
پدر عالیمقدار رسول اللہ سے ملحق ہونگی اور آنحضرت انہیں بہترین منازل بہشت اور درجات آخرت
عطا کریں گے اور مقرب بارگاہ الٰہی فرمائیں گے اور عطاہائے بزرگ بخشیں گے جب یہ وقت ناگزیر آئے
میں تیز فدا مہاجرین و انصار کو جمع کرنا تاکہ سب جنازے پر حاضر ہوں اور نماز کا ثواب حاصل کریں
یہ امر دین کی زینت ہے جناب امیرؑ نے جواب میں پیغام بر سے کہا کہ میرے چچا سے سلام کے بعد کہنا
کہ اے چچا آپ نے ہرگز شفقت اور محبت کو ہم سے عزیز نہیں رکھا آپ کے خیر خواہانہ کلام کو ہم نے سنا
اور آپ کی فضیلت معلوم ہوئی یہ ایک ظاہر امر ہے اس میں کسی طرح کا شک نہیں کہ دختر رسول اللہ
نے مظلومیت کی حالت میں زندگی بسر کی۔ انہیں ان کے حق میں منع کیا گیا انہیں میراث میں بھی حصہ
نہ دیا گیا اور ستمگاران فاطمہ سے انتقام لینے اور ان کے درمیان حکم کرنے کے لئے خداوند تعالیٰ
کافی ہے اے چچا اے عم بزرگوار میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے اپنی نصیحت سے معاف فرمائیے
اور بخشدیجئے اس لئے کہ جناب فاطمہ نے مجھ سے وصیت کی کہ انہیں پنہاں دفن کر دوں اور لوگوں کو جنازے
پر نہ آنے دوں جب یہ پیغام جناب عباسؓ کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ خداوند میرے بھتیجے کو
بخشدے کہ انہی مجھے بخشدیا اور انکی رائے پر طعن نہیں کیا جا سکتا کیونکہ فرزندان عبدالمطلب میں کوئی فرزند سوائے
رسول اللہ کے علیؑ سے زیادہ مبارک پیدا نہیں ہوا بیشک علیؑ ہر مکرمت میں سب سے زیادہ سابق ہیں اور ہر فضیلت میں عالم
ترین مردم ہیں اور وقت شدت شجاع ترین مردم اور وقت جنگ دشمنان دین پر سب سے زیادہ سخت اور شدید ہیں اور سب سے اول ان
میں ہیں جو خدا و رسول خدا پر ایمان لائے جناب امیرؑ سیدہ کو سپرد خاک کر چکے تو حزن و اندوہ نے غلبہ کیا اور بے اختیار
آنسو آنکھوں سے ٹپک پڑے اسوقت آپ نے قبر رسول کی طرف منہ کر کے فرمایا السلام علیک یا رسول اللہ
آج آپ کی بیٹی آپ کی پیاری آپ کی آنکھوں کی روشنی اور آپ کی زیارت کرنے والی کی طرف سے جو
آپ کی زیارت کو آتی تھیں اور جو آج درمیان خاک آرام کر رہی ہے آپ پر سلام ہو یا رسول اللہ
آپ کے لخت جگر کے انتقال سے میرا صبر کم ہو گیا۔ بہترین زنان عالمیان کی مفارقت نے مجھے ضعیف

کردیا لیکن جب آپ کی جدائی پر صبر کیا ہے اس مصیبت میں بھی صبر کرنے کی گنجائش ہے بے شک میں نے اپنے ہاتھوں سے آپ کو لحد میں اُتارا آپ کی مقدس روح میری گود میں نکلی میں نے اپنے ہاتھ سے آپ کی آنکھیں بند کیں میں آپ کے امور (تجہیز و تکفین) کا متکفل ہوا اور خدا کی کتاب میں ہے کہ (انسان مصیبت پر) رضامند ہو اور انا للّٰہ و انا الیہ راجعون پڑھے آپ نے اپنی امانت واپس لے لی اُسے میری سپردگی سے نکال لیا۔ زہراؑ کو مجھ سے چھڑا لیا سبز آسمان اور گرد آلود زمین میری نظر میں کس قدر بُری جچ رہی ہے۔ یا رسول اللہ یہ اندوہ ہمیشہ رہنے والا ہے اب راتیں آنکھوں میں کٹیں گی یہ قلق دل سے نہیں جائے گا جب تک کہ خداوند عالم میرے لئے وہی گھر نہ اختیار فرمائے جہاں آپ آرام کرتے ہیں میرے دل کا زخم پکا ہوا پھوڑا ہے اور میرے سینے میں بھرا ہوا غم مجھے میری جگہ سے ہٹا دینے والا افسوس کس قدر جلد ہم میں تفرقہ پڑ گیا میں خداوند تعالےٰ سے اپنے حال کی شکایت کرتا ہوں اور آپ کو آپ کی پیاری دختر بہت جلد خبر دے گی کہ آپ کے بعد آپ کی اُمت نے میرے حق کو چھیننے اور مجھ پر ظلم کرنے میں کس طرح ایک دوسرے کی مدد کی ہے اپنی بیٹی کا حال پوچھئے اُن کے سینے میں کس قدر زخم میں جن کا کسی سے اظہار نہیں کر سکیں وہ بہت جلد آپ سے بیان کریں گی خدا اُن کے لئے حکم فرمائیگا کہ وہ احکم الحاکمین ہے (نہج البلاغۃ و جلاء العیون)

صاحب جلاء العیون نے ایک طویل عبارت درج فرمائی ہے جس کا کچھ حصہ بمناسبت مقام بیان کیا جاتا ہے کہ جب حسب وصیت جناب امیر المومنین حضرت سیدہ کو بوقت شب دفن کر چکے تو صبح کو جناب شیخین عیادت فاطمہ کے لئے چلے راہ میں ایک قریشی سے دو چار ہوئے پوچھا کہاں سے آتے ہو اُس نے جواب دیا تعزیت فاطمہ کے لئے گیا تھا وہ [illegible] ہوئے کیا فاطمہ نے انتقال کیا اس مرد قریش نے کہا کہ ہاں اُنھوں نے رحلت فرمائی اور رات کو ہی اُنہیں دفن بھی کر دیا گیا یہ جزع فزع کرتے ہوئے جناب امیرؑ کے پاس پہنچے اور گویا ہوئے کہ کوئی برائی تم نے ہمارے لئے اُٹھا نہیں رکھی کوئی مکر و حیلہ ایسا نہیں کہ ہمارے لئے نہ برتا گیا ہو اور یہ سب باتیں اسی وجہ سے ہیں کہ تمہارے دل میں ہماری طرف سے بغض و کینہ بھرا ہوا ہے یہ وہی بات ہوئی کہ رسول خدا کو غسل دیا اور ہمیں خبر نہ کی (کیا خوب اُلٹا چور کوتوال کو ڈانڈے) اسی طرح اپنے بیٹے کو سکھایا اُس نے مسجد میں آکر ابوبکر سے کہا کہ میرے باپ کے منبر سے نیچے اُتر آ (تو کیا جھوٹ کہا تھا) جناب امیرؑ نے فرمایا اگر میں قسم کھا کر

بیان کروں تو بھی تمہیں یقین آئے گا جواب دیا کہ ہاں جناب امیر ان کو مسجد میں لائے اور قسم کھائی کہ رسول اللہ نے مجھے وصیت کی تھی کہ اور کسی کو وقت غسل[1] آنے کی اجازت نہ دوں اور اُن کے بدن پر میرے سوا اور کسی کی نظر نہ پڑے۔ میں حضرت کو غسل دیتا تھا اور ملائکہ جسم اقدس کو ایک طرف سے دوسری طرف کو پلٹتے تھے فضل ابن عباسؓ پانی ڈالتے تھے اور اُنکی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی جب میں چاہا کہ حضرتؐ کا پیراہن اُتاروں ناگاہ کسی نے ایک گوشہ مکان سے آواز دی اور صورت نظر نہ آئی اُسنے کہا کہ نبیؐ کا پیراہن مت اُتارو یہ آواز مکرر سنی پس میں نے پیراہن نہ اُتارا اور تمام زیر پیراہن کرکے غسل دیا پھر کفن میرے پاس لائے میں نے حضرت کو کفن پہنایا اور کفن پہنانے کے بعد حضرتؐ کا پیراہن اُتارا۔ لیکن میرے فرزند حسن کی نسبت جو تم نے کہا ہے سو تم اور تمام اہل مدینہ واقف ہو کہ وہ اثنائے نماز میں آتا صفوں میں سے گذرتا ہوا چلا جاتا تھا یہاں تک کہ آنحضرت کے قریب پہنچتا تھا اور آپ اُسوقت سجدہ میں ہوتے تھے۔ حسن آن کی پشت اقدس پر سوار ہو جاتا تھا اور جب رسول خدا سجدہ سے سر اُٹھاتے تھے ایک ہاتھ حضرت کا حسن کی پشت پر اور دوسرا ہاتھ اُس کے پاؤں پر ہوتا تھا اور اسی طرح اسکو تھامے رکھتے یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہوتے انھوں نے اقرار کیا کہ ہاں یہ باتیں ہمیں معلوم ہیں پھر حضرت نے فرمایا کہ تم اور تمام اہل مدینہ جانتے ہو کہ جب کبھی حسن مسجد میں آتا تھا اور حضرت خطبہ میں مصروف ہوتے تھے تو آپ حسن کو اپنی گردن پر سوار کرکے اُس کے پاؤں کو سینے سے لگاتے تھے یہاں تک کہ خطبہ تمام ہوتا اور حاضرین حسنؑ کے خلخال کی چمک تمہائے مسجد سے دیکھتے تھے جبکہ ایسی ایسی محبتیں حسن نے اپنے پدر بزرگوار کی دیکھی تھیں اور اب اُن کے منبر پر اس نے ایک شخص کو بیٹھے ہوئے دیکھا تو اسے بُرا معلوم ہوا اور وہ بات اس نے کہی لیکن بخدا قسم میں نے حسنؑ کو نہیں سکھایا اور اُسکا کلام میرے حکم سے نہ تھا اب رہا فاطمہ کا معاملہ تم جانتے ہو کہ میں نے اُن سے تمہارے لئے اجازت لی تم اُن کے پاس آئے اُن کے سلام سے آگاہ ہوئے اور اُن کا خشم جو کچھ تمہاری نسبت تھا اسے بھی تم نے دیکھ لیا تھا خدا کی قسم مرتے مرتے جناب سیدہ نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ تمہیں ان کے جنازے پر نہ آنے دوں اور نماز جنازہ سے تمکو مطلع نہ کروں اور مجھ سے اصرار کیا تھا کہ اُن کی وصیت کے خلاف کوئی امر ظہور میں نہ آئے عمر بولے یہ باتیں بیکار ہیں میں اب قبرستان میں جا کر قبر کھود کر ان پر نماز پڑھوں گا۔ جناب امیرؑ نے فرمایا کہ اگر تو اس امر کا ارادہ کریگا تو قبل اس کے کہ تجھ سے یہ فعل ظہور میں آئے میں تیرا سر اُڑا دوں گا۔ جانبین میں ردّ و بدل ہوئی

[1] اس کی وجہ یہ ہے کہ معصوم کو معصوم ہی غسل دیتا ہے ۱۲

اور قریب تھا کہ ایک دوسرے پر حملہ کریں۔ مہاجرین و انصار جمع ہو گئے جنھوں نے بالاتفاق کہا کہ ہم ان
رسولِ خدا کی بعنت یہ لفظ ہرگز نہیں سن سکتے عمر نے جب دیکھا کہ بات بڑھ چلی اور فتنہ برپا ہوا چاہتا
ہے تو خاموش ہو کر چلا گیا۔

دادخواہی فاطمہؑ بروزِ محشر

اس سے ہرگز انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جناب فاطمہ نہایت درجہ کے ظلم برداشت کر کے اس دنیا سے رخصت
ہوئیں ہیں یہ واقعات ایسے واقعات ہیں جنہیں نہ کوئی چھپانے والا چھپا سکتا ہے نہ مٹانے والا مٹانے
میں کامیاب ہو سکتا ہے، اور اب تو کیا یہ کوشش اس وقت سرسبز ہوئی جبکہ حکومت کی طرف سے ایک خاص محکمہ
اس کام کے لئے مقرر کیا گیا تھا جس کا فرض تھا کہ وہ ذکر اہلبیت کسی زبان پر نہ کرنے دے اور فضائل و مدائح
شیخین میں احادیث مصنوعی کے انبار کے انبار لگا دے۔ مگر حق کبھی نہ کبھی اپنا جلوہ ضرور دکھاتا
ہے اور صداقت کبھی نہ کبھی اپنا اثر پھیلا کر رہتی ہے خیر غرض جب فاطمہ پر اسقدر مظالم روا رکھے گئے
ہیں جو مرتے مرتے بھی اس معصومہ کو نہیں بھولے تو لازمی بات ہے کہ خداوند عالم کے دربار میں ان کی ویسی
ہی عزت افزائی کی جائے جیسے ایک سچے مظلوم کی کی جا سکتی ہے انہیں انکا حق دلایا جائے اور انہیں ان
کے دشمنوں پر فتح و نصرت دی جائے جو عدل خداوندی کا مقتضیٰ ہے ہم اس مادے میں کئی حدیثیں
باب فضائل میں لکھ بھی آئے ہیں اور اس مقام پر چند احادیث کتاب جلاء العیون سے اخذ کر کے لکھتے ہیں
جو دادخواہی جناب معصومہ کے متعلق ہیں اور اس سے حضرت کے فضائل پر بھی مزید روشنی پڑتی ہے۔
فرات ابن ابراہیم اپنی تفسیر میں جناب امیر سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت پیغمبر خانہ جناب فاطمۃ الزہرا
میں تشریف لائے اور اپنی پیاری بیٹی کو دیکھا کہ کچھ اداس اور غمگین بیٹھی ہے آپ نے سبب اندوہ و ملال
دریافت کیا جس کے جواب میں عرض کیا گیا یا رسول اللہ مجھے روز محشر کا خیال آتا ہے اور وہاں جو سب
اہل محشر برہنہ کھڑے ہونگے اس کے تصور سے بدن کانپ رہا ہے۔ رسول خدا نے فرمایا اے لخت جگر
وہ دن ایک عظیم الشان دن ہے لیکن جبرئیل نے از جانب رب جلیل مجھے خبر دی ہے کہ سب سے پہلے جس کے
لئے زمین شگافتہ ہوگی اور وہ قبر سے باہر آئے گا وہ میں ہوں اور میرے بعد ابراہیم خلیل اللہ ان کے بعد تیرا
شوہر علی ابن ابی طالب پھر حقتعالیٰ تمہاری قبر پر جبرئیل کو بھیجیگا اس شان سے کہ ستر ہزار ملائکہ ان

کے ساتھ ہونگے اور تمہاری قبر پر نور کے سات قبے نصب کئے جائیں گے اور اسرافیل تین حلّے نور کے تمہارے لئے لائیں گے۔ تمہارے سرہانے کھڑے ہو کر تمہیں زندہ کریں گے اور آواز دیں گے اے فاطمہ اے دختر محمد قبر کے باہر آؤ اور جانب محشر چلو تم قبر سے باہر کپڑے پہنے ہوئے آؤ گی اور اس دن کے خوف و ہراس کا اثر بالکل تمہارے دل میں نہ ہوگا۔ اسرافیل تمہیں وہ حلّے دیں گے تم انہیں زیب تن کرو گی پھر ایک فرشتہ جسے ذوقائیل کہتے ہیں ایک ناقہ نورانی تمہارے لئے لائیگا جس کی مہار مروارید تر کی ہوگی اور طلائے خاص کا محافہ اس کی پشت پر بندھا ہوگا۔ تم اسپر سوار ہوگی ذوقائیل مہار ناقہ تھامے ہوئے رواں ہوگا اور ستر ہزار فرشتے علمہائے تسبیح ہاتھ میں لئے ہوئے جلو میں ہونگے جب تم روانہ ہوگی تو ستر ہزار حوریں تمہارا استقبال کریں گی۔ تمہیں دیکھ کے خوش ہونگی ان حوروں میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک نورانی انگیٹھی ہوگی اور ان انگیٹھیوں میں سے عود کی خوشبو آگ کے بغیر آئے گی ان حوروں کے سروں پر زبرجد سبز اور طرح طرح کے جواہرات سے مرصع تاج ہونگے یہ حوریں تمہارے داہنی طرف روانہ ہونگی جب تھوڑی دور چلو گی تو مریم بنت عمران ستر ہزار حوروں کے ساتھ تمہاری پیشوائی کرینگی اور یہ حوریں تمہاری جانب چپ چلینگی اس کے بعد تمہاری والدہ خدیجہ دختر خویلد تشریف لائیں گی اور وہ ان عورتوں میں سب سے اول ہیں جو خدا و رسول پر ایمان لائی ہیں اُن کے ہمراہ ستر ہزار فرشتے علمہائے تکبیر ہاتھ میں لئے ہوئے ہونگے جب میدان محشر قریب آئیگا تو حوا مع ستر ہزار حور یہ دا آسیہ بنت فرعون کے تمہارا استقبال کریں گی یہ سب تمہارے ہمراہ ہونگی۔ جب میدان محشر میں پہنچو گی تو عرش کے نیچے ایک منادی ندا کرے گا "اے اہل محشر اپنی آنکھوں کو بند کر لو کہ فاطمہ صدیقہ دختر محمد اور وہ خواتین جو اُن کے ساتھ ہیں گذر جائیں یہ آواز سب کے گوش زد ہوگی اور سوائے تمہارے باپ اور ابراہیم اور تمہارے شوہر علی ابن ابیطالب کے اسدن کوئی تمہاری طرف نظر نہ کرے گا پس جناب آدم حوا کو بلائیں گے وہ تمہاری والدہ خدیجہ کے ہمراہ تمہارے سامنے آئیں گی اسوقت تمہارے لئے ایک منبر نور نصب کیا جائے گا جس کے ستر پائے ہونگے اور ہر ایک پائے کے درمیان میں دوسرے پائے تک ملائکہ صف بستہ کھڑے ہونگے اُنکے ہاتھ میں نور کے علم ہونگے۔ حوریں منبر کے داہنی بائیں صف بستہ ہونگی اور سب عورتوں سے قریب تر تمہارے بائیں طرف حوا اور آسیہ ہونگی پھر اے فاطمہ جب تم منبر پر جاؤ گی تو حق تعالی کی طرف سے جبرئیل تمہارے پاس آکر کہیں گے اے فاطمہ جو چاہو طلب کرو تم خواہش کرو گی

کہ بارالٰہا مجھے حسنؑ و حسینؑ کو دکھا دے دونو فرزند تمہارے پاس آئیں گے حسینؑ کی گردن سے خون رواں ہوگا اور وہ فریاد کرے گا پروردگارا آج کے دن ان ظالموں سے میرا حق لے جنہوں نے مجھپر ظلم و ستم کیا ہے اسوقت دریائے قہر جوش زن ہوگا اور غضب الٰہی سے ملائکہ اور جہنم بھی خروش کریں گے جہنم ایک نعرہ مارے گا اس کے شعلے باہر نکلیں گے جنکی لپٹ صحرائے محشر تک آئے گی اور قاتلان حسین مظلوم کو اٹھا لیجائے گی اور قاتلان حسینؑ کی اولاد کو بھی آتش جہنم کھینچے گی اسوقت ان ظالموں کی اولاد کہے گی خداوند عالم ہم تو قتل حسینؑ میں موجود ہی نہ تھے حق تعالیٰ شعلہ جہنم کو حکم دے گا کہ انہیں پکڑ لے کہ ان کی کبودی چشم اور روسیاہی اسبات کی علامت ہے ان کے موئے پیشانی پکڑ کر منہ کے بل کھینچے ہوئے جہنم کے اسفل ترین طبقے میں ڈالدو یہ لوگ دوستان حسینؑ پر اپنے بزرگوں سے بھی زیادہ سخت تھے جنہوں نے حسین سے محاربہ کرکے انہے شہید کیا پھر جبرئیل کہیں گے اے فاطمہؑ اپنی حاجت طلب کرو اسوقت اے فاطمہ تم کہو گی کہ خداوندا میں اپنے شیعوں کو چاہتی ہوں حق تعالےٰ فرمائے گا کہ میں نے شیعوں کے جرائم عفو کر دیئے۔ پھر تم عرض کرو گی کہ خداوندا میں اپنے فرزندوں (ائمہؑ) کے شیعوں کو چاہتی ہوں حقتعالےٰ ارشاد فرمائے گا کہ ان کو بھی ہم نے بخشدیا پھر تم کہو گی پروردگارا میں اپنے شیعوں اور اُن کے دوستوں کو چاہتی ہوں خداوند عالم ارشاد کرے گا کہ اے فاطمہؑ جاؤ اور جو شخص تمہارا دامن پکڑے اُسے بہشت میں داخل کرو اسوقت تمام خلائق تمنا کرے گی کہ کاش ہم شیعیان فاطمہؑ کے دوست ہی ہوتے اور پھر تم اپنے شیعوں اور اُن کے فرزندوں اور شیعیان امیر المومنینؑ کو ہمراہ لیکر بہشت میں جاؤ گی اور وہ ایسا وقت ہوگا جبکہ شیعوں کا خوف اطمینان سے بدل جائے گا وہ برہنہ ہوں گے۔ قیامت کی سختیاں اُن پر نہایت آسان ہونگی۔ قیامت کے ہولناک میدانوں سے باآسانی گذر جائیں گے اور لوگ ہراساں ہوں گے یہ بے ہراس مطمئن۔ اور لوگ پیاسے ہونگے یہ سیراب پھر جب تم دروازہ بہشت پر پہنچو گی بارہ ہزار حوریں تمہارا استقبال کریں گی کہ تم سے پہلے انھوں نے کسی کا استقبال نہیں کیا اور نہ تمہارے بعد کسی کی پیشوائی کریں گی وہ نورانی ناقوں پر سوار ہونگی اور پرچم ہائے نور اُن کے ہاتھوں میں ہونگے ان ناقوں کے کجاوے طلائے خالص اور یاقوت سرخ کے ہونگے۔ مہاریں مروارید تر کی اور زرکا میں زبرجد کی ہونگی اور ہر محمل میں ایک تکیہ بہشتی سندس کا رکھا ہوگا جب تم بہشت میں جاؤ گی تو سب اہل بہشت شادو خرم ہونگے ایک دوسرے کو خوشخبری سنائیں گے اور تمہارے شیعوں کے لئے رنگ رنگ جواہر کے خوان بھیجے

نور پر نصب کریں گے تمہارے شیعہ ان خوانوں میں سے کھانا کھائیں گے جبکہ اور لوگ حساب وکتاب میں مشغول ہونگے اور تمہارے شیعہ ہمیشہ ہمیشہ نعیم بہشت سے بہرہ یاب رہیں گے جب سب کے سب دوستان خدا بہشت میں پہنچیں گے تو جمیع پیغمبر آدم سے لیکر خاتم پیغمبران تک تمہاری زیارت کو آئیں گے اور بہشت میں دو موتی ہیں جو ایک پتے سے برآمد ہوئے ہیں ایک ان میں سے سفید ہے دوسرا زرد ہر ایک میں ستر ہزار قصر ہیں اور ہر قصر میں ستر ہزار گھر ہیں وہ قصرہائے سفید ہمارے اور ہمارے شیعوں کے واسطے ہیں اور قصر ہائے زرد منازل ابراہیم وآل ابراہیم - جناب فاطمہ نے عرض کی یا رسول اللہ میں نہیں چاہتی کہ آپ کو مرتے ہوئے دیکھوں اور آپ کے بعد زندہ رہوں حضرت نے فرمایا اے نور نظر مجھے جبرئیل نے خبر دی ہے کہ میرے اہلبیت میں سے جو پہلے مجھ سے ملحق ہوگا وہ اے فاطمہ تم ہوگی وائے ہو اس شخص پر جو تم پر ظلم کرے اور بے شک تمہارے ناصر و مددگار کے لئے رستگاری عظیم ہے۔

بسند معتبر حضرت رسولخدا سے روایت ہے کہ روز قیامت جب فاطمہ مع جماعت نسوان عرصہ محشر میں آئیں گی تو فاطمہ سے کہا جائے گا کہ داخل بہشت ہو وہ کہیں گی میں بہشت میں قدم نہ رکھوں گی جب تک یہ نہ سمجھ لوں کہ میری اولاد سے میرے بعد کیا سلوک کیا گیا - ندا آئے گی کہ درمیان قیامت نظر کرو جب نظر کریں گی تو حسین کو دیکھیں گی کہ بے سر کھڑا ہے یہ دیکھ کر وہ فریاد کریں گی اور میں بھی فریاد کروں گا اور تمام ملائکہ میں ایک غلغلہ برپا ہوگا اس وقت حق تعالےٰ کے قہر غضب کو جنبش ہوگی اور وہ آگ جسکا نام ہبہب ہے جسے ہزار سال سے روشن کر رکھا ہے اور وہ سیاہ ہو گئی ہے جس میں ہوا کا گذر مطلق نہیں ہے اور کوئی غم اس سے باہر نہیں جاتا - خداوند عالم اس آگ کو حکم دے گا کہ قاتلان حسین اور حاملان قرآن کو چن لے جنھوں نے اہلبیت سے ہاتھ اٹھایا اور قرآن کو وسیلہ ظلم وعدوان گردانا وہ آگ ان اشقیا کو گھیرے گی جب وہ روسیاہ اس آگ میں جائیں گے تو وہ آگ فریاد کرے گی اور وہ بدبخت بھی چلائیں گے - آگ بھی خروش کرے گی وہ بھی خروش کریں گے آگ بھڑکے گی وہ ملاعنہ نعرے ماریں گے اور بزبان فصیح عرض کریں گے ہم پر بت پرستوں سے پہلے آگ کو کیوں مسلط کیا خداوند عالم فرمائے گا کہ وہ شخص جو دانستہ امور بد کا مرتکب ہوا ہے اس کی مثل نہیں جو نادانی ارتکاب کرے!

ان روایتوں میں جو قاتلان حسین کا ذکر آیا ہے اس سے یہ ہی نہ سمجھنا چاہئے کہ شمر و یزید و ابن زیاد

وغیرہ ہی قاتلان حسینؑ میں شامل ہیں بلکہ ان سب کی گردنوں پر خون حسینؑ کا مظلمہ ہے جنھوں نے اول قتل اہلبیت کی ابتدا دی۔ یکسر یا بدھی عبداللہ ابن عمر نے یزید کو نامہ لکھا جس میں طعن کیا تھا کہ ابن سبط رسول کو قتل کیا ہے۔ یزید نے اس کے جواب میں لکھا ہے کہ تم عجب احمق ہو یہ تو سب کچھ کیا دھرا تمہارے والد بزرگوار کا ہے ہم اسی مسند پر بیٹھے ہیں جو تمہارے والد نے بچھائی تھی ہم نے تمہارے باپ کو مشن کو پورا کر دیا تو کیا گناہ کیا اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر بعد رحمت رسول یہ لوگ اہلبیت کی تحقیر پر آمادہ نہ ہوتے۔ خلافت کو اس کے مرکز اصلی پر رہنے دیتے تو معاویہ ویزید جیسے لوگوں کی نوبت کیوں آتی۔

چہ خوش گفت ہست شیخے ایں لطیفہ ۔۔۔ کہ کشتہ شد حسینؑ اندر سقیفہ

جناب ام کلثوم الکبریٰ

جناب فاطمہ نے جو اپنی یادگاریں چھوڑیں ان میں سے اولاد ذکور میں امام حسنؑ و امام حسینؑ علیہما السلام اور اولاد اناث میں حضرت زینب الکبریٰ اور جناب ام کلثوم الکبریٰ سلام اللہ علیہما تھیں۔ انہیں آخر الذکر معظمہ کی نسبت علمائے اہل سنت نے یہ بہتان تراشا ہے کہ ان کا نکاح عمر صاحب سے ہوا اور انہیں کور عقلوں کی پیروی کرتے ہوئے شمس العلماء صاحب بھی فرماتے ہیں کہ بڑی صاحبزادی ام کلثوم کا پہلا عقد حضرت عمر ابن الخطاب سے ہوا ان سے ایک صاحبزادے اور ایک صاحبزادی رقیہ پیدا ہوئی۔ حضرت عمر کے انتقال کے بعد بی بی ام کلثوم کا دوسرا عقد عون ابن جعفر سے ہوا اور ان کے بعد تیسرا عقد محمد ابن جعفر سے ہوا۔

ان واقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے جو عمر صاحب کے ہاتھ سے فاطمہ علیہا السلام پر ہوئے اگر اس نکاح کو دیکھا جائے تو یقیناً ایک حیرت انگیز تعجب لاحق ہو جاتا ہے فاطمہ علیہا السلام کی یہ کیفیت کہ جب تک زندہ رہیں ان لوگوں سے گفتگو کی بھی روادار نہ ہوئیں جب انھوں نے ہم کلام ہونا چاہا تو یہی جواب دیا کہ جب تک میں اپنے باپ سے تمہارے ظلم و جور کی شکایت نہ کرلونگی تم سے بات نہ کروں گی اسی پر اکتفا نہیں بلکہ یہ وصیت کی کہ میرے جنازے پر بھی یہ لوگ نہ آنے پائیں اور جناب امیرؑ اس وصیت کو پوری پوری طرح سے ادا کریں ایسی حالت میں کون سی عقل اس بات کا تصور کر سکتی

ہے کہ اسی فاطمہ کی بیٹی کا نکاح عمر سے کر دیا گیا وہ عمر جو فاطمہ کا پکا دشمن تھا اُسے نہ عقل ہی قبول کرتی ہے اور نہ کوئی معتبر نقل ہی اس دعوے کے ثبوت میں پیش کی جا سکتی ہے

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شیعہ اور سنّی دونو فرقوں کی کتابوں میں اس نکاح کا ذکر ہے مگر کتب شیعہ سے یہ امر ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ وہ ام کلثوم بنت فاطمہ زہرا تھیں سنی تصانیف میں خال خال اس مضمون کی روایت دیکھنے میں آتی ہے جو ایسی زخم خوردہ اور ناقابل اعتبار ہے جس پر شیعہ تو شیعہ کسی اہل نظر سنّی کو بھی اعتماد نہیں ہو سکتا۔

اہل سنت کے ہاں جو روایات اس مادّے میں وارد ہوئی ہیں وہ باہم ایسی متناقض ہیں جنہیں دیکھ کر اگر سرے سے اس واقعہ کو ہی مابعد نسلوں کی اختراع کہہ دیا جائے تو کوئی جائے تعجب نہیں اہل سنت اگر اس موقع پر ہوتے تو وہ قطعی انکار کر جاتے مگر ہمارا شیوہ ہے تحقیق۔ ہمارا کام ہے اصلیت واقعہ کی جانچ متکلمین شیعہ ہرگز مثل شاہ صاحب دہلوی و دیگر علمائے سنیہ محض انکار کر کے اپنا پیچھا نہیں چھڑاتے اور اگر انکار کرتے ہیں تو نہایت قوی دلائل کی بنا پر نہایت مستحکم حجت کے ذریعہ سے جیسا کہ اس مسئلہ میں بھی انھوں نے حق کو حق اور باطل کو باطل کر دکھایا ہے۔

جہاں جہاں علمائے اہلسنت نے اس قسم کی قابل تنفر روایات جمع کی ہیں اور اُن سے اہلبیت کی توہین کا پہلو مدنظر رکھا گیا ہے۔ وہاں یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ جب عمر نے ام کلثوم کی خواستگاری کی تو علیؑ نے اُن کی صغر سنی کا عذر کیا۔ ملاحظہ فرمائے صاحب اسعاف الراغبین و صاحب صواعق و صاحب تاریخ خمیس لکھتے ہیں۔ قال وصح من عمر انہ خطب ام کلثوم من علی فاعتذر بصغرھا و بانہ اعدھا لابن اخیہ جعفر فقال ما اردت الباہ لاکن سمعت رسول اللہ یقول کل سبب و نسب ینقطع یوم القیامۃ ما خلا سببی و نسبی صحیح روایت میں عمر سے منقول ہے کہ اس نے علیؑ سے ام کلثوم کی خواستگاری کی۔ علیؑ نے اُس کی صغر سنی کا عذر کیا اور یہ بھی بیان کیا کہ وہ اُسے اپنے بھتیجے ابن جعفر سے منسوب کر چکے ہیں اس پر عمر بولے کہ میں یہ نکاح کچھ خواہش نفسانی کے لئے نہیں کرتا لیکن میں نے رسول اللہ سے یہ سُنا ہے کہ قیامت کے دن سوا میرے نسب اور سبب کے ہر سبب اور نسب منقطع ہو جائے گا ذخائر العقبیٰ اور تاریخ الخمیس میں مندرج ہے فاقبل علی و قال انّھا صغیرۃ فقال عمر لا واللہ ما ذالک بلک ولاکن اردت منعی یعنی جب عمر نے ام کلثوم کی درخواست کی تو علیؑ آئے اور کہا کہ وہ

maablib.org

صغرسن ہیں (قابل نکاح نہیں) عمر بولے قسم خدا کی یہ تو نہیں مگر بات یہ ہے کہ تم مجھے روکنا چاہتے ہو

عسقلانی شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں ان علیا لما ابی من نکاح ابنتہ لعمر و اعتذر بصغرھا ام یکن یقبل منہ ذالک العذر حتی الجاء ان یراھا ایاہ فارسلھا الیہ فلما راءھا عمر اخذ وضمھا و قبلھا یعنی جب علی نے اپنی بیٹی کا نکاح عمر کے ساتھ کرنے سے انکار کردیا اور اس کے صغرسن کا عذر کیا تو عمر نے اسکو قبول نہ کیا اور اُن کو اس بات پر مجبور کیا کہ اُسے دکھادیں۔ علیؑ نے اسے عمر کے پاس بھیجدیا۔ عمر نے اسکو پکڑ کر سینے سے لگالیا اور بوسہ لیا۔

اسی قسم کی قابل تنفر روایات ہیں جو کتب اہل سنت میں بھری ہوئی ہیں اور جن سے ضرور ثابت ہوتا ہے کہ اسوقت علی نے اس دختر کی صغرسنی کا عذر کیا ہے اب ہمیں یکھنا چاہیے کہ جسوقت عمر نے درخواست کی ہے اسوقت جناب ام کلثوم دختر فاطمہ زہرا کی کیا عمر تھی

عمر صاحب خود جیسا کہ صاحب استیعاب و صواعق محرقہ نے لکھا ہے ۱۳ سلہ عام الفیل میں پیدا ہوئے ہیں اور قتل ہوئے ہیں ۲۳ سلہ ھ میں اس حساب سے اُن کی مدت العمر کل ۶۲ برس کی ہوئی اور یہ خواستگاری انھوں نے اسوقت کی ہے جبکہ وہ ساٹھ برس کو پہنچکر شیخ فانی ہوچکے تھے اب دیکھو حضرت ام کلثوم کی بابت یہ ظاہر ہے کہ حضرت فاطمہ سلام علیہا رسول اللہ کی وفات کے بعد زیادہ سے زیادہ چھ ماہ زندہ رہی ہیں بہرحال حضرت ام کلثوم کی پیدائش حیات رسول اللہ میں ہوئی ہے اور اگر سال رحلت رسول اللہ ۱۱ سلہ ہجری میں بھی اُنکی پیدائش تسلیم کی جائے تو ۲۳ سلہ ہجری میں جو سال قتل عمر ہے اُن کی عمر بارہ برس کی ہوگی اور خواستگاری عمر کے وقت (جو ۲۱ سلہ ھ بعمر شصت سالگی عمر صاحب واقع ہے اُن کی عمر دس سال کی ماننی پڑے گی اور عرب کی آب و ہوا ہرگز اس امر کی مقتضی نہیں ہے کہ دس سال کی لڑکی کو صغیرہ ناقابل نکاح کہا جاسکے جبکہ حضرت عائشہ کی مثال ہمارے سامنے موجود ہے جو بغیر نہ سالگی ہمبستری رسول اللہ سے مشرف ہوئی ہیں۔

شیعہ محققین نے اس بارے میں دو رائیں قایم کی ہیں جو واقعات کے عین مطابق ہیں ایک تو یہ کہ اسماء بنت عمیس زوجہ ابوبکر سے حضرت علیؑ نے نکاح کرلیا تھا وہ دو اولادیں اپنے ساتھ لائی تھیں ایک لڑکا ایک لڑکی لڑکے کا نام تھا محمد اور لڑکی کا نام تھا ام کلثوم اور یہی وہ ام کلثوم ہے جسکا نکاح عمر

جو ابوبکر کی بیٹی اور حضرت علی کی ربیبہ ہے اور چونکہ ایسی لڑکیوں کو بھی محاورۂ عرب میں بنت کہدیتے ہیں جیسا کہ زینب ام کلثوم اور رقیہ کو بنت رسول کہا گیا ہے اسی لیے راویوں کو دھوکا ہوگیا اور انھوں نے اس لڑکی کو بنت فاطمۃ الزہرا سمجھ لیا۔ قول دوم یہ ہے جو رسالہ روشنی کے فاضل مضمون نگار میرزا عابد علی بیگ صاحب اعلی اللہ مقامہ کا معیار ہے کہ اسوقت ایک اور لڑکی ام کلثوم نامی خانہ حضرت امیر میں موجود تھی جو ایک لونڈی کے شکم سے تھی۔ کیونکہ حضرت زہرا کے بعد جناب امیر نے یکے بعد دیگرے مختلف ازواج اور امہات اولد سے نکاح کیے ہیں ام امہات اولد سے چند لڑکیاں پیدا ہوئی ہیں جن میں سے ایک کا نام ام کلثوم الصغریٰ تھا اور یہی ام کلثوم چار پانچ برس کے سن میں اسوقت ہو سکتی ہے جب عمر صاحب نے ۶۰ برس کی عمر میں نکاح کا ارادہ کیا تھا۔

عمر صاحب کا ام کلثوم دختر زہرا کی خواستگاری کرنا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اس نکاح سے چلتے چلتے یہ فائدہ انھوں نے سوچا ہوگا کہ جو کچھ مظالم میرے ہاتھ سے بنت رسول اللہ پر ہوئے ہیں وہ آیندہ نسلوں کی آنکھوں میں مشتبہ ہوکر بالکل نسیًا منسیًا ہو جائیں اور اہل دنیا کو میری بریت کے لیے ایک اچھا ذریعہ ہاتھ آجائے۔ لیکن وہ اپنے اس ارادے میں ایسے ہی ناکام رہے جیسے کہ خود حضرت فاطمہ کی خواستگاری کرکے انہیں اور اُن کے بھائی ابوبکر صاحب کو خجالت اٹھانی پڑی تھی یہ بالکل درست ہے کہ حضرت ام کلثوم اسوقت بالغہ اور رشیدہ تھیں وہ کبھی اس شخص کے ساتھ نکاح کرنے کو قبول نہیں کرسکتی تھی جس کی بابت اس کی والدہ محترمہ نے یہ وصیت کردی تھی کہ وہ میرے جنازے پر کبھی نہ آئے یہ ساتھ ہی جب عمر صاحب نے دوسری ام کلثوم دختر ام الولد کی نسبت پیغام دیا جسپر صغر سنی کا عذر کیا گیا مگر عمر صاحب نے یہ عذر پذیرا نفرمایا اور اس صورت میں اگر کوئی پیوند سے پیوند مل گیا ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ عمر صاحب کی نسبی حالت جیسی کچھ ہے وہ ہم اس رسالہ میں دکھاتے ہیں۔ اس تزویج میں حتی کہ کنیز کی حضرت ہاشم کا بھی (جو عمر صاحب کی جدۂ محترمہ ہیں) اچھا خاصہ لحاظ رہ سکتا ہے۔

ایک اور لطیفہ دیکھنے کے قابل ہے کہ جس ام کلثوم سے عمر صاحب نے نکاح کیا ہے اس کی نسبت علمائے اہل سنت کہتے ہیں کہ ان سے ایک صاحبزادے زید اور ایک صاحبزادی رقیہ پیدا ہوئیں اور وہ عہد معاویہ میں انتقال کر گئیں۔ امام حسن نے اُن کے جنازے کی نماز پڑھائی اب دیکھیے کہ ام کلثوم دختر فاطمہ

صلواۃ اللہ علیہما واقعہ کربلا میں اپنے بھائی کے ہمراہ موجود تھیں انھوں نے اپنی آنکھوں سے رسول کا گھر سیلابوں کی لوٹتے تباہ ہوا دیکھا وہ اسیر ہو کر شام کے قید خانہ میں گئیں - خود شمس العلماء اقرار کرتے ہیں کہ ان کا عقد یکے بعد دیگرے پسران جعفر سے ہوا ہے - اگر وہ عہد معاویہ میں مر چکی تھیں تو واقعہ کربلا کی شرکت کیسی یکے بعد دیگرے عقد کیسا -

ایک اور امر بھی قابل لحاظ ہے کہ کربلا میں یزیدی فوجیں جسقدر جمع تھیں وہ گو آل رسول کی دشمن تھیں مگر عمر صاحب کی بڑی معتقد اور ان کے نام پر جان چھڑکنے والی تھیں اگر یہ ام کلثوم عمر صاحب کی منکوحہ ہوتیں تو ممکن تھا کہ وہ ستقبا ان کا آداب برعایت عمر صاحب ملحوظ رکھتے -

ان سب بدیہیات کا انکار کرکے اگر یہی تسلیم کیا جائے کہ نہیں حضرت ام کلثوم دختر فاطمہ زہرا کا ہی نکاح عمر سے ہوا ہے اور وہی اسوقت کمسن تھیں تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ عمر صاحب اس سے متمتع نہیں ہو سکے اور وہ اپنے اصحاب سے اس کے متعلق تدبیریں ہی پوچھتے رہے جیسا کہ سیرۃ الحلبیہ میں منقول ہے اصلوں میں تو بالکل فرعون مصر کی مثال صادق آئے گی جس نے حضرت سارہ زوجہ حضرت ابراہیم کو چھین لیا تھا اور پھر تصرف کی قدرت نہیں پا سکا تھا یہ مثال اور بھی قوی ہو جائے گی جب یہ دیکھا جائے کہ یہ نکاح (خواہ ام کلثوم بنت زہرا سے ہو خواہ ام کلثوم بنت ام الولد سے) باضطرار عمل میں آیا ہے جس سے کوئی سنی عالم انکار نہیں کر سکتے - فاضل شمس العلماء کو زیبا تھا کہ پہلے وہ ان عظیم الشان اختلافات کی تنقیح کو سمجھ جاتے اور پھر یہ کلمہ زبان سے نکالتے جس سے حد درجہ کی توہین اہلبیت اور دل آزاری آل رسول متصور ہے - کیا شمس العلماء کا دل اسبات کو گوارا کر سکتا ہے کہ ان کی اور ان کے کسی عزیز قریب کی بیٹی کی نسبت خلاف واقعہ یہ امر مشہور کر دیا جائے کہ وہ فلاں شخص کی زوجہ ہے - ہمارا خیال ہے کہ وہ ہرگز اس امر کو برداشت نہیں کر سکیں گی - مگر افسوس اور سخت افسوس کا مقام ہے کہ اہل بیت پیغمبر کی نسبت جیسا چاہو الزام لگا دو - یہ باغیرت اور باحمیت مسلمان لے نہایت خوشی کے ساتھ سننے کے لئے تیار ہو جائیں گے -

تعجب ہوتا ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ شمس العلماء جیسا شخص ان بوسیدہ - کرم خوردہ اور عداوت اہلبیت سے بھری ہوئی روایات پر یہ نتیجہ نکال لیتا ہے گویا کہ الہامی طریق پر سکو معلوم ہوا ہے - عقلا تو اس روش کو ہرگز پسند نہیں کر سکتے شمس العلماء کا دعوے تو یہ ہے کہ یہ کتاب یعنی امہات الامۃ اس شخص نے جو

شیعہ بن کر لکھی ہے نہ سنی بن کر انھوں نے بالکل ایک غیر متعصب آنکھ سے واقعات کو جانچا ہے اور بلا خوف لومۃ لائم اپنی رائے کا اظہار کر دیا ہے۔ مگر ہمیں تو یہ نظر آتا ہے کہ وہ اس میدان میں بالکل لبوے کی حمایت رکھتے ہیں جو چھپٹی گرانے میں اپنی ہی طرف گراتے ہیں۔ اگر یہ بے تعصبی ہے۔ اگر یہی نظر ہے۔ اگر یہی تحقیق ہے اگر یہی انصاف ہے تو ہمیں بہت عجلت کے ساتھ ان چیزوں پر فاتحہ پڑھ لینی چاہیے جن قوم کے بے تعصب اہل نظر محقق اور منصف حضرات کا یہ عالم ہے۔ تو متعصب قصیر النظر، تحقیق اور انصاف سے حصہ نہ پانے والے تو خدا جانے کیا غضب ڈھائیں گے اور ڈھا ہی رہے ہیں۔ محقق نا تحقیق حیرت کی شان مرگ آنکھ ملنے موجود ہے۔ ہم پھر شمس العلماء سے باادب گذارش کرتے ہیں کہ وہ اس مسئلہ کو تحقیق کی آنکھ سے دیکھیں۔ اہل نظر کی نظر سے شاہدہ کریں اور متعصب اسلاف کی تقلید میں گرفتار ہو کر ایسی اغلاط کے مرتکب نہ ہوں جو ان کی شان کو بالکل گھٹا دینے والی ہیں۔ اب زمانہ ہے روشنی کا۔ اب زمانہ ہے آزادی کا اب ایک اندھیری کوٹھری میں بیٹھ کر بادہوائی تکے لڑانا نہایت معیوب اور خلاف تہذیب سمجھا جاتا ہے ہمارا کام عرض کر دینا ہے قبول کرنا نہ کرنا یہ آپ کے اختیار میں ہے اور قبول وہی کرتا ہے جس کے توفیق الٰہی شامل حال ہوتی ہے۔ ہمیں ایک ہلکی سی یہ امید ہے کہ آپ اہلبیت پیغمبر کو ذرا وقعت کی نظر سے دیکھتے ہیں اسی لئے بار بار آپ کی خدمت میں عرض کی جاتی ہے ورنہ آجکل جس قسم کی سنت رہ گئی ہے اور آجکل کیا ہمیشہ سے ایسی ہی ہے اس کا حال ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ حضرت والا ان لوگوں کے لئے تو ہمارے قول سے فزادہم اللہ مرضا کے اور کچھ نہیں نکلتا کیونکہ ان لوگوں کی عقلیں سلب ہو چکی ہیں ان کے قلب سیاہ ہو چکے ہیں اور ان کے دلوں پر ایسے قفل لگے ہوئے ہیں جنہیں امتداد زمانہ نے بالکل زنگ آلود کر دیا ہے سنیت کے پردے میں بغض و خروج کی بدبو پھیل رہی ہے اور توہین اہلبیت کو دنیا طلبی کا ایک عمدہ ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ پھر دعوے یہ کہ مسلمان ہیں تو ہم ہیں مومن ہیں تو ہم ہیں جنت ہے تو ہماری ہے اور بہشت ہے تو ہماری جاگیر ہے مگر انہیں خبر نہیں کہ وہ دن آنے ہی والا ہے جب بڑے بول کا سر نیچا ہو جائے گا یہ زبانی دعوے کام نہ آئیں گے یہ ہماہمی کچھ فائدہ نہ دے گی غرور کی دیواریں ڈھے جائیں گی اور انہیں نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ کہنا پڑے گا یالیتنی کنت ترابا۔ اسوقت یہ جان لیں گے کہ اسلام کیا چیز ہے ہم نے کون سی اسلام کی پابندی کی ہے اور وہ کون سا اسلام تھا جسے رسول اللہ نے چھوڑا تھا۔ انہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم نے قرآن کو کہاں تک

سمجھا۔ کہاں تک اس کے احکام پر چلے۔ قرآن کے اوامر و نواہی کیا ہیں اور کن لوگوں سے حق آن سیکھنا چاہیے تھا۔

بنی فاطمہ

ہر اہل نظر اندازہ کر سکتا ہے کہ جب خود فاطمہ کے ساتھ ایسے ایسے سلوک کیے گئے اور ان کی وفات کا سبب ہی وہ صدمہ ہوا جو عمر صاحب کے دروازے گرانے کی بدولت انہیں پہنچا تھا جس سے محسن شکم میں ہی شہید ہو گئے تو پھر ان کی اولاد تو کس گنتی میں تھی اور اس امر کا اعتراف شمس العلماء نے بڑی فراخ دلی اور عالی حوصلگی کے ساتھ کیا ہے مگر بعد سے چلتے چلتے خدا جانے انہیں کیا ہو جاتا ہے کہ ایسا رستہ اختیار کرتے ہیں جسے عقل و ہوش سے ذرا بھی لگاؤ نہیں ہو تو ملاحظہ فرمائیے۔

شمس العلماء:۔ یہ خیال اور بھی زیادہ تکلیف دیتا ہے جب دیکھا جاتا ہے کہ پہلے انتخاب ہی میں علی کی ناکامی نے پیغمبر صاحب کی نسل کی اسلامی وقعت کو کم کرتے کرتے آخر کو بالکل زائل کر دیا۔

ہم:۔ اس خیال کو ذرا اور وسعت دیجائے تو اور بھی نشتر بجگر ہوتا ہے کہ ابو بکر کے منتخب ہو جانے سے حضرت پیغمبر کی نسل کی اسلامی وقعت کم ہوتے ہوتے زائل کیا ہوئی۔ بلکہ یوں کہو کہ گھٹتے گھٹتے اسلام کا ایک زبردست حصہ مٹ گیا یا مٹا دیا گیا لاریب اگر یہ قرن اولیٰ والے نام کے مسلمان حرص و ہوا کو چھوڑتے حصول جاہ و جلال کے پیچھے نہ پڑتے تو اسلام کی ابتدائی حالت ہوتی جو آجکل نظر آ رہی ہے ان لوگوں نے نسل پیغمبر کو نہیں چھوڑا بلکہ اسلام کو چھوڑا ہے نسل پیغمبر کو بے وقعت نہیں کیا اسلام کی عزت کو برباد کیا ہے۔ نسل پیغمبر کو نہیں مٹایا اسلام کو مٹایا ہے اسلام کو سے

دوستوں سے ہم نے وہ صدمے اٹھائے جانپر　　دل سے دشمن کی شکایت کا گلہ جاتا رہا

اسلام! بیچارہ اسلام۔ غریب اسلام اور وہ اسلام جس پیغمبر آخر الزماں نے اپنی مقدس عمر کے ۲۳ برس برباد کیے تھے ان نادان دوستوں کی طرف مخاطب ہے اور بزبان حال اس شعر کی تکرار کر رہا ہے۔

شمس العلماء:۔ اب جو کچھ بھی اسلامی وقعت پیغمبر صاحب کی نسل کی رہ گئی ہے وہ یہی ہے کہ درود میں آل محمد کا نام ابھی تک باقی چلا جاتا ہے

ہم:۔ یہ بھی خیال خام ورنہ یہ مسلمان تو اس کے بھی روادار نہیں۔ اب تو فقط صلی اللہ علیہ وسلم پر اکتفا کی

جاتی ہے جیسا کہ آپ کی کتاب میں بھی یہ ہی طریقہ نظر آتا ہے اور درود میں آل محمد کو شریک کرنا ایک قسم کا گناہ اور مذہب سنی کے بالکل خلاف سمجھا جاتا ہے اور سچ بھی تو ہے بات وہی اچھی ہے جو دل سے ہو جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے بزرگوں کا رویہ آل رسول کے ساتھ یہ رہا ہے جو ایک زمانہ پر روشن ہے مذہب کی ہمارے یہ حالت ہے کہ کہیں ابن مسعود کا دامن ہے کہیں عمر صاحب کا۔ کہیں ابو حنیفہ صاحب مسند افتخار پر جلوہ گر ہیں کہیں شافعی و مالک و ابن حنبل اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ الگ چن رہے ہیں اب اگر خالی خولی زبان سے آل محمد کے ساتھ مودت کا اظہار بھی کیا جائے تو نتیجہ کیا ہے اسی لئے اب درود میں سے بھی ان کا ذکر اڑا دیا گیا ہاں شمس العلماء صاحب یا ان کے احباب اگر درود میں آل محمد کو شامل کر دیتے ہیں تو یہ ان کی روشن ضمیری ہے اور اس پر آشوب زمانے میں ہم اسے ہی غنیمت سمجھتے ہیں۔

شمس العلماء ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ ایک شخص قوم کو کسی طرح کا فائدہ پہنچانا چاہتا ہے تو لوگ اس کی نسلوں تک کا احسان ملنتے تھے۔

ہم:۔ بے شک جو شرفا ہیں جن کی رگوں میں شریف خون کی گردش ہے۔ جن کے دامن پر رذالت کا گرد و غبار نہیں وہ بے شک مر جاتے ہیں۔ فنا ہو جاتے ہیں۔ مٹ جاتے ہیں۔ مگر محسن کا احسان بھلا دیں کیا مجال۔ کیا ممکن۔ ان کی زبانیں کاٹ دو ان کی گردنیں اڑا دو۔ ان کے گھر بار کو آگ لگا دو ان کی لاشیں گھوڑوں کے سموں سے ریزہ ریزہ کر دو پھر بھی ان کا رواں رواں اپنے محسن کی شکر گذاری میں رطب اللسان رہے گا مگر اس خیال کے لوگ دنیا میں بہت کم ہیں جیسا پر جس زمانہ میں یزیدی افواج کی یورش ہوئی ہے وہ زمانہ حسب عقیدہ اہلسنت تقریباً خیر القرون ہی ہے کسی سنی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ اسلام کا جوش جو اسوقت تھا وہ مابعد نسلوں کو میسر نہیں ہوا بے شک اسوقت تمام جزیرہ نمائے عرب مسلمانوں سے پٹا پڑا تھا مگر حسین فرزند رسول پر جان نثار کرنے معدودے چند ہی نکلے۔ جن کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے۔

جن لوگوں کا تعلق ادنیٰ سوسائٹی سے ہوتا ہے جو لوگ چھوٹے طبقہ کے ممبر ہوتے ہیں جن کے دماغوں سے عفونت بن کر بھی رذالت کی بو نہیں جاتی ان سے یہ توقع رکھنا کہ وہ کسی محسن کا احسان مانیں گے ایسا ہی ہے جیسے پتھر اور نہایت ہی سخت پتھر سے اللہ اکبر کی تمنا کرنا۔ پیغمبر کے بعد کیا ہوا اس کو جانے دو ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ خود حضرت کے زمانہ میں ان لوگوں نے بارہا اپنی شرافت کا ثبوت دیا ہے۔ رسول اللہ نرغۂ اعدا میں گھرے ہوئے ہیں اور یہ پہاڑوں پر پہاڑی بکریوں کی طرح کلیلیں کرتے پھرتے ہیں جو بچ جاتی ہیں پیغمبر

کی یہ دولت ہمارے دس آدمیوں میں پرستش ہونے لگی مگر جب داؤں کیا رسولؐ ہی پر کیا۔ پیران طریقت نے جب رسولؐ کو نہیں چھوڑا تو مرید ان خوش اعتقاد کیا آلِ رسول پر بھی ہاتھ صاف نہ کریں۔ اگر ایسا نہ کریں تو خوف ہے کہ خدانخواستہ کہیں لفظ ناخلف ان کی ذات کیا تھ چسپاں ہو جائے۔

شمس العلماء ایک پیغمبر صاحب تھے کہ بھکڑوں۔ لیٹروں کو بادشاہ بد معاشوں کو بھلا مانس جب پرستوں کو خدا پرست۔ نالائقوں کو لائق۔ وحشیوں کو مہذب۔ جانوروں کو انسان بنا گئے۔ ان کے ان تمام احسانات کا بدلہ ان ہی کی امت نے اُن کے نواسوں۔ نواسیوں۔ بہو بیٹیوں کو جو دیا اور جیسا دیا اسکا رونا آج تک اسلامی دنیا میں رویا جا رہا ہے اور قیامت تک رویا جائے گا۔

اترجوا امۃ قتلت حسینا شفاعۃ جدہ یوم الحساب

فلا واللہ لیس لھم شفیع وھم یوم القیامۃ فی العذاب

ترجمہ کیا وہ امت جس نے حسینؑ کو قتل کیا روز قیامت اس کے جد نامدار کی شفاعت کی امید کر سکتی ہے لا واللہ اس دن کوئی ان کا شفیع نہوگا اور یہ روز حشر مبتلائے عذاب ہونگے۔

ہم: حقیقۃً جیسی ناہنجار احسان فراموش محسن کش پیغمبر آخر الزماں کی امت نکلی۔ شاید ہی کسی پیغمبر کی امت نکلی ہو۔ ہمیں بے جناب شمس العلماء کو اندازہ کر لینا چاہیے کہ ان کا اسلام کیسا تھا اور ان کے ایمان کی کیا کیفیت تھی ان واقعات کو دیکھ کر کسی قسم کی غلطی نہیں اگر یہ رائے تسلیم کر لی جائے کہ یہ لوگ حقیقۃً دل سے مسلمان نہ ہوئے تھے۔ فقط حصول دنیا کی امید نے انہیں دین آبائی سے ظاہری طور پر برگشتہ کیا تھا ان کے دل سے کفر و نفاق کی بو آتی ہے گو یہ ظاہری طور پر قائلین لا الٰہ الا اللہ میں محسوب ہوتے ہیں ان کے افعال سے وہی جہالت ثابت ہوتی ہے گو یہ بظاہر اسلامی تہذیب کے دائرے میں آگئے ہیں پیغمبر کے مرتے ہی ان کی اصلی بد معاشی بدل گئی۔ خدا پرستی کی جگہ پر بت پرستی کے قدم آگئے آئی ہوئی لیاقت نے پھر برباد شدہ نالائقی کے لئے مسند خالی کر دی تہذیب نے پُرانے وحشیانہ پن کا لباس پہن لیا اور یہ انسان بن بنا کر پھر جانوروں کے جرگے میں شامل ہوگئے کربلا کا واقعہ ایسا نہیں ہے جو ان کی حالتوں کو تاریکی میں رہنے دے اسی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اسلام کا نقش اگر ان کے دل میں کچھ جما بھی تھا تو بس اس کے بعینہ یہی حالت تھی جیسے کوئی پانی پر خط کھینچے ایک ہندی شاعر کہتا ہے "کلمہ پڑھیں رسولؐ کا کاٹیں سیس حسینؑ" حقیقۃً عجب اور سخت تعجب ہوتا ہے

اور یہ تعجب اسوقت اور بھی زیادہ ہے۔ جب ان کی مدح سرائی میں بڑے بڑے عمامے والوں کو رطب اللسان دیکھتے ہیں شمس العلماء نے جو یہ قطعہ رقم فرمایا ہے یہ انسانی کلام نہیں یہ ایک غیبی آواز ہے۔ یہ ایک ہاتف کی ندا ہے۔ یہ قلم قدرت کا نقش ہے۔ ملا جامی شواہد النبوۃ میں رقم طراز ہیں دیکے از عازبان ارض روم گفتہ است کہ در یکے از کنائس ایشاں دیدم کہ نوشتہ بودندے

اترجوا امۃ قتلت حسینا   شفاعۃ جدہ یوم المعاد

پرسیدم کہ ایں راکہ نوشتہ است گفتند نمی دانیم پھر ملائے موصوف لکھتے ہیں کہ چوں یکے از بدبختان در مدینہ خطبہ خواند و بقتل امیر المومنین رضی اللہ عنہ اظہار بشاشت کرد شب آں آزاد رمدینہ آوازے شنیدند وصاحب آواز را ندیدند کہ می خواند ے

ایھا القاتلون جھلا حسینا   ابشروا بالعذاب والتنکیل
کل من فی السماء یدعو علیکم   من نبی وملائک وقبیل
قد لعنتم علی لسان ابن داود   وموسی وحامل الانجیل

اے از روئے جہالت حسینؑ کو قتل کرنے والو تمہیں دردناک عذاب اور ذلت وخواری کی بشارت ہو انبیاء اور فرشتگان مقرب تم پر آسمان کے بد دعا کر رہے ہیں سلیمان ابن داؤد موسیٰ صاحب توریت اور عیسیٰ حامل انجیل کی زبان سے تم پر لعنت کی گئی ہے۔

حسینؑ کا مع اس کے جاں نثار رفقا کے تین دن بھوکا رکھ کے قتل کرنا ستمشا ہے بچے تک کو تیر ستم کا نشانہ بنانا نبی کی آل کو بندیاں ترک و دیلم کی طرح لے جانا انہیں دربار عام میں کھڑا کرنا اور یزید فخر کے ساتھ کہنا لیت اشیاخی ببدر قتلوا (کاش میرے بزرگ جو بدر میں قتل ہوئے ہیں زندہ ہوتے اور اس منظر کو دیکھتے کہ میں نے کس طرح ان کا بدلا لیا ہے) کہنا اور پھر زعم علما سواد اعظم دنیا سے با ایمان جانا ہم نہیں سمجھ سکتے کہ پھر بے ایمانی دنیا میں کیا چیز ہے۔ ہم نے یہ بالکل سچ کہا ہے کہ حسینؑ کے واقعہ پر نظر کرکے قرن اولیٰ کے مسلمانوں کی حالت صاف نظر آجاتی ہے اور اس قتل کا اثر فقط یزید پر ہی منتہی نہیں ہوتا ہے بلکہ سقیفہ والوں کا گریبان گیر ہوا جاتا ہے اس لئے علمائے اہلسنت نے فتوے دے دیا ہے کہ واعظ پر ذکر حسینؑ حرام ہے کیونکہ یہ بغض صحابہ کی طرف کھینچتا ہے۔ اللہ رے ناحق کوشی۔ اللہ رے حق پوشی اللہ رے ابلہ فریبی۔ واہ رے خوش اعتقادی۔ کسقدر اخلاق حمیدہ ہے

بھرا ہوا ہے وہ مذہب جس میں مظلوم کا ذکر زبان تک لانا حرام ہے کیسے خدا پرست تھے اس مذہب کے بانی جن کے حالات ایک مظلوم کا ذکر کرتے ہی کھل جاتے ہیں شمس العلماء نے بڑا غضب کیا کہ اس طریقہ سے ان واقعات کو منظر عام میں رکھدیا۔ گو انھوں نے آگے چل کر چپیاں لگائیں مگر وہ اپنی قوم کے جوش کو نہ روک سکے اور یہ جوش بالآخر کفر کے فتوے کی صورت میں ظاہر ہو گیا یہ ہمیں ضرور یقین ہے کہ ممدوح کو ان فتوؤں کی پروا نہیں ہو سکتی وہ خود ان لغویات پر قہقہہ لگاتے ہیں مگر کم سے کم اپنی قوم کے اخلاق کا آئینہ تو ان کے سامنے آگیا ہے جس میں سوائے رذالت کی چھائیوں کے اور کچھ نظر نہیں آتا

شمس العلماء: پیغمبر صاحب کی نسل کے ساتھ ان کی امت کا برتاؤ جو کچھ بھی اور جیسا کچھ بھی ہوا نامناسب ہوا بے جا ہوا۔

ہم: نامناسب اور بے جا کیا یعنی صاف یوں کیوں نہیں فرماتے کہ ایسا ہوا جس سے بدتر شقاوت کی نظیر کسی امت میں نہیں مل سکتی۔ کسی پرانے شاعر کی رباعی اور کیا اچھی رباعی ہے ؎

میں ایک نصاریٰ سے یوں ازرہ نادانی　　پوچھا کہ مسلماں ہے تب بولا وہ نصرانی
عیسیٰ کے نواسے کی گر عید کو قربانی　　کرتے۔ تو ہمیں پھبتا دعوائے مسلمانی

اب تماشہ دیکھیے کہ شمس العلماء چند کلمہ حق تحریر فرمانے کے بعد اپنے اسلاف کی عادت مستمرہ پر آجاتے ہیں جس سے سخت حرارت ہوتی ہے کہ آیا یہ دینی بزرگوار ہیں جو ابھی ابھی آل رسول کے اس درجہ مداح تھے اور ان کے قتل و قمع پر آنسو بہا رہے تھے کیا وہ آنسو مصنوعی تھے۔ جھوٹے تھے کیا ان میں صداقت کی بو اصلیت بالکل نہ تھی۔ معلوم تو یہی ہوتا ہے چنانچہ ارشاد ہوا ہے

شمس العلماء: لیکن اتنی فرو گذاشت تو ان سے بھی ہوئی کہ انھوں نے صرف حرم پر قناعت نہ کر کے گوشہ عافیت سے پاؤں باہر نکالے اور خواہ مخواہ دعوئے خلافت کر بیٹھے ان کو مدعی خلافت ہونا ہی مناسب نہ تھا اور مدعی خلافت ہوئے تھے تو اس کے لیے سامان بہم پہنچائے ہوتے اور طلب کے طریقہ سے طلب کرنا تھا ان کا حال کیا تھا کہ ان میں سے جب کسی کے پاس ہزار پانسو کی جمعیت ہوئی لگا سلطنت کا خواب دیکھنے ملک گیری کی ہوس میں علم خلافت اونچا کیا۔ خلیفہ وقت پر خروج کر کے دیے فقرہ وار کی قابل ہے ساتھیوں کو ناحق مروا دیا اور آخر کار خود بھی لڑائی میں مار ڈالا گیا یا پکڑا آیا۔ قید کیا گیا یا زہر دے کر مار ڈالا گیا۔

ہم :- دیکھا آپ نے شمس العلماء پلٹے اور کس انداز سے پلٹے ؎

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند   آنچہ استاد ازل گفت ہماں می گویم

سب کچھ کہا۔ سب کچھ تسلیم کیا۔ مگر نتیجہ میں وہی خیالات کہنہ کا ظہور۔ کہتے ہیں کہ اگلے زمانہ میں ایک عابد تھا جس نے اپنا ساری عمر عبادت میں گذاری تھی زمین پر کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں اس نے سجدہ نہ کیا ہو مگر آخر کار ایک ذرا سی عقل آرائی پر تمام محنت خاک میں مل گئی۔ یہ تو سنا تھا۔ شمس العلماء کی بدولت آنکھوں دیکھ لیا۔ خیر یہ تو تمہیدی فقرے تھے۔ ہمیں دینا چاہیئے اب جواب۔ شمس العلماء صاحب کا اعتراض یہ ہے کہ بنی فاطمہ نے رزق مقسوم پر قناعت کی۔ گوشہ عافیت سے پاؤں باہر نکالے۔ شمس العلماء کے نزدیک رزق مقسوم پر قناعت کرنے کے معنی یہ معلوم ہوتے ہیں کہ بنی فاطمہ اپنے حقوق کو برباد ہوتا ہوا دیکھتے خاموش بیٹھے رہتے لب تک نہ ہلاتے اور آئندہ نسلیں اس سکوت سے فائدہ اٹھا کر ایک قسم کی غلطی میں پڑ جاتیں اور وہ سمجھ لیتیں کہ بنی فاطمہ کا واقعی کسی قسم کا حق نہ تھا اور ظالم کے لئے بھی دربار خداوندی میں ایک قسم کی حجۃ قائم ہو جاتی۔ ہم شمس العلماء سے دریافت کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص آکر آپ کا مکان چھین لے۔ تو کیا آپ نہایت صبر و سکون کے ساتھ اسے برداشت کرتے ہوئے بالکل گوشہ عافیت میں بیٹھ جائیں گے اور قولاً اور فعلاً کسی طرح اپنے حق کا اظہار نہ کریں گے۔ شمس العلماء تو کیا ہیں ہمیں تو کسی پیغمبر کا بھی اتنا حوصلہ نظر نہیں آتا اس بنا پر اگر بنی فاطمہ ایک مرتبہ یا چند مرتبہ حق طلبی کے جوش میں اٹھ کھڑے ہوئے ہوں گو مصلحت وقت کے خلاف ہی سہی تو نہ عقلاً ان پر کوئی الزام عائد ہو سکتا ہے نہ شرعاً بلکہ اس صورت میں غاصبین حقوق پر ایک اور وبال سوار ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے ایک غصب حق ہی بجائے خود ایسا گناہ ہے جس کی معافی خدا کے یہاں بھی نہیں جب تک کہ صاحب حق معاف نہ کرے۔ پھر اس پر طرہ کہ جب حقدار طلب حق کے لئے کھڑا ہو اس کو قتل کرنا۔ قید کرنا یا زہر دینا طالب حق ہر طرح بری الذمہ ہے اور گروہ غاصب جس قدر آزادی سے کام لیتا ہے اتنا ہی عذاب الٰہی کی زنجیروں میں گرفتار ہوتا جاتا ہے ایک شہزادہ جس کے تخت آبائی پر اس کے باپ کا نمک حرام نوکر ناجائز طور سے قبضہ کر بیٹھا ہو اگر وہ مختلف تدبیروں سے اپنا حق لینے کی کوشش کرے اور اپنے ہوا خواہوں کے ساتھ حق طلبی کے جوش میں اس نمک حرام کے سامنے صف آرا ہو اور پھر وہ قتل بھی ہو جائے تو اس فعل سے کیا وہ مطعون خلائق ہو سکتا ہے اور خواہ مخواہ دعوے سلطنت کرنیوالا قرار دیا جائے گا اور عقلا کی نظر میں اس نمک حرام کی

کچھ وقعت بڑھ جائے گی ہرگز نہیں۔ ہاں شمس العلما یا ان کے ہمقوم عجب نہیں ایسی رائے قایم فرمائیں اور اس نمک حرام کو جائز حاکم وقت تسلیم کرتے ہوئے اس شہزادے کو خارجی قرار دیں مگر اس صورت میں عقلمندوں کی جماعت سے ضرور خارج ہو جائیں گے۔

یہ ایک عام جواب ہے اور اسوقت کے لیے ہے جب یہ بھی ثابت ہو جائے کہ جتنے بنی فاطمہ قتل ہوئے ہیں وہ سب اسی جرم میں ہوئے ہیں کہ حاکم وقت کے برخلاف انھوں نے بغاوت اختیار کی تھی سو یہ امر اسوقت ثابت ہو سکتا ہے جب جناب شمس العلما تمام تاریخوں کو جلا دیں اور کسی خاص الہامی قوت سے ایک تاریخ قرون سابقہ تحریر فرمائیں کیونکہ موجودہ تاریخوں میں جب ہم سرداران بنی فاطمہ و ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کے حالات دیکھتے ہیں تو نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ انھوں نے شمس العلما کی رائے پر بھی عمل کر کے دیکھ لیا ہے وہ گوشۂ عافیت میں بیٹھے تھے مگر انہیں وہاں بھی چین نہیں ملا وہ الگ تھلگ رہنا چاہتے تھے مگر حکامان جور کی نگاہوں میں ان کا وجود ذی جود کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا انھوں نے نہ کسی پر فوج کشی کی نہ کسی کے مقابلے میں صف آرا ہوئے۔ نہ چڑھائی کی نہ لڑنے کے لئے نکلے مگر اسپر بھی وہ اپنے حجروں میں۔ قید خانوں میں۔ بستروں پر قتل ہوئے۔ سم ہوئے اور ان میں ایک بزرگ بھی ایسا نہیں نظر آتا جس نے اس دنیا اور نہایت ہی ناپاک دنیا میں اپنی عمر طبعی کے دن پورے کرلئے ہوں۔ چنانچہ فرقہ نواصب کی افراد یہ اعتراض کرتے ہیں اور شمس العلما بھی تقریباً انہیں کے ہم نوا ہیں کہ انھوں نے خلیفہ وقت (یزید) پر خروج کیا اور مارے گئے اس کا جواب ہم آیندہ دیں گے مگر شمس العلما اور بے تعصب شمس العلما سے نہایت ادب التجا کے ساتھ یہ التماس ہے کہ امام حسن نے کیا صلح کے بعد اکبر نے تو خلافت آپ کے ممدوح جلیل الشان امیر معاویہ علیہ ما علیہ کے سپرد کردی تھی پھر انہیں کیوں جعدہ ملعونہ کی معرفت زہر دیا گیا ان کا کیا قصور تھا ان کی کیا خطا تھی یہی حال دیگر ائمہ برحق کا ہے اگر شمس العلما اس سوال کا جواب دیدیں اور ثابت کردیں کہ ان لوگوں کی حکومت کے خلاف فساد پھیلایا تھا تو ہم پورے قلبی اطمینان اور ایمان کے ساتھ اُن کے ہم خیال ہو جاتے ہیں مگر وہ تا قیامت اس سوال کا جواب نہ دے سکیں گے شمس العلما اگر ایک منصف مزاج مصنف ہیں تو وہ خود اندازہ کریں گے کہ ان کی یہ رائے کس قدر اور خلاف واقعہ ہے۔

پھر یہ ارشاد ہوا ہے کہ ان کو مدعی خلافت ہونا ہی مناسب نہ تھا کیا دنیا میں اگر کوئی شخص اپنا حق

حاصل کرنے کے لیے کوشش کرے عام اس سے کہ وہ کوشش بار ور ہو یا نہ ہو تو کیا اس شخص کو دنیا دیے
بُری نگاہوں سے دیکھیں گے یہ امر کہ خلافت بنی فاطمہ کا حق تھا اس کی سب سے بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ
بنی امیہ و بنی عباس نے جہاں تک ہو سکا اُن کے قلع قمع کرنے کی کوشش کی وہ اس امر کو خوب جانتے تھے
کہ جس مسند پر بیٹھے ہیں ہم اس کے اہل نہیں ہیں اتفاقات زمانہ سے ہمیں یہ امر میسر آگیا ہے اور اسکا استحکام
اُسی وقت ہو سکتا ہے جب اصلی دعویدار وارث اور جائز وارث نیست و نابود کر دیے جائیں شمس العلماء غور
سے دیکھیں کہ بزعم اُن کے اگر خروج کیا ہے تو وہ بھی چند ہی شخصوں نے کیا ہے۔ مگر یہ ہزاروں ناکردہ گناہ
بنی فاطمہ جو دیواروں میں چنے گئے جن کے خون سے گارے بنا بنا کر بغداد بدعت نہاد کی دیواریں تعمیر
ہوئیں جن کے منہ میں خاردار لگامیں چڑھائی گئیں جن کی لاشوں سے کنوئیں پٹ گئے کنوئیں کیا ان سب
کے سبب علم خلافت اونچا کیا تھا افسوس شمس العلماء جیسا عاقل و فرزانہ شخص اور ایسی سخیف رائے کا پابند
ہو ہمارا ابھی تک خیال ہے اور وہ بالکل صحیح خیال ہے کہ بنی فاطمہ پر جو مظالم روا رکھے گئے محض اس گناہ پر
رکھے گئے کہ وہ سلطنت کے جائز وارث تھے اور وہ اپنے آپ وارث نہ بنے تھے بلکہ رسول اللہ نے انکو
بنایا تھا۔ یہ فقرہ کہ مدعی خلافت ہوئے تھے تو اس کے اسباب کافی بہم پہنچائے تھے اور طلب کے طریقے
سے طلب کرتا تھا بھی اپنی ندرت اور غربت میں نرالا ہے۔ طلب کا وہ کونسا طریقہ ہے جو بنی فاطمہ نے
چھوڑ دیا ہے خود اُن کی جدہ ماجدہ نے پہلے ایک مستغیث کی صورت میں اپنی حق رسی چاہی جس میں انہیں
ناکامیابی ہوئی یہ طریقہ تو گویا مسدود ہی تھا کیونکہ جن لوگوں کی آنکھیں نشۂ دولت نے بند کر رکھی تھیں
وہ فقط اتنا کہنے پر کہ یہ خلافت ہمارا حق ہے کیا ان کو خلافت لئے بیٹھے تھے دوسرا طریقہ تھا جنگ
و جدل سو اس پر آئمہ اثنا عشر علیہم السلام تو کاربند ہوئے نہیں۔ کیونکہ جس مقام تک ان بزرگواروں
کی نگاہیں پہنچ سکتی تھیں وہاں تک دوسرے بنی فاطمہ کی نظروں کی رسائی نہ تھی لہذا انہوں نے
اس حق طلبی کے جوش میں اگر غاصبین حقوق پر چڑھائی کر دی کامیابی اور ناکامیابی یہ ایک شئے دیگر ہے
مگر ان کا یہ فعل کسی طرح غیر مستحسن نہیں سمجھا جائے گا اب رہا یہ اعتراض کہ وہ ہزار پانسو کی جمعیت لیکر ہی
خلیفۂ وقت پر خروج کرتے تھے سکل یہ آڑی ہے کہ بنی فاطمہ قرآن پر ایمان رکھتے تھے انہیں نصرت
خداوندی پر بہت بڑا بھروسہ تھا وہ دیکھتے تھے کہ نمرود جیسے سرکش کو ایک پشے نے ہلاکت کے گڑھے
میں ڈال دیا تھا اُن کے کانوں میں یہ مقدس آواز گونج رہی تھی کہ بسا اوقات (ہماری مدد سے) چھوٹے

سا گروہ بڑے سے بڑے گروہ پر غالب آگیا ہے۔ اب فرمائیے اس میں بنی فاطمہ کا قصور وہ خدا پر بھروسہ رکھتے تھے ہاں یہ بات ضرور ہے کہ وہ مشیت الہٰی کے عالم نہ تھے نہ اُن کو یہ علم عطا کیا گیا تھا پھر وہ کیونکہ سمجھ لیتے کہ نتیجہ ہمارے مخالف نکلے گا یا موافق اور ہم تو سو کی ایک بات یہ کہتے ہیں کہ ان بزرگوں نے جانیں گنوا دیں اپنے خون وقف کر دیئے مگر دنیا پر یہ ظاہر کر گئے کہ دیکھو یہ حق ہمارا ہی تھا۔ کیونکہ کوئی خاندان خواہ وہ اپنی دھن اور اپنے ارادے کا کتنا ہی پکا ہو ایک امید اور ناجائز امید پر کبھی اسطرح اپنی بربادی پسند نہ کرے گا جب تک اُس کے دل میں طلب صادق نہ ہوگی اور اُسے یقین کامل نہ ہوگا کہ یہ شے جس پر شخص مخالف متصرف ہو رہا ہے میرا ہی حق ہے۔

فقرات مندرجہ بالا کی نسبت ہم اپنی گذارش کو ختم کرتے ہوئے جناب شمس العلماء کی خدمت میں پھر التماس کرتے ہیں کہ فاطمہ کی اولاد میں امام حسنؑ سے لے کر امام یازدہم حسن عسکری تک جنھوں نے کبھی گوشۂ عافیت سے باہر قدم نکالنے کا ارادہ نہیں کیا اُن کی شہادت کس بنا پر واقع ہوئی ہے بینوا و توجروا۔

شمس العلماء:۔ خدا کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ اسلام کے حق میں یہ بھی اچھا ہی ہوا کہ پیغمبر صاحب کی اولاد ذکور ان کے بعد زندہ نہ رہی بیٹیوں میں فقط ایک بیٹی زندہ رہیں (رسول اللہ کی بیٹی ہی فقط ایک تھی۔ ہم اُس کے متعلق لکھ آئے ہیں) تو ان کی نسل کی بدولت اسلام میں یہ تفرقہ پڑا کہ مسلمان سنی اور شیعہ دو فریق ہو گئے جن میں ہمیشہ جوتیوں میں دال بٹتی رہتی ہے بیٹا زندہ رہتا تو شاید پسر نوح ثابت ہوتا انہ لیس من اہلک انہ عمل غیر صالح

ہم۔ شمس العلماء نے اس فقروں میں ایک حیرت انگیز آزادی سے کام لیا ہے اور بدقسمتی سے یہ زلزلہ بھی اہلبیت کی ہی طرف گرا ہے حقیقۃً اگر شمس العلماء کی یہ رائے صحیح ہے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ پیغمبر صاحب کے نطفے میں ہی کچھ ایسا اثر تھا کہ مفرق اسلام ثابت ہو۔ کیا عجب عائشہ صاحبہ نے اپنی روحانی توجہ سے اس مسئلہ کو دریافت کر کے قیام حمل نہ ہونے دیا ہو اور دنیا سے بے اولادی جانا ہی پسند فرمایا ہو۔ مگر جب یہ امر تسلیم کر لیا جائے کہ جو پیغمبر اپنی اولاد کو سیدھے رستہ پر نہ چلا سکا تو کیا ثبوت ہے اس امر کا کہ اپنے صحابیوں کے دل میں اس نے اسلام کا گہرا نقش قایم کر دیا اور کیوں شور و غل مچایا جاتا ہے جب صحابہ کی بے ایمانیاں ظاہر کی جاتی ہیں کہ جن لوگوں نے رسول کی صحبت پائی ہے اُن سے اپنی امید نہیں ہو سکتی اپنی اولاد پر انسان کا سب سے زیادہ زور ہوتا ہے اور کوئی انسان خواہ وہ کسی طبقہ کا ہو

اپنی اولاد کی تربیت اخلاق میں کسی دقیقہ کو فروگذاشت نہیں کرتا پھر جب حضرت پیغمبر کو خود اپنی اولاد کے بارے میں ناکامیابی ہوئی جبکہ وہ خاص طور سے مبعوث ہوئے تھے تو دوسروں کے معاملہ میں کوئی وجہ نہیں جو انہیں ناکامی ہو جب اولاد پیغمبر ہی مفرق اسلام ہوئی تو صحابہ اور وہ صحابہ جن کی نسبت شمس العلماء کا دعوے ہے کہ ان کے سبب سے اسلام کی بنیاد قایم ہوئی۔ یقیناً دشمن اسلام مخرب اسلام اور غارت گر اسلام قرار پائیں گے

حضرت پیغمبر کا بیٹا اگر زندہ رہتا تو وہ شاید پسر نوح ثابت ہوتا۔ ہم بھی اس قیاس کو تسلیم کرتے ہیں مگر شمس العلماء نے اس قیاس کے لئے کوئی اچھی دلیل نہیں قایم فرمائی۔ ہم یہ اضافہ کئے دیتے ہیں۔ شمس العلماء کو ہمارا ممنون ہونا چاہئے۔ دلیل نہایت صاف ہے اور لطف یہ کہ قرآن سے حاصل ہوتی ہے قرآن میں حضرت پیغمبر کی بیوی کو صاف کیوں نہ کہیں کہ عائشہ کو زوجہ نوح سے تشبیہ دی گئی ہے ان کے شکم اقدس سے اگر کوئی صاحبزادہ تولد ہوتا تو وہ بیشک پسر نوح ہی ثابت ہوتا۔ کیوں کہ ہندی مثل ہے "ماں پر پوت پتا پر گھوڑا بہت نہیں تو تھوڑا تھوڑا"۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اب ہمیں شمس العلماء کے اس ارشاد پر نظر کرنی چاہئے کہ میت پیغمبر کی نقل تفریق اسلامی کا سبب ہوئی ہم جہاں تک اس معاملہ پر غور کرتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے خداوند عالم اس غلطی کا مرتکب ہوا دنیا مزے میں چین کر رہی تھی الکفر ملۃ واحدۃ کا دور دورہ تھا۔ مذہبی اختلاف نیست و نابود تھے ایک خدا تھا جس میں سب کے سب خواہ ننگے تھے خواہ ڈھکے۔ مگر یہ صورت تو نہ تھی کہ ہندو مسلمانوں کے دشمن مسلمان ہندوؤں کے عیسائی یہودیوں کے ساتھ جوتی پیزار کر رہے ہیں اور یہودی ان کو کھائے جاتے ہیں بیٹھے بیٹھے خدا کو یہ سوجھی کہ اس نے پیغمبر بھیجنے شروع کر دئے۔ جیسے تفرقہ کی بنیاد قایم ہو گئی۔ جس سے انسانی تمدن میں اسقدر خرابی واقع ہوئی جو محتاج بیان نہیں غنیمت ہوتا اگر خداوند عالم موسی و عیسی کے سوانحات سے عبرت حاصل کر کے آیندہ کو یہ سلسلہ موقوف کر دیتا مگر اسے اپنی غلطی پر اصرار رہا اور اس اصرار کا یہ نتیجہ ہوا کہ اس نے مکہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ) کو مبعوث کر دیا اور پھر از سر نو خونریزی کی وہ چنگاری جو بجھ چلی تھی چمک اٹھی اور ایسی چمکی جس نے اپنے حریفوں کو تو جلایا ہی تھا مگر خود ان لوگوں کو جلائے بغیر نہ چھوڑا جو پیغمبر کے دوست اور خدا کے مطیع کہلاتے تھے - ہزاروں عورتیں بیوہ ہو گئیں۔ لاکھوں بچے یتیم ہو گئے۔ تمام عرب میں ایک مخمصہ پھیل گئی۔ مخالف پیغمبر الگ پریشان۔ پیغمبر الگ ہراساں نالاں

کو چین نہ ان کو آرام۔ چلو خیر یہاں تک بھی اگر معاملہ رہتا تو ہم سمجھتے کہ رنجیدہ بود بلائے و لے بخیر گذشت
مگر معلوم ہوتا ہے کہ خدا کو بھی اس کشاکشی میں مزہ آتا ہے۔ پیغمبر کے منہ سے کہلوا دیا قل لا اسئلکم علیہ
اجراً الا المودۃ فی القربیٰ اس پر بھی بس نہ کی اور مرتے مرتے پیغمبر کی زبان پر جاری کرا دیا انی
تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی پس پیغمبر کا یہ کہنا
تھا کہ قیامت برپا ہو گئی وہ لوگ جو بیچارے خدا جانے کن کن امیدوں پر آبائی دین سے دست بردار
ہوئے تھے اُن پر تو ایک بجلی سی گر گئی اُن کے تو اوسان جاتے رہے اور اُن کا خیال بھی ایک طرح
ٹھیک تھا۔ پیغمبر نے ساری عمر اپنے دروازے پہ ناک گھسوائی اور چلتے چلتے اپنی عترت کی اطاعت
کا پھندا اُن کے گلے میں ڈال دیا۔ آخر وہ بھی انسان ہی تھے۔ عرب کی آب و ہوا کی آزادی
اُن کے رگ و پے میں ساری تھی۔ رسیاں تڑا یہ جا وہ جا پلٹ کر بھی تو نہ دیکھا کہ پیغمبر کہہ کیا رہا ہے
اور اسی غصہ کے باعث پیغمبر کی تجہیز و تکفین میں بھی شرکت کے روادار نہ ہوئے اور جھٹ پٹ میدان
خالی دیکھ بادشاہ بن بیٹھے۔ اہلبیت کو اس موقع پر چاہیے تھا کہ وہ خموشی کے ساتھ اس بات کو برداشت
کرتے اور کم سے کم یہ بات سوچ لیتے کہ ان لوگوں نے اپنے آبائی بزرگوار کا طریقہ جو چھوڑا ہے
وہ اسی لالچ سے تو چھوڑا ہے۔ اسی امید پر تو چھوڑا ہے چلو ان کو بھی چین کر لینے دو مگر چونکہ خدا
ہی سے غلطی ہوتی آ رہی تھی۔ اہلبیت اس غلطی کے مرتکب ہو گئے کہ اگر یہی حال رہا تو ہمارے سردار کا
لگایا ہوا پودا ان اناڑی باغبانوں کے ہاتھوں برباد ہو جائے گا اس خیال سے انہیں حرب و ضرب سے
روکنا شروع کر دیا وہ لوگ ایک تو خود پیغمبر سے ہی جلے بیٹھے تھے۔ پھر دیکھا کہ اب یہ خارج ہوتے
ہیں تلوار کھینچ کر سامنے کھڑے ہو گئے زمانہ کا یہ قاعدہ ہے کہ خواہ کوئی اچھا ہو یا برا یہ سب کا ساتھ
دینے کے لئے تیار رہے بلکہ بروں کے طرفدار ہمیشہ زیادہ ہوا کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنے دعوے کو ثابت
دینے کے لئے ہمیشہ لوگوں کو جائز و ناجائز طریقے سے اپنا ہمزبان بنانے کے لئے کوشاں رہتے
ہیں اور اچھوں کو اس بات کی پروا نہیں ہوتی اسی طرح اسلام میں بھی دو گروہ ہو گئے ایک قلیل جماعت
اہلبیت کی طرفدار ہو گئی اور مومن اور دیندار مسلمانوں کا ایک عظیم الشان گروہ مخالفین اہلبیت کے ساتھ
ہو گیا۔ یہی دونوں گروہ شیعہ و سنی کے نام سے موسوم ہیں اور ان میں جو اختلاف واقع ہوا ہے وہ
اب خدا ہی مٹائے تو مٹائے۔ دنیا میں تو مٹ نہیں سکتا۔ پس شمس العلماء کا یہ اعتراض کہ نبی نے

پیغمبر نے اسلام کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے، درحقیقت خدا اور رسول پر ہونا چاہیے۔ جنہوں نے غلطی سے انہیں اسلام کا ہادی اور اولوالامر قرار دے دیا تھا یہ ہیں زمانہ کی نیرنگیاں اور یہ ہے اہل زمانہ کا انصاف ہائے افسوس ؎

منصفی دنیا سے ساری اٹھ گئی   اٹھ گئی ایمان داری اٹھ گئی

اگر کسی خاندان میں کسی حقدار کے طلب حق کرنے کی بنا پر دو گروہ ہو جائیں ایک مخالف دوسرا موافق تو غالباً ڈپٹی صاحب شمس العلماء اسی طالب حق کے لیے اپنی مجسٹریٹی کے انتہائی اختیارات عمل میں لائیں گے اس بنا پر کہ یہی شخص باعث تفریق خاندان ہوا ہے شمس العلماء سلمہ کو اس کا بھی ایک گونہ افسوس ہے کہ پیغمبر کی بیٹی کیوں زندہ رہی عمر صاحب نے بھی اس نکتہ کو سمجھا تھا اور اسی لیے انہوں نے فاطمہ کے جلدی ہی دنیا چھڑا دی۔ مگر عمر صاحب کا یہ فعل کچھ زیادہ مفید نہیں ہوا۔ بیش بریں نیست کہ عائشہ وابوبکر وغیرہ کے قلب کو ایک طرح کی راحت حاصل ہو گئی مگر نسل فاطمہ تو باقی رہ ہی گئی جو بقول شمس العلماء بنائے فساد ہے ہاں اگر کم سنی کی حالت میں بنت رسول سے دنیا خالی کر دی جاتی۔ پھر بے شک یہ ہمارا خرخشہ مٹ جاتا۔ مگر رسول اللہ کے سامنے پسر ضحاکہ کا یہ حوصلہ نہیں ہو سکتا تھا۔

شمس العلماء پیغمبر صاحب نے باختیار۔ خود فقر و فاقے میں زندگی بسر کی اور وہ اسی کو دوست بھی رکھتے اور اپنے حق میں ایسی ہی زندگی کی دعا کیا کرتے تھے کہ اللھم¹ احینی مسکیناً وامتنی مسکیناً واحشرنی فی زمرۃ المساکین اور اپنی نسل کے حق میں فرمایا کرتے تھے اللھم² اجعل رزق آل محمد کفافاً نسل سے قناعت نہ ہو سکی گی۔ لگے سلطنت کے خواب دیکھنے اپنا ادب بھی کھو بیٹھے ؎

ایں ہم رفت وآں ہم رفت   در پے جاناں جاں ہم رفت

ہم: شمس العلماء بار بار ایک بات کو دہراتے ہیں اور چونکہ ان کی نگاہیں اصلیت کو نہیں جانچ سکتیں اسی لیے وہ اپنی اس دلیل کو ایک زبردست دلیل سمجھتے ہیں جس کے بار بار ذکر کرنے میں انہیں ایک لطف خاص حاصل ہوتا ہے حضرت پیغمبر بے شک فقر و فاقے میں زندگی بسر کرتے تھے مگر ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنی بادشاہت سے ہاتھ نہیں اٹھایا جو خداوند کریم نے انہیں عطا فرمائی تھی خداوند عالم نے وعدہ

---

¹ خداوندا مجھے محتاجی میں زندہ رکھیو اور محتاجی ہی میں مار یو اور محتاجوں کے ہی زمرے میں اٹھائیو

² پروردگارا آل محمد کا رزق بقدر کفاف مقرر فرما۔

استخلاف کو ان کی حیات میں پیدا فرما دیا تھا نبوت کے ساتھ بادشاہت بھی انہیں عطا فرمائی تھی حضرت کا یہ فقر و فاقہ افلاس کی وجہ سے ہرگز نہیں تھا وہ غنی تھے وہ تونگر تھے جو ایک نعمت الٰہی ہے جسے پروردگار عالم یاد دلاتا ہے وجدک عائلا فاغنی دیکھتے خدا نے ایک درویش عیال دار پایا (اور غنی کر دیا) پس رسول اللہ کا یہ فقر و فاقہ باختیار خود تھا اور جس سے وہ اپنی آیندہ نسل کو جسے وہ حاکم بنانا چاہتے تھے، ایک سبق دینا چاہتے تھے کہ بادشاہ کو اس طرح گذر کرنی چاہیے کیونکہ اگر بادشاہ عیش و نشاط میں مشغول ہوا تو امور رعیت میں یقیناً فساد پیدا ہوگا اور وہ احکام خدا و رسول سے غافل ہو جائیگا چنانچہ ان کے اہلبیت نے اُن کی زندگی میں اسی پر عمل کیا اور اُن کے بعد چند روزہ خلافت جو حضرت امیرؑ کو ملی اس میں انھوں نے ثابت کر دکھایا کہ رسول اللہ کی سچی پیروی کرنے والے ہمیں ہیں۔ جو کے بے چھنے آٹے کی روٹی نمک کے ساتھ اس خلیفہ برحق کی غذا تھی ہاں فقراء و مساکین کے لئے اُن کا دستر خوان وسیع تھا۔ علیٰ ہذا دیگر ائمہ برحق کو بھی اگر سلطنت ظاہری میسر آتی تو اسی پر عمل پیرا ہوتے جو طریقہ رسول اللہ نے انہیں تعلیم فرمایا تھا اور وہ ہر حالت میں ایسے ہی عامل رہے ہیں اگر کبھی کچھ مل بھی گیا تو فقراء اور مساکین کے حوالے کر دیا۔ اپنے لئے وہی طریقہ آبائی اور یہی معنی ہیں اللھم اجعل رزق آل محمد کفافاً کے۔ نہ وہ جو شمس العلماء سمجھے ہیں قناعت اسکو ہرگز نہیں کہتے کہ ایک آدمی اپنے حقوق کو پامال ہوتا ہوا دیکھے اور خاموش رہے قناعت کے جوہر اسیوقت کھلتے ہیں جب آدمی کو ایک چیز میسر ہو اور پھر وہ اپنے نفس کو اس سے منع کرے محض خوشنودی خدا اور دیگر بندگان خدا کو فائدہ پہنچانے کے لئے۔ ورنہ وہ بخل ہو جائے گا اگر انسان اس کا مصداق ہوگا "نہ بخود خورم نہ بتو دہم۔ گندہ کنم و بسگ دہم" اور جب انسان کو ایک چیز میسر ہی نہیں اور عدم تیسر کی وجہ سے وہ اس کا استعمال نہیں کر سکتا تو یہ قناعت نہیں ہے یہ تو عصمت بی بی از بے چادری ہے۔ رسول اللہ نے جس قناعت کی تعلیم اپنی اولاد کو دی تھی وہ یہی تھی کہ تم بادشاہ ہو کر بھی اپنے لئے بقدر کفاف پر راضی ہونا چنانچہ اولاد نے اس حکم کو بسر و چشم قبول کیا۔

اب رہی سلطنت کی ہوس۔ ہم خیال کرتے ہیں کہ اگر کوئی خاندان اپنے جائز حقوق سے محروم کر دیا جائے اور وہ وقتاً فوقتاً ان کے حصول کی کوشش کرے اس کوشش کو اہل عقل تو "ہوس" کہہ نہیں سکتے ہاں شمس العلماء کو اختیار ہے۔

شمس العلماء: ۔ حضرت علی کو ہی خلافت کی کرسی پر بیٹھ کر کتنی فتوحات حاصل ہو گئیں بے چارے صرف چار

برس نو مہینے خلافت کے ساتھ نام زندہ رہے اور شروع ہی میں اندرونی خانہ جنگیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اس سے فارغ ہوئے تو معاویہ نے خلافت پر قبضہ کیا اور اب وہ برائے نام خلیفہ باقی رہ گئے۔

ہم حضرت علیؑ کو خلافت کی کرسی پر بیٹھ کر فتوحات حاصل ہوتیں تو کہاں سے ہوتیں۔ عائشہ نے ابتدا ہی میں فتنہ پردازی کی خون عثمان کی طلبگار ہو گئیں پھر بیدرنگ چڑھ دوڑیں۔ طلحہ اور زبیر نے اور بھی اکسایا یہ وہی عائشہ ہیں جو چند روز پہلے عثمان کے لئے کہا کرتی تھیں اقتلوا نعثلا قتل اللہ نعثلا اس نعثل ریش دراز یہودی کو قتل کرو خدا اس نعثل کو قتل کرے شمس العلماء نے اس واقعہ کو بھی ذرا غلط پیرائے میں دکھایا جاتا ہے۔ چنانچہ وہ اسی کتاب میں ایک جگہ فرماتے ہیں طلحہ اور زبیر اور جن لوگوں نے علی کی بیعت کو تسلیم نہیں کیا انکا منشا یہ تھا کہ پہلے قاتلین عثمان سے انتقام لے لیا جائے۔ پھر خلافت کی بیعت کا سلسلہ شروع ہو۔ علی کرم اللہ وجہ اپنی خلافت کی خیر مناتے اور کہتے تھے کہ میری بیعت کا سلسلہ تمام شہروں میں پھیل جائے اور خلافت اچھی طرح اپنے پاؤں جما لے تو پھر قاتلین عثمان کے بارے میں تفتیش کی جائے اور اگر ابھی سے مقدمہ کا کھوج لگایا جائیگا تو قاتلین عثمان کو سزا دی جائے گی تو تمام شورش و بغاوت کی آگ جو ذرا مدہم پڑ گئی ہے فوراً بھڑک اٹھے گی اور ایسی بھڑکے گی کہ پھر اس کا بجھانا مشکل پڑ جائے گا طلحہ و زبیر اور مصر و شام کے علما کہتے تھے کہ اخذ قصاص حکم منصوص ہے اور حکم منصوص میں تاخیر کرنے سے معطلی بالشرع خدا کا مجرم اور گنہگار ٹھیرتا ہے اس لئے ہمیں سب سے پہلے قاتلین عثمان سے قصاص لینا ضرور ہے بس اتنی سی بات پر طلحہ اور زبیر اور علی اور انکے ساتھی ناراض ہو کر مکے چلے گئے۔ اسی سال ام المومنین بی بی عائشہ حج کرنے مکہ تشریف لائی تھیں یہ لوگ ان کو ساتھ لے کر بصرے پہنچے کہ وہاں سے کچھ جمعیت فراہم کر کے قاتلین عثمان سے انتقام لیں مشہور ہو گیا کہ طلحہ اور زبیر اور ام المومنین عائشہ لشکر جرار فراہم کرنے اور علی کرم اللہ وجہ سے مقاتلہ کرنے کی غرض سے بصرے گئے ہیں اور عنقریب افواج کثیرہ کے ساتھ مدینے پر حملہ آور ہوتے ہیں حضرت علیؑ یہ افواہ سن کر مدینے سے باہر نکلے اور بیعت کردہ جمعیت کے ساتھ آندھی کی طرح سرحد عراق پر پہنچ گئے ایک وسیع میدان میں دونوں لشکروں کی مڈ بھیڑ ہوئی اور فریقین کے ناسمجھ لوگوں کے اشتعال سے دونوں طرف سے لڑائی پر آمادگی ظاہر ہو گئی۔ الخ

اگر طلحہ و زبیر اسی اختلاف کی بنا پر حضرت علیؑ سے بگڑے تھے جو شمس العلماء نے تحریر فرمایا ہے تو

دیکھنا یہ ہے کہ علی اس معاملہ میں برسرِ صواب تھے یا کیا؟ اگر انصاف سے دیکھیے تو یہ رائے سراسر صواب پر مبنی تھی قاتلین عثمان ایک دو آدمی نہیں تھے وہ ایک زبردست گروہ تھا طلحہ و زبیر تو وقت قتلِ عثمان مدینہ میں موجود تھے ہی اسوقت ان کی حمیت اسلامی اور قرآن دانی کہاں تشریف لے گئی تھی کہ سارا معاملہ دیکھا کئے اور دم تک نہ مارا رہا مصر و شام وغیرہ کے علما کا قول استغفر اللہ ان لوگوں کو استنجا کی تمیز تو تھی ہی نہیں اور نہ آجتک اُن کے پیروؤں کو ہے ان کا یہ قول اگر تھا بھی تو زیح تنزے زیادہ وقعت نہیں رکھتا خدا کی شان ہے جس کے لئے رسول نے فرمایا ہو انا مدینۃ العلم و علی بابہا جسے شمس العلما بھی تسلیم کرتے ہوں اس کے مقابلے میں یہ لوگ قرآن سے استدلال کریں. علی ہر حال میں اُن سے زیادہ واقف رموز شریعت تھے لیکن اصل یہ ہے کہ طلحہ و زبیر کا یہ اختلاف اس وجہ سے نہ تھا جو شمس العلما نے تحریر فرمائی ہے بات یہ تھی کہ ان کے منہ کو تو خون لگا ہوا تھا خون ان کا خیال تھا کہ جس طرح شیخین کے زمانے میں ہمیں برُ دلتی رہی ہے اور تر بتر لقموں سے ہمارے پیٹ بھرتے رہے ہیں۔ وہی حال علی کی خلافت کے زمانہ میں بھی ہوگا اور یہ خیال یوں اور بھی قوی ہو گیا تھا کہ علی ان کے قریبی رشتہ دار تھے۔ مگر یہاں حکم خدا و رسول کے سامنے نہ کسی رشتہ داری روا تھی نہ کسی بھائی بندی کی۔ عقیل کی ساتھ جو گذری ہے اس سے غالباً شمس العلما بھی نا واقف ہوں گے اسی خیال سے یہ دونوں طلحہ و زبیر اپنے حقوق جتانے اور سب مسلمانوں سے زیادہ اپنا حصہ مقرر کرانے رات کے وقت علی کے پاس پہنچے اسوقت آپ بیت المال کا حساب کر رہے تھے۔ جب یہ جا کر بیٹھے تو آپ نے چراغ گل کر دیا۔ انھوں نے حیران ہو کر وجہ پوچھی آپ نے فرمایا کہ یہ چراغ بیت المال سے تھا جب تک بیت المال کا کام ہوا اسے جلائے رکھا اس کی روشنی ہماری تمہاری باتوں کے لئے جائز نہیں یہ سنکر دونوں کے دونوں سناٹے میں آگئے اور سمجھ گئے کہ جس شخص کا یہ حال ہو اس کے سامنے ہماری کیا دال گل سکتی ہے۔ یہ حصہ سے زیادہ ایک جھنجھی کوڑی ہمیں دوا لیں نہیں غرض یہ اپنا مدعا ظاہر کیے بغیر چلے گئے اور خون عثمان کا بہانہ دل میں گانٹھ مکے کو روانہ ہو گئے ادہر عائشہ حج کر کے مکے سے واپس چلی آرہی تھیں جب مدینہ کے قریب پہنچیں تو ایک عورت کے منہ سے انہیں علی کی سریر آرائے حکومت اور عثمان کے قتل ہونے کی خبر ملی۔ جسے سنکر انھوں نے ایک آہ کھینچی اور فرمایا کاش میں مر جاتی اور یہ خبر سنتی (کہ علی کو حکومت مل گئی) واللہ عثمان بے خطا مارا گیا یہ فرما کر اونٹ کی نکیل پھیر دی

اور مکے کو ہوئیں وہاں جاکر یہ سب کے سب مل گئے اور قصاص عثمان کا بہانہ رکھ جاہل مسلمانوں کو بہکا بہکا کر ساتھ لے بصرے پہنچ گئے اور جاتے ہی مار دھاڑ۔ قتل و غارت میں مصروف ہو گئے علیؑ کو جب خبر ملی تو آپ نے لشکر سمیت بصرے کا رخ کیا کیونکہ باغیوں کی سرکوبی ایک لازمی امر تھی جب دونوں لشکروں کا سامنا ہوا ہے اسوقت طلحہ و زبیر کو بلا کر جو نصیحتیں کی ہیں کاش شمس العلماء انہیں ملاحظہ فرمائیں یہاں تک کہا کہ تم لوگوں کو شرم نہیں آتی کہ اپنی عورتوں کو پردے میں بٹھایا ہے اور ناموس رسول کو میدان جنگ میں لائے ہو مگر چونکہ بغاوت کا جن سر پر سوار تھا ان لوگوں نے ایک نہ مانی مجبوراً لڑائی شروع ہوئی۔ ہزارہا آدمی کا خون بہ گیا۔ طلحہ و زبیر میں سے ایک تو مروان کے تیر کی نذر ہوئے دوسرے جو لڑائی سے بچ کر نکل گئے تھے۔ ایک جنگل میں ایک دوسرے شخص کے ہاتھ سے قتل ہوئے جن کا سر علیؑ کے پاس لایا گیا جسے دیکھ کر قاتل و مقتول دونوں کو جہنم کی بشارت دی۔ بی بی عائشہ صاحبہ کے اونٹ کے جب پاؤں قطع ہو گئے تو وہ مع ہودج زمین پر تشریف لائیں اور علیؑ نے رسولؐ کا پاس کر کے انہیں عزت و آرام کے ساتھ مدینے روانہ کیا۔

اب کوئی اہل نظر دیکھے کہ اس میں علیؑ کا کیا قصور تھا طلحہ و زبیر بگڑے تو انھوں نے خلیفہ وقت سے بغاوت کی مگر شمس العلماء انکی نسبت بغاوت کا لفظ استعمال نہیں کر سکتے کیونکہ یہ لفظ ان کی ڈکشنری میں فقط آل رسول کے لئے مختص ہے ان کو باغی کہدیں تو سنیت کی دیوار متزلزل ہو جاتی ہے اور صحابی کالنجوم کی تحقیق لازم آتی ہے اب رہیں عائشہ حضرات سنیہ کی مجتہدہ انھوں نے اتنا بھی نہ سوچا کہ خدا نے ہمارے لئے وقرن فی بیوتکن فرمایا ہے۔ بقول میر زرار فیع السودا ؎

لڑائی وہ جو لڑکیوں میں کھیلے نہ کہ لونڈوں میں جاکے ڈنڑ پیلے

یہ اپنی عزت و حرمت کو برباد کر کے بلکس فوجوں کی کمان کرنے۔ حقیقۃً اسلام میں یہ پہلی شیر دل اور جنگ آزما عورت ہے جس پر سواد اعظم کے اکثر حضرات فخر بھی کرتے ہیں۔

شمس العلماء باایں ہمہ تاویلات عائشہ کے اس فعل کو اچھی نظر سے دیکھتے ان کی صدھا کاوش کو جو انہیں جناب علیؑ سے تھی اسی ترپاہٹ سے تعبیر فرماتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں کہ خاص علیؑ کی طرف سے ان کا بغض صاف نہ تھا اور دبی زبان سے یہ بھی کہتے ہیں کہ بات مردوں میں ہو رہی تھی۔ عائشہ کو بھی دخل دینا نامناسب تھا اور دخل بھی ایسا کہ کشت و خون میں شریک۔

غرض خلافت کے شروع ہوتے ہی یہ فتنہ عائشہ اور طلحہ و زبیر نے اُٹھایا اسکا استیصال ہوا ہی تھا کہ معاویہ نے بغاوت پر کمر باندھی اور وہی خون عثمان کا بہانہ - حالانکہ اسی معاویہ کو عثمان صاحب نے جب وہ محاصرہ میں تھے مدد کے لئے بلایا مگر اس نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کی - علی کی مسند خلافت پر بیٹھتے ہی اسے قصاص کی سوجھی اور ایسی سوجھی کہ اسلام کا ستیاناس ہی کر دیا - انہیں آستینوں کے سانپوں نے علی کو ایک دن بھی بیٹھنے نہ دیا - آخر انہیں ایام میں ابن ملجم مرادی ملعون کی زہر آلود تلوار نے اس خلیفہ برحق کی برکت سے دنیا کو خالی کر دیا اب شمس العلماء ہی فرمائیں کہ ان صورتوں میں کیونکر فتوحات ہو سکتی تھیں ہم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ اگر عمر صاحب کو اس قسم کی مشکلات پیش آتیں تو وہ اُن کے دور کرنے میں بہت جلد کامیاب ہو جاتے ان کے نزدیک طلحہ و زبیر و عائشہ و معاویہ وغیرہ کو گانٹھ لینا کتنی بڑی بات تھی مگر افسوس ہے کہ وہ طریقہ اسلام کے خلاف تھا - علی سب کچھ جانتے تھے وہ ان حیلوں اور سوتوں سے ناواقف نہیں تھے (جیسا کہ انھوں نے اپنے متعدد خطبات میں ارشاد فرمایا ہے دیکھو نہج البلاغہ) مگر چونکہ وہ طریقہ اسلام کے سالک تھے اس لئے ان امور کو سخت ناپسند فرماتے تھے اور وہ مسلمانوں کو اسی رستے پر قایم کرنا چاہتے تھے جو رسول نے جاری فرمایا تھا -

سخت غلطی یہ ہے کہ شمس العلماء اور اُن کے ہم دنیا طلب مذہب خلافت کو فتوحات کی کسوٹی پر رکھتے ہیں اور یہی وہ امر ہے جس نے غیر مذاہب کو دلیر بنا دیا ہے کہ وہ اسلام پر بزور شمشیر پھیلنے کا اعتراض کریں ضرور ہے کہ اسلام فتوحات کی بھی اجازت دیتا ہے اسلام حکومت کی بھی رخصت دیتا ہے مگر ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتا ہے کہ جائز فتوحات سے فائدہ اُٹھاؤ - نیکی اور خدا اور رسول کے طریقہ پر مستحکم قایم ہو کر حکومت کرو اگر یہ بات نہیں تو پھر ایک اسلامی سلطان اور دیگر شاہان جور میں مابہ الامتیاز کوئی شے نہیں رہتی اگر کوئی بادشاہ جو مذہباً مسلمان ہو اور ملک گیری کی ہوس میں چاروں طرف حملے شروع کر دے اور اس میں وہ کامیاب بھی ہوتا جائے تو اس طرز عمل سے وہ اسلام کی گردن پر کوئی احسان نہیں رکھتا وہ جو کچھ کرتا ہے اپنے فائدہ کے لئے کرتا ہے اور خدا کے ہاں وہی عبادت قبول ہے جو خالصتہً لوجہ اللہ واقع ہو پس اگر عمر صاحب نے فتح ممالک میں حصہ لیا تو کونسا کمال کیا بادشاہوں کا یہ خاصہ ہوتا ہی کہ ملک پر ملک لئے جاتے ہیں لیکن ع ہمچناں در بند اقلیمے دگر

محمود غزنوی نے ہندوستان پر بارہ حملے کئے اور ہر حملہ میں لاکھوں روپیہ اور ہزاروں مرد و عورت کو

یہاں سے کڑے گیا یہ کثرت تھی کہ غزنی کے بازاروں میں ایک ایک روپیہ کو لونڈی اور غلام بکتے تھے ان حملوں کو جہاد سے تعبیر کرنا یہ سواد اعظم کا ہی کام ہے اور اس قسم کی فتوحات سے کچھ ہی لوگ خوش ہو سکتے ہیں۔

شمس العلماء: علیؑ کے انتقال کے بعد اُن کے بڑے فرزند حسنؑ نے خلافت پر بہت زور دیا۔ مگر چھ مہینے کے اندر ہی اندر ان کو بھی خلافت سے دست بردار ہونا پڑا اب سلطنت کی باگ معاویہ کے ہاتھ میں رہی اور اُس کے مرنے پیچھے اُس کی نسل میں یہ سلسلہ جاری رہا۔

ہم: بے شک شہادت علی مرتضیٰؑ کے بعد امام حسن علیہ السلام تخت خلافت پر بیٹھے اور چونکہ یہ بھی مسلمانوں کے ساتھ حکم خدا اور رسول کے مطابق برتاؤ کرنا چاہتے تھے۔ عرب کے وحشی اس کی تاب نہ لائے اور معاویہ کی رشوتوں نے بڑے بڑے سرداروں کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ اور تو اور عبد اللہ ابن عباس جیسا آدمی طمع میں آگیا اور معاویہ سے جا ملا اب مجبوراً آپ نے صلح کر لی اور ان شرطوں پر خلافت معاویہ کو سونپ دی کہ فلاں صوبہ کی آمدنی ہمیں دی جائے دوم یہ کہ ہمارے پدر بزرگوار علی ابن ابیطالب کو سب و شتم سے یاد نہ کیا جائے سوم یہ کہ یزید کو اپنا خلیفہ مقرر نہ کرے اسوقت معاویہ نے سب کچھ قبول کر لیا مگر بعد میں عمل ایک پر بھی نہیں کیا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ امام حسنؑ کو جس سے اب کسی قسم کی مخالفت کی امید بھی نہ تھی زہر بھی دلوا دیا گیا۔

شمس العلماء: اس وقت نسل فاطمہ کو اپنے محترم نانا کی طرح چاہیے تھا صبر و قناعت

ہم: اس سے زیادہ اور کیا صبر و قناعت کرتے آخر شمس العلماء ہی فرمائیں۔ خلافت حوالے کر دی۔ گوشہ نشین ہو گئے کسی کھلے معاملے سے سروکار نہ رکھا مگر اسکا کیا علاج کہ رسول اللہ کی امت ان گوشہ نشینوں سے بھی خوشنود نہ ہوئی۔ جیسا اُن کے محترم نانا نے کفار کے مقابلے میں صبر کیا تھا ایسا ہی انھوں نے ان ناہنجاروں کے مقابلے میں کیا مگر اسپر بھی چین نہ ملا۔

شمس العلماء: مگر علیؑ کے دوسرے فرزند حسینؑ نے معاویہ کے بیٹے یزید کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا اور کوفے میں آکر اپنی خلافت پر لوگوں سے بیعت لی۔

ہم: اب نہیں معلوم ہوا کہ میرزا حیرت کی طرح شمس العلماء کو بھی فن تاریخ میں ایکخاص دستگاہ حاصل ہے اول الذکر کا قول ہے کہ حسینؑ قسطنطنیہ چلے گئے دوسرے فرماتے ہیں کہ انھوں نے کوفہ میں آکر بیعت لی۔

maablib.org

سبحان اللہ جس قوم کے شمس العلماء کا یہ حال ہے اس کے جاہل افراد کا خدا جانے کیا حشر ہوگا۔
مکرم و معظم۔ شمس العلماء حسینؑ ہرگز کوفے نہیں گئے بات اصل یہ ہے کہ یزید نے تخت پر بیٹھتے ہی والی مدینہ
کو لکھا کہ حسینؑ سے یا تو بیعت لے اگر انکار کریں تو ان کا سر میرے پاس بھیجدے۔ شمس العلماء دیکھیں کہ
اہلبیت کی مسلمان کیا قدر کر رہے ہیں جن سے تمسک کرنے کا حکم رسول اللہ نے دیا تھا جب والی مدینہ نے
حسینؑ کو بلا کر یہ امر ان کے سامنے پیش کیا آپ نے انکار کیا اور انکار کرنا ہی چاہیے تھا شمس العلماء اس بات
کو خوب جانتے ہیں کہ یزید جو اول درجہ کا زانی شرابخوار اور اپنی محرمات کو بھی چھوڑنے والا نہ تھا اس
کی بیعت اگر حسینؑ کرتے تو بس اسلام اسی دن غارت ہو جاتا خیر غرض انکار بیعت کر کے آپ مدینہ سے نکلے اور
نہایت درد و یاس کے ساتھ روضۂ رسول سے رخصت ہوئے مکہ میں آئے اور یہ خیال کیا کہ حرم خدا
میں تو پناہ مل سکے گی۔ لیکن افسوس کہ آپ کو وہاں بھی پناہ نہ مل سکی اور آپ کو معلوم ہو گیا کہ اگر میں
یہاں رہا تو یہ ملاعنہ یہیں میرا خون بہائیں گے اور اس طرح حرمت کعبہ میں فرق آئیگا۔ مجبوراً آپ کو یہاں
سے نکلنا پڑا اسی اثنا میں کوفیوں کے خطوط آئے کہ یا ابن رسول اللہ یہاں زراعتیں لہرا رہی ہیں بشجر
میووں سے لدے ہوئے ہیں۔ ہمارا کوئی امام نہیں آپ تشریف لائے۔ ہمیں ہدایت فرمائیے اور ہم یزید کی
خلافت سے بیزار ہیں وغیرہ وغیرہ اس قسم کے مضامین ہوتے تھے اور ایک آدھ اٹھارہ ہزار خط پہنچے
اٹھارہ ہزار جن میں سے بعض بعض میں فقرے یہ بھی تھے کہ اگر آپ نہ آئے تو قیامت کے روز ہم رسول اللہ
سے آپ کی شکایت کریں گے کہ ہم نے حسینؑ کو ہدایت کے لیے بلایا اور انھوں نے قبول نہ کیا چونکہ وہ
حجۃ اللہ تھے امام مفترض الطاعت تھے ہدایت ان کا فرض تھا اس لئے پہلے آپ نے مسلم ابن عقیل کو
کوفے روانہ کر دیا کہ وہاں کے حالات دریافت کریں حضرت مسلم وہاں پہنچے تو پہلے ہی دن اٹھارہ
ہزار آدمیوں نے بیعت کر لی اور یزید کو جب یہ خبر گئی۔ تو اس نے ابن زیاد کو والی کوفہ بنا کر بھیجا
جس نے آتے ہی لوگوں کو ڈرانا دھمکانا شروع کیا الکوفی لایوفی مثل مشہور ہے سب آدمی مسلم سے
پھر گئے انجام یہ کہ حضرت مسلم کی وہیں شہادت ہوئی۔ حسینؑ مکہ سے نکل چکے تھے رستے میں ان کو خبر شہادت
ملی اس پر آپ نے آیہ انا للہ و انا الیہ راجعون تلاوت فرمائی اور سفر کا رخ بدل دیا اسی اثنا میں ابن زیاد
نے فوجیں روانہ کر دیں کہ حسینؑ واپس جانے پائے چنانچہ حر ابن ریاحی ایک جنگی رسالے کے ساتھ حضرت سے
دوچار ہوا اور اس نے عرض کی کہ مجھے حکم ہے کہ میں آپ کو ابن زیاد کے دربار میں لے چلوں۔ اس پر بہت کچھ

زبانی بحث ہوئی۔ آخر حُر نے یہ کہا کہ اچھا اگر آپ کوفہ نہیں چلتے تو مکہ بھی واپس نہیں جا سکتے اپنے لئے کوئی اور رستہ تجویز فرمائے اس طرح مجبور ہو کر آپ نے اپنے گھوڑے کی باگ پھیری اور محرم کی دوسری تاریخ کو صحرائے کربلا میں آکر لب فرات خیمے برپا کر دئے ابن زیاد کو تو دم دم کی خبر پہنچ رہی تھی۔ چنانچہ ان گنت بیشمار فوجیں کربلا میں اُترنے لگیں ایک غریب سید کا خیمہ ریتی میں برپا کرا دیا گیا تمام گھاٹوں پر یزیدی فوج نے قبضہ کر لیا اب نامہ و پیام ہونے لگے ادھر سے یہ اصرار تھا کہ یزید سے بیعت کرو اُدھر سے یہ جواب تھا کہ یہ ایک امر ناممکن ہے تم مجھے میرے حال پر چھوڑ دو میں سلطنت نہیں چاہتا حکومت نہیں چاہتا میں اپنے اہل حرم کو ہمراہ لیکر کسی دوسرے ملک میں نکل جاؤں گا تمہاری سرزمین میں بھی نہ رہوں گا مگر نبی کے نواسے کا یہ ارشاد بالکل نامنظور کیا گیا آخر ساتویں تاریخ کو شمر ولد الزنا نے اگر پانی بند کر دیا اور عشرہ کے دن اٹھارہ بنی فاطمہ کو مع دیگر رفقا کے تین دن کا بھوکا پیاسا جلتی ہوئی ریتی پر ذبح کر ڈالا اور اس پر بھی بس نہیں کیا بلکہ اس کے اہلحرم کو جن میں رسول اللہ کی نواسیاں اور بہویں تھیں اسیر کر کے شہر در شہر پھراتے ہوئے شام کو لے گئے اور کون؟ وہ مسلمان بڑے پکے مسلمان۔ رسول اللہ کے کلمہ گو صحابی حسین کا معاملہ حقیقۃً ایسا اہم معاملہ ہے کہ اس کے متعلق تحریر کرنے کی اس رسالہ میں ہرگز گنجائش نہیں اگر شمس العلماء کو حق طلبی کا جوش ہے تو وہ کم از کم ماتین مصنفہ علامہ کنتوری کو ہی ملاحظہ کریں انہیں تمام شبہات عقلی و نقلی کا جواب کافی طور پر مل جائیں گے۔ مگر ہم اتنا دریافت کرتے ہیں کہ آخر وہ کیا وجہ تھی کہ حسین نے اتنی تکالیف برداشت کیں جان۔ مال۔ اولاد ان چیزوں سے تو بڑھ کر دنیا میں کوئی چیز نہیں مگر حسین نے ان کی مطلق پروانہ کی ہم تو یہ جانتے ہیں کہ حسین اچھی طرح اندازہ کر چکے تھے کہ اگر یزید کی بیعت کر لوں گا تو اسلام دنیا سے مٹ جائے گا انھوں نے فقط اعلائے کلمہ حق کے لئے یہ مصیبتیں برداشت کیں۔ کیا حسین شمس العلماء صاحب سے بھی کم درجہ پر اپنے معاملات کو سمجھتے تھے شمس العلماء کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ حسین کا یہ سفر جنگ کی نیت سے نہیں تھا ایک معمولی عقل کا آدمی بھی اس بات کا اندازہ کر سکتا ہے کہ جنگ دوست سردار وہ کبھی لڑائی میں اپنے اہلحرم اور شیر خوار بچوں کو ساتھ نہیں لیجا سکتا۔ ہم جہاں تک خیال کرتے ہیں ہمیں یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں سے بڑھ کر کوئی قوم شقی القلب سنگدل۔ بیرحم۔ جفا کار اور قصائی کی سی خصلت رکھنے والی نہیں ہو سکتی اس قوم کو مظلوم سے اتنی نفرت ہے کہ سالہا سال گذر جانے پر بھی وہ اس کے لئے کلمۂ خیر زبان سے نہیں نکال سکتی اور بڑے بڑے نامور عالم

حسینؑ پر زبان طعن دراز کرنے کے لئے آمادہ نظر آتے ہیں حقیقتہً یہ انہیں علمار کے پیرو ہیں جو نا خدا ترس۔ بدبخت یہ لمبی لمبی ڈاڑھیاں چھوڑے۔ حمائلیں گلے میں ڈالے قاری حافظ قرآن یزیدی لشکر میں موجود تھے اور قتل حسینؑ پر مہر یں کرتے تھے مہریں

شمس العلمار: - فاطمہ کی نسل کو اس نتیجہ سے عبرت پکڑنی چاہیے تھی۔ مگر ملک داری کی ہوس نے ان کو کبھی چین سے بیٹھنے نہیں دیا اور بنو امیہ اور بنو فاطمہ میں عداوت کا بیج بو دیا گیا۔

ہم: - عبرت پکڑنے کے یہ معنی اگر شمس العلمار کے نزدیک ہیں کہ وہ جلا وطن ہو جاتے تو یہ تو بے شک ان لوگوں نے نہیں کیا ہاں ویسے بنی فاطمہ کے ان بزرگوں نے جو مسند رسول اللہ کے سچے وارث تھے کبھی اسطرف توجہ نہیں کی اور اپنے معاملات کو خدا کے سپرد کر دیا پھر بھی اُن کو آرام نہیں لینے دیا ہے مگر بنی فاطمہ وہ کبھی کبھی اپنے حقوق کی طلب میں کھڑے ہو جاتے جسے خون حسینؑ کے انتقام کی خواہش نے اور بھی تیز کر دیا تھا تو بھی یہ لوگ مورد الزام نہیں ہو سکتے جیسا کہ ہم سابقاً بیان کر آئے ہیں اور شمس العلما جو بار بار ملک داری کی ہوس کا الزام لگاتے ہیں اس کے متعلق بھی ہم گذارش کر چکے ہیں۔ اب رہا شمس العلمار کا یہ ارشاد کہ اس طرز عمل سے بنی امیہ اور بنی فاطمہ میں عداوت کا بیج بو دیا گیا یہ بالکل غلط ہے کوئی عاقل جس کی نظر کتابوں پر ہوگی اس رائے کو قبول کرنے کے لئے آمادہ نہیں بنی امیہ زمانہ جاہلیت سے بنی ہاشم کے دشمن تھے اسلام کے دائرے میں آگر بھی وہ اپنی جہالتوں پر قایم رہے اور کیونکر نہ رہتے اُن کے دل میں اسلام کی صداقت کا نقش ہی نہ جما تھا۔ یہ معاویہ ابوسفیان وغیرہ مولفۃ القلوب میں داخل ہیں۔ گو بظاہر انہیں مسلمان سمجھ لیا جائے مگر حاشا ثم حاشا اسلام سے انہیں ذرہ برابر بھی تعلق نہ تھا۔ اس کے بعد شمس العلمار نے بنی فاطمہ کی ایک فہرست دی ہے جو حکام جور کے ہاتھ سے قتل ہوئے جس سے ہمیں اتفاق ہے اور جس کے ساتھ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ ان میں سے اکثر کسی قسم کے قصور کے بھی مرتکب نہ ہوئے تھے وہ بالکل گوشہ نشینی اور عزلت گزینی کی زندگی بسر کرنا چاہتے تھے مثلاً امام موسیٰ کاظم و علی الرضا و محمد نقی صلوات اللہ علیہم اجمعین۔ پھر شمس العلمار فرماتے ہیں۔

شمس العلمار: اسی کو ہمارے یہاں بات کا بتنگڑ کہتے ہیں۔ دو عورتوں کی آپس کی ضد نے اور ضد بھی کھانے کی نہیں۔ کپڑے کی نہیں۔ خرچ پات کی نہیں۔ سلوک مدارات کی نہیں۔ خیالی برتری نے کیا طول پکڑا ہے کہ ڈیڑھ ہزار برس ہونے کو آئے اور یہ جھگڑا طے ہوا اور اب خدا ہی کے ہاں چل کر ہو

تو ہوا اور مزہ یہ ہے کہ جن میں جھگڑا تھا مدتیں ہوئیں مر کھپ گئے اور من مات فقد قامت قیامۃ کی رُو سے مرتے کے ساتھ ہی اُن کی جزا یا سزا شروع ہو گئی ہو گی۔ حکم اخیر ہو کر مثل داخل دفتر ہو چکی ہم ہیں کہ مقدمہ کا پیچھا نہیں چھوڑتے ہ

خیال زلف بتاں میں نصیر پیٹا کر گیا ہے سانپ نکل اب لکیر پیٹا کر

ہم:۔ معزز شمس العلماء کے اس خیال کی تردید ہم پہلے کر چکے ہیں کہ اسلام میں تفریق دو عورتوں (عائشہ و فاطمہؑ) کی بدولت نہیں ہوئی بلکہ اس فتنہ کے بانی ہیں جناب شیخین باقی فقرے شمس العلماء کے ہمارے خیال میں تو ابلہ فریبی پر مبنی ہیں شمس العلماء شاید قانون قدرت کو توڑنا چاہتے ہیں۔ شمس العلماء کو دنیا کا یہ قاعدہ معلوم نہیں کہ قیامت تک اچھے کو اچھائی اور بُرے کو بُرائی سے یاد کیا جائے گا ہ

زندہ است نام فرخ نوشیرواں بعدل گرچہ بسے گذشت کہ نوشیرواں نماند

ہمیں گمان ہوتا ہے کہ شمس العلماء اس شعر پر یہ اعتراض فرمائیں گے کہ اب نہ نوشیرواں ہے نہ اُس کا عدل اب اُس کے ذکر سے کیا نتیجہ اب اس کے کارناموں کو تمثیلاً بیان کرنے سے کیا فائدہ

شمس العلماء: ہم تو پہلے ہی انتخاب سے سمجھ گئے تھے کہ بس ان کی نسل سے تو خلافت گئی۔

ہم:۔ جب آپ یہ سمجھ چکے ہیں تو پھر اب جھگڑا ہی کس بات کا رہ گیا اسی جرم پر تو شیعہ گردن زدنی سمجھے جاتے ہیں ہم تو وہ بھی کہتے ہیں کہ پہلے ہی خلافت نے آل رسول کی بیخکنی کا بیج بو دیا جن کی پیروی کا رسول اللہؐ نے حکم دیا جس سے تمسک کرنے کو موجب نجات و ہدایت فرمایا تھا۔ ناظرین دیکھیں کہ پہلے تو شمس العلماء فرماتے ہیں کہ دو عورتوں کی ضد نے اسلام میں یہ تفریق پیدا کی اور اب یہاں یہ فرماتے ہیں۔ کسقدر متضاد قول ہیں آجتک آن واحد میں ایسے دو متضاد آتیں کسی عقلمند کی ہماری نظر سے نہیں گذری ہیں۔

شمس العلماء کی لغزشیں

شمس العلماء سلّمہ نے اپنی نئی تصنیف امہات الامہ میں باترتیب تو شیعوں کی طرف روئے سخن فرمایا نہیں بلکہ علی سبیل التذکرہ توجہ فرمائی ہے جو خیالات جگہ جگہ شمس العلماء نے ظاہر فرمائے ہیں جو شیعوں کے ہی مخالف نہیں بلکہ عقل و نقل کے بھی خلاف ہیں ان میں سے اکثر کا رد اس رسالہ میں موقعہ موقعہ ہو چکا ہے جو باقی رہے ہیں اب انہیں چن چن کر ایک جگہ قلمبند کرتے ہوئے ان پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

شمس العلماء :- پیغمبر صاحب کی وفات کے بعد اسلام کی حالت یہ تھی کہ جدید العہد ہونے کی وجہ سے اعراب کے دلوں میں رسوخ کے ساتھ اس نے جگہ نہیں پکڑی تھی اس کے ساتھ سلطنت کی ایک وضع لگی ہوئی تھی اور وہ سلطنت ہنوز ابتدائی حالت میں تھی۔ اس کا انتظام ابھی ٹھیک طور پر نہ بیٹھا تھا اس کے بغلی گھونسے اس کی ایک آن کے روادار نہ تھے روم اور فارس دو سرحدی زبردست سلطنتیں اس کو ہر وقت آنکھیں دکھاتی رہتی تھیں اسامہ کی مہم روانہ ہوتے ہوتے رکی پڑی تھی مجبوری فی الوقت کسی نہ کسی کو پیغمبر صاحب کا جانشین تجویز کرنا ضروری ہوا اور مناقشہ جو لوگوں کے دلوں میں تھی کھل پڑی۔ لوگ سقیفۂ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے۔ مہاجرین و انصار میں بحث ہونے لگی ہر ایک فریق اپنی خدمات کے برتے پر خلافت کا دعویدار تھا آخر مصالحت کے طور پر انصار کی طرف سے منا امیر و منکم امیر کی تجویز پیش ہوئی اس پر عمر نے کھڑے ہو کر مہاجرین کی حمایت میں کہنا چاہا مگر وہ تھے آدمی تیز مزاج ابو بکر ڈرے کہ ایسا نہ ہو ان کے منہ سے کوئی بات ایسی نکل جائے جو انصار کی دل آزاری کا موجب ہو چنانچہ ابو بکر نے خود سبقت کی اور کھڑے ہو کر ایسی تقریر کی کہ انصار ٹھنڈے پڑ گئے ابو بکر نے گروہ انصار کی خدمات اور ان کے احسانات کا اعتراف کیا لیکن پیغمبر صاحب کی حدیث الائمۃ من قریش لوگوں کو یاد دلا کر مہاجرین کے حق خلافت کی تائید کی یہ کہنا تھا کہ سب سے پہلے عمر نے ابو بکر کے ہاتھ پر بیعت کی پھر کیا تھا ابو بکر بالاجماع خلیفہ بن گئے

ہم :- فاضل شمس العلماء کے ان خیالات کا ابطال بحث خلافت میں کیا جا چکا ہے اس جگہ صرف یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ یہودیوں یا سرحدی سلطنتوں کی یکبارگی چڑھ آنے کا جو خدشہ ظاہر کیا گیا ہے یہ نرا وہم ہی وہم ہے مسلمان یہودیوں کے لئے منہ کا نوالہ نہیں رہے تھے ان کا آخری ملجا و ماوا خیبر تھا جو قاتل مرحب کے ہاتھ سے مٹ مٹا چکا تھا۔ اس کے بعد یہودیوں کو مسلمانوں سے دوچار ہونے کی کبھی جرات ہی نہیں ہوئی ابو بکر کا زمانہ ایک طوائف الملوکی کا زمانہ تھا۔ چاروں طرف فساد کی آگ بھڑک اٹھی تھی جو اسی مبارک سلطنت کا نتیجہ تھی اس طوائف الملوکی کے زمانہ میں بھی جبکہ ابو بکر کا نامور سپہ سالار خالد ابن ولید مسلمانوں کی خونریزی میں مصروف تھا یہودیوں کا حوصلہ نہیں ہوا کہ وہ اس خانہ جنگی سے کسی قسم کا فائدہ اٹھائیں اسی سے ان کی قوت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے باقی رہی سرحدی سلطنتیں آخر ان کے پاس یہاں کی خبریں پہنچنے اور وہاں سے ان کے مدینہ تک آنے کے لئے بھی ایک معقول مدت

درکار تھی یہ واضح رہے کہ اس زمانہ میں نہ ریلوے لائن تھی اور نہ تار برقی اور نہ ریوٹر کمپنی کے اہلکار مدینہ میں موجود تھے جو بذریعہ ٹیلیگرام فوراً خبر پہنچا دیتے اور دو ہی ایک روز میں ان سلطنتوں کی قہار فوجیں مدینہ والوں کا محاصرہ کر لیتیں پس اگر سکون اور اطمینان کے ساتھ رسولؐ کی تجہیز و تکفین کے بعد تمام مہاجر و انصار کو دلکم انکم ان سب کو جو مدینہ میں موجود تھے مسجد رسول میں جمع کر کے خلیفہ کا انتخاب کیا جاتا (اگر رسول اللہ نے کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا تھا) تو اس میں کون سی عقلی خرابی لازم آتی تھی بغیر کسی زبردست اور قوی عذر کے ان لوگوں کا انتخاب خلیفہ کے لئے اسقدر مضطرب ہونا صاف ظاہر کرتا ہے کہ کچھ نہ کچھ دال میں کالا ہے بے شک حرص ہوا پر غالب آگئی اور مبصرین کو یہ رائے قائم کرنی پڑی ؎

چوں صحابہ حب دنیا داشتند　　مصطفےٰ را بے کفن بگذاشتند

اب رہا شمس العلماء کا یہ کہنا کہ ابوبکر بالاجماع خلیفہ ہوئے اس کی نسبت ہم پہلے بھی عرض کر آئے ہیں اور اب بھی عرض کرتے ہیں کہ اجماع کا دعوے ہی دعوے ہے جس کی کوئی اصلیت نہیں خود حضرت ثانی اسکو ایک فتنہ قرار دیتے ہیں جس کے شر سے خدا نے مسلمانوں کو بچا لیا۔

شمس العلماء "پیغمبر صاحب کی وفات کے بعد خلافت کے بارے میں جو اختلاف ہوئے ان کی بڑی وجہ یہی تھی کہ پیغمبر صاحب نے خلافت کے بارے میں کوئی قطعی فیصلہ صاف و صریح لفظوں میں لوگوں کو نہیں سمجھایا اور اس معاملے کو لوگوں کی رائے پر چھوڑ کر انتقال فرما گئے"۔

ہم اگر فی الواقعی ایسا ہی ہے جیسا کہ شمس العلماء فرماتے ہیں تو ہمارے خیال میں نبی کی رسالت نہایت ناقص کی حالت میں دنیا سے گئی ایک عظیم الشان امر جس پر تمام مسلمانوں کی فلاح موقوف ہو جس نے اسلام کے بہتر ٹکڑے کر دیے ہوں اس مسئلہ کو نظر انداز کر دینا یہ شمس العلماء کے خدا اور شمس العلماء کے ہی رسول کا کام ہے یقیناً اس مسئلہ خلافت پر تلوار کھنچی ہے جتنی اس مسئلہ پر خون ریزی ہوئی ہے اسلام میں کسی مسئلہ پر نہیں ہوئی جس کا بار شمس العلماء کے اعتقاد کے موافق خدا و رسول پر رہنا چاہیے کیونکہ اس مسئلہ پر کافی روشنی ڈال کر مسلمانوں کو ہدایت نہیں فرمائی

شمس العلماء "ورنہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جن لوگوں نے پیغمبر صاحب کی اطاعت میں دین آبائی چھوڑے وطن چھوڑے زن و فرزند چھوڑے۔ عزیز و اقارب چھوڑے۔ مال و متاع چھوڑے۔ جان تک دینی گوارا کی

ایک خلافت کے بارے میں ان کے حکم سے سرتابی کی اور وہ بھی اپنے ذاتی مفاد کے لئے ہیں کیونکہ ہر شخص خلیفہ نہیں ہوا بلکہ سب نے مل کر ایک کو خلیفہ بنایا اگر ایسا خیال کیا جائے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ پیغمبر صاحب معاذ اللہ تبلیغ رسالت میں ناکام رہے اور جن لوگوں کے حق میں پیغمبر صاحب فرمایا کرتے تھے کہ خیر القرون قرنی خلافت نے ثابت کر دکھایا کہ وہ شر القرون تھے۔

ہم شمس العلماء جو کچھ ان کی تعریف و توصیف و جان نثاری و حذاقت وغیرہ کو بیان کرتے ہیں اگر یہ سب باتیں صحیح بھی مان لی جائیں جب بھی ان کا مقصد پورا نظر نہیں آتا وہ انسان تھے ان کے پہلو میں وہی دل تھا جو عام انسانوں کے پاس ہے اسے بدلتے ہوئے دیر نہیں لگتی دنیا ایسی بری چیز ہے کہ اس کے جال میں بڑے بڑے پھنس جاتے ہیں پھر اس میں تعجب کی کیا بات ہے بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا جس نے تمام عمر عبادت میں بسر کر دی مگر شیطانی وسوسے نے آخر کار اسے جہنم کا رستہ دکھایا۔ خود شیطان کو دیکھو اس کی عبادت اور اطاعت کو دیکھو مگر ذرا سے استکبار نے ابدالاباد تک کے لئے لعنت کا طوق اس کی گردن میں ڈال دیا ان لوگوں کی برگشتگی سے تبلیغ رسالت میں نقص کا دھبہ لگانا یہ شمس العلماء کی نئی منطق ہے۔ نبی کا کام اراۃ الطریق درستہ دکھانا ہے یا اس نے ایصال الی المطلوب (مطلوب تک پہنچا دینے) تک پہنچا دینے کا بھی ذمہ لیا ہے جو خدا کا کام ہے خیر القرون قرنی سے جو دلیل لائی گئی ہے تو مہربانی فرما کر رسول اللہ کے زمانے میں منافقون کے وجود کو بھی تسلیم نہ کیا جائے اور قرآن میں جہاں جہاں منافقین کا ذکر ہے وہ سب آیات نکال ڈالنی چاہئیں کیونکہ خیر القرون میں نفاق کیسا۔ افسوس ہے کہ شمس العلماء اور ان کے ہم طریق حضرات کو ان لفظوں کے سمجھنے میں بھی بشرطیکہ یہ رسول اللہ کی زبان سے نکلے ہوں۔ سخت دھوکا ہوا۔ رسول اللہ کے زمانہ کو خیر القرون اس بناء پر ہم بھی مان سکتے ہیں کہ اس زمانے میں جہالت کے مقابلے میں خدا کے نور کی روشنی جلوہ گر ہوئی اور جو معنی ڈپٹی صاحب لیتے ہیں وہ صریحاً واقعہ کے خلاف ہیں جس سے مجبوراً یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ الفاظ بھی یاروں کی ایجاد ہیں۔ رسول کی زبان ان سے آشنا نہیں ہوئی پھر جناب شمس العلماء کا یہ استدلال بھی غلط ہے کہ ہر شخص خلیفہ نہیں ہوا بلکہ سب نے مل کر ایک کو خلیفہ بنایا کیونکہ ہر عقلمند جماعت کا یہی قاعدہ ہے کہ کسی ایک شخص کو اپنے میں سے سرگروہ مقرر کرتے ہیں اور تمام انتظامی اور فائدے کے امور میں برابر حصہ دار رہتے ہیں اور یہاں تو ہم سے

زیادہ ذاتی مفاد کیا ہوگا کہ ابوبکر کی خلافت فی الحقیقۃ خلافت ثانی کا مقدمہ تھی اور خلیفہ اوّل نے عمر صاحب کو ہی خلاف سنت رسول اللہ اپنا جانشین مقرر فرمایا کیونکہ رسول اللہ نے حسب زعم سواد اعظم کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا، اور یہ جانشینی اسی عرق ریزی اور جانفشانی کا نتیجہ تھی جو خلافت اولیٰ کے لئے عمر صاحب سے وقوع میں آئی جس کا اقرار شمس العلماء نے بھی فرمایا ہے پھر یہ کس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ اس انتخاب میں اُن لوگوں نے ذاتی مفاد کو مدنظر نہیں رکھا۔

شمس العلماء۔ بلکہ ہم ایک قدم اور آگے بڑھتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ وعد اللہ الذین امنوا منکم و عمل الصالحات الخ کا وعدہ کسی خلافت سے پورا ہوا چار و ناچار ماننا پڑے گا کہ اسی خلافت سے جو وقوع میں آئی تو خلافت کو راشدہ بھی تسلیم کرنا ہوگا۔ یہ اعتراض اگر دفع نہ کئے جائیں تو اسلام بیخ و بن سے مستاصل ہوا جاتا ہے اور بات پیغمبر صاحب اور خدا تک جا پہنچتی ہے۔

ہم:۔ آپ ایک قدم نہیں دس قدم بڑھیں مگر ٹھوکر کا لحاظ رکھتے ہوئے وعدہ استخلاف رسول اللہ کے عہد میں پورا ہو چکا جس کی گواہی کے لئے خود قرآن مجید موجود ہے ملاحظہ کیجئے۔

آمنوا باللہ و رسولہ و انفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ فالذین آمنوا منکم و انفقوا لھم اجر کبیر (سورہ حدید) خدا و رسول پر ایمان لاؤ اور اس چیز میں سے خرچ کرو راہ خدا میں جس میں تمہیں خدا نے پہلوں کا جانشین بنایا ہے پس جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور انھوں نے راہ خدا میں خرچ کیا ان کے لئے نہایت بزرگ اجر ہے۔

ثم جعلنکم خلائف فی الارض من بعدھم لننظر کیف تعملون (سورہ یونس) پھر ہم نے تمکو زمین میں ان کے بعد خلیفہ کر دیا تاکہ دیکھیں کہ تم کیا عمل کرتے ہو۔

ھو الذی جعلکم خلائف الارض رفع بعضکم فوق بعض درجات لیبلوکم فی ما اتکم ان ربکم سریع العقاب و انہ لغفور الرحیم (سورہ انعام) خدا وہ ہے جس نے تمکو خلیفہ مقرر کیا بعض کو بعض پر درجوں کے لحاظ سے بلندی و رفعت عطا کردی تاکہ اس چیز میں تمہیں آزمائے جو تمہیں دی گئی ہے بیشک تمہارا پروردگار نہایت سرعت کے ساتھ عذاب کرنے والا ہے اور وہ غفور الرحیم (بھی) ہے ان لوگوں کے لئے جو اس آزمائش میں پورے اتریں۔

اب شمس العلماء فرمائیں کہ عہد رسول اللہ میں خداوند عالم رسول کی زبان سے مسلمانوں کو مخاطب کرکے

maablib.org

(بصیغہ ماضی) فرماتا ہے کہ ہم نے تمکو زمین کا خلیفہ کردیا۔ اگر عہد رسول اللہ میں یہ وعدہ پورا نہ ہوا تھا تو کیا خداوند عالم یوں ہی خواہ مخواہ مسلمانوں کو بہلاتا تھا اور عمر صاحب جیسے نکتہ چین اور دقیقہ رس بزرگوار جو بات بات میں رسول اللہ پر اعتراض کرتے رہتے تھے کیا وہ ٹھنڈے دل سے اس خلاف واقعہ احسان جتانے کو قبول کرتے ہرگز نہیں اور کیونکر ہوسکتا ہے کہ آدم علیہ السلام کو خدا خلیفہ زمین بنائے اور فخر آدم کو محروم رکھے۔

آیت نمبر ۳ جو ہم نے نقل کی ہے اس سے تو ایک اور امر کی بھی حقیقت منکشف ہوتی ہے۔ خدا فرماتا ہے کہ ہم نے بعض کو بعض پر ازروئے درجات رفعت بخشی تاکہ تم کو آزمائے۔ کیا ہم نہیں کہہ سکتے کہ رفعت کا اظہار پیغمبر نے آخر وقت انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی کی صورت میں آل محمد کے لئے فرمادیا جو یقیناً بفرمان ایزدی تھا کیونکہ اتنا عظیم الشان حکم جو قیامت تک کے لئے مسلمانوں کی بہبودی پر مبنی ہے حضرت پیغمبر اپنے نفس کی خواہش سے صادر نہیں کرسکتے تھے نہیں ہے ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ خدا نے آل محمد کے لئے رفعت کا تاج مقرر کرکے مسلمانوں کو آزمایا جن میں سے بہت سے لوگ اس آزمائش میں پورے نہیں اترے جن کے لئے "ان ربک لسریع العقاب" موجود ہے اور کچھ لوگ اس امتحان میں ثابت قدم رہے جن کی بابت فرماتا ہے "وانہ لغفور الرحیم" گویا آل محمد سے منحرف ہونے میں عذاب اور رہبت جلد نازل ہونے والے عذاب کا وعدہ ہے آخرت میں پیچھے کیا ہوا اور مطیعان آل محمد کو مغفرت اور رحمت کی بشارت دی گئی ہے پس جب وعدہ خلافت عہد رسول میں پورا ہولیا اور سورہ فتح نازل ہوچکی تو شمس العلماء فرمائیں کہ اب ان کا یہ اعتراض کہاں تک باقی رہ سکتا ہے اور اس میں بھی کسی طرح کا شک نہیں کہ خداوند عالم کی یہ نعمت (خلافت مستمر رہتی۔ بشرطیکہ اس کی قدر کی جاتی اور مسلمان اس آزمائش میں پورے اترتے لیکن کفران نعمت کیا ذلیل وخوار ہوگئے۔

شمس العلماء:۔ ہم نے تو صرف ایک توجیہ سوچی ہے کہ رسالت اور خلافت کو دو جداگانہ چیزیں سمجھ کر ایک کو دوسرے میں خلط ملط نہ کیا جائے رسالت کا مقصود اصلی دین اسلام کا رواج دینا تھا اور وہ پیغمبر صاحب کی زندگی میں پورا ہوگیا لیکن اسلام کے رواج دینے میں ساتھ کے ساتھ از خود سلطنت کی بنیاد بھی پڑتی جاتی تھی اور یہی وہ چیز تھی جس نے دونوں میں مناقشہ پیدا کردی تھی اور یہی وہ چیز تھی جو پیغمبر صاحب کی وفات کے بعد ان کی قائم مقامی یعنی خلافت کی متقاضی تھی

ورنہ احکام دین جو آنے تھے پیغمبر صاحب کی زندگی میں آچکے ۔ وحی کا آنا موقوف ۔ غرض پیغمبر صاحب کی زندگی میں دین اسلام اور سلطنت کا یعنی کچھ بھی تھی ۔ چولی دامن کا ساتھ تھا اور پیغمبر صاحب کی وفات پر جو ان کا جانشین ہوا ۔ ہوا تو سلطنت کی ضرورت سے مگر چونکہ دین پر ثابت قدم تھا اور تھا جدید العہد ۔ خلیفہ کی دین کی اتنی خبر کھنی تو ضرور تھی کہ لوگ جدید دین پر ثابت قدم رہیں اور اس میں کسی طرح کا ضعف نہ آنے پائے ورنہ دم کے دم میں سارا بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا ۔ یوں دین اور سلطنت کے تمول سے خلافت گنگا جمنی ہو گئی

ہم : شمس العلماء نے توجیہ سوچی تو مگر بے ڈھنگی سوچی ۔ دین اسلام کے رواج دینے میں سلطنت کی بنیاد ضرور پڑی اور پڑنی چاہیے یعنی خداوند کریم کا وعدہ تھا اور اسی وعدے کی بنا پر سلطنت قایم ہوئی نہ کہ از خود جیسا کہ شمس العلماء کا خیال ہے کیونکہ خدا کے دین کو رواج دیتے ہوئے یہ ضرور نہیں کہ اس کے ساتھ ساتھ سلطنت بھی قایم ہو جائے جیسا کہ اکثر انبیا گذرے جنھوں نے دین خدا کی منادی کی مگر انہیں سلطنت کا بالکل حصہ نہیں ملا اب دیکھنا چاہیے کہ یہ سلطنت ایسی ہی سلطنت تھی جیسا کہ عام سلطنتیں ہوا کرتی ہیں یا اس میں کوئی خاص بات ہونی چاہیے ہم جہاں تک ایمان کی عینک سے دیکھتے ہیں یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سلطنت اسلام کے ماتحت تھی اور اس لئے عطا کی گئی تھی کہ شرق سے غرب تک اسلام کی ہی آواز سنائی دے اس سلطنت کی علت غائی یہی تھی کہ دین خدا کا رواج ہو نہ یہ کہ کسے اپنی ہوس رانیوں کا ذریعہ بنایا جائے اسی لئے ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ خلیفہ رسول اور اس سلطنت کا سرپرست بھی ایسا ہی ہونا چاہیے جو طریقہ رسول اللہ کا سالک بھی ہو عالم دین بھی ہو اور اسلام کے جزئیات و کلیات مثل رسول اس کی نظر بھی ہو تاکہ وہ خلقت کو ہدایت کر سکے کیونکہ یہ سلطنت ہدایت خلق کے لئے ہی تو ہوئی تھی ورنہ معاذ اللہ یہ لازم آئے گا کہ خداوند عالم نے فسق و فجور کا دروازہ مسلمانوں کے لئے کھول دیا جیسا کہ اس سلطنت کے ناجائز طور پر حاصل کرنے والوں کے افعال سے پایا جاتا ہے یہ بے شک صحیح ہے کہ احکام جو کچھ آنے تھے وہ عہد رسالت میں آچکے تھے آیندہ کے لئے وحی کا آنا بھی موقوف ہو گیا تھا مگر جہاں خداوند عالم نے خلقت کو جہالت کے گڑھوں سے نکال کر سیدھی راہ دکھائی تھی وہاں کیا اس کا لطف اس امر کا مقتضی نہیں تھا کہ رسول اللہ کے بعد ایسے شخصوں کو پیدا کر دے جو لوگوں کے قدموں کو صراط مستقیم سے ادھر ادھر نہ ہونے دیں انہیں متقی

کرتے رہیں حالانکہ ہمکو خدائی قانون سے یہ بھی معلوم ہوچکا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو کسی عہد میں بھی اپنی حجۃ سے خالی نہیں چھوڑتا وہ بار بار ان سرکش انسانوں کے لئے اپنی حجۃ قائم فرماتا رہتا اب دیکھیے کہ یہ سلطنت جو رسول اللہ کو حاصل ہوئی اور بغرض ترویج دین ہوئی کیونکہ سلطنت کا اثر اہل دنیا کی طبیعتوں پر نہایت گہرا پڑتا ہے اس سلطنت کے وارث وہی حجج الہیٰ عقلاً بھی قرار پاتے ہیں جن کی رسول اللہ نے خبر دی ہے۔ ہم یہ دریافت کرتے ہیں جناب شمس العلماء سے کہ رسول کے بعد آجتک کیا خلقت کو اور تمام خلقت کو جانے دو انہیں مسلمانوں کو ہدایت کی ضرورت نہیں؟ اگر وہ انکار فرمائیں گے تو ہدایت کا انکار فرمائیں گے اور اگر فرمائیں کہ علما اس کے لئے کافی ہیں تو ان عمامہ بند حضرات کی نسبت تو یہ سمجھیے کہ ؏ او خویشتن گم است کرا رہبری کند۔ ہمیشہ سے زر دستی اور حکام وقت کی خواہشات کے مطابق فتویٰ دینا۔ جھوٹی حدیثیں بنانا ان کا کام رہا ہے۔ ہارون رشید کے عہد کا واقعہ ہے کہ اس نے ایک حرم سے جماع کی خواہش کی وہ بولی کہ میں تو تمہارے باپ کی مدخولہ ہوں یہ سنکر یہ بہت مضطرب ہوئے۔ علماء سے فتویٰ لیا انھوں نے ناجوازی کا حکم دیا۔ ایک عالم صاحب (شاید ابو یوسف تھے) سے التجا کی گئی۔ انھوں نے فرما دیا لا باس فیہ۔ پوچھا دلیل؟ فرمایا ہر فیصلے کے لئے دو عادل گواہوں کی ضرورت ہے اس ایک عورت کے کہنے کا کیا اعتبار جیسے خواہش پرست اور عشق کا مارا رشید خوش ہوگیا اور انہیں قاضی القضاۃ مقرر کردیا۔ الغرض مختصر یہ ہے کہ خلافت رسول کو محض دنیوی حکومت خیال کرنا نہایت ہی عقل کے خلاف ہے اور نہ خدا اور رسول کا اس سلطنت سے یہ منشا تھا چونکہ خلاف حکم خدا و رسول ایسے لوگ اس پر متصرف ہوئے جنہیں دین سے فی الحقیقۃ کوئی واسطہ ہی نہیں لہذا شمس العلماء اور ان کے اسلاف کو یہ رائے قائم کرنی پڑی جسے کوئی عقلمند قبول نہیں کرتا یہ مقام ایک ایسا مقام ہے جس پر متکلمین شیعہ نے عقلی اور نقلی دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں انبار۔ جن کا ہزارواں حصہ بھی اس رسالہ میں نہیں سماسکتا ممکن تھا کہ اس مسئلہ کو ذرا اور توضیح کے ساتھ بیان کیا جاتا۔ مگر چونکہ شمس العلماء ماشاء اللہ عقلمند ہیں ان کے لئے یوں ہی سا اشارہ بھی کافی ہے۔ بشرطیکہ وہ تقلید کو چھوڑ کر ذاتی غور و فکر سے کام لیں

شمس العلماء:- آگے چل کر ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ ہم یہ تو نہیں کہتے کہ علی کو خود اپنے دعوے کا ضعف معلوم تھا اور اسی لئے وہ عین وقت پر سقیفے نہیں آئے ہاں یہ تو جار و ناچار تسلیم کرنا ہوگا

کہ ضعف دعوے کے خیال سے انھوں نے ابو بکر و عمر کی خلافت میں دعوے تو درکنار اپنے زبان
کی شکایت تک نہیں کی۔

ہم :۔ شمس العلمار کی مرضی یہ تھی کہ پیغمبر کے جنازے کو چھوڑ چھاڑ کر علیؑ بھی ان کے شریک ہو جاتے
مگر افسوس کہ علیؑ ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ باقی شمس العلمار کے آخری فقرے سے تحت کم نظری کی دلیل ہیں
معلوم ہوتا ہے کہ شمس العلمار کے خیالات کو واقعات کی ہوا بھی نہیں لگی۔ افسوس ہے کہ اس بارے میں
بھی کوئی مورخ شمس العلمار کا ہم زبان نہیں ہو سکتا۔ ابو بکر صاحب کا یہ ارشاد اقیلونی اقیلونی
لست بخیر کم و علی فیکم خدا جانے کیوں واقع ہوا تھا کیا خدانخواستہ بیٹھے بیٹھے بہکنے لگے تھے
عمر صاحب کا علیؑ و عباسؓ سے یہ فرمانا کہ تم ابو بکر کو بھی کاذب و غادر و خائن جانتے تھے ایسا ہی
مجھے بھی جانتے ہو آخر کس مصلحت سے تھا۔ شمس العلمار اور ایسی بے سر و پا بات فرمائیں تعجب ہی اور سخت
تعجب ہی۔

شمس العلمار مگر ہاں اُن کو اسکا خیال تو ضرور تھا اور یہ خیال بے اصل بھی نہ تھا

ہم جب بے اصل نہ تھا تو ہیں خیال میں پختگی ضرور تھی۔ جب پختگی تھی تو پھر شمس العلمار نے یہ کیوں فرمایا کہ
علیؑ کے دعوے میں ضعف تھا۔ سبحان اللہ یہ تو دنیا سے نرالی منطق ہے

شمس العلمار ان کے حق میں پیغمبر صاحب نے دمک دمی و لحمک لحمی اور انت منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ
فرمایا تھا اور یہ بھی فرماتے تو اُن کا اور پیغمبر صاحب کا گوشت پوست خون ایک تھا وہ پیغمبر صاحب کے حقیقی
چچازاد بھائی تھے ان کو پیغمبر صاحب نے بچپن سے بیٹوں کی طرح پالا تھا

ہم :۔ کیا خوب! تو گویا پیغمبر صاحب کا یہ ارشاد فضول ہی سا ہوا اور گیا۔ مگر افسوس ہماری ایمانی
قوت اجازت نہیں دیتی کہ پیغمبر کو فضول گو خیال کریں شمس العلمار تا تی عمر صاحب یہ فرمائیں تو انہیں اختیار
ہے مگر ہم دریافت کرتے ہیں کہ گوشت پوست اور خون میں تو پیغمبر کے اور بھی شریک تھے علیؑ کو خصوصیت
کے ساتھ فرمانا کیا معنی رکھتا ہے۔ حدیث دوم کی نسبت شمس العلمار کو کورانہ تقلید سے قطع نظر کرتے
ہوئے یہ دیکھنا چاہئے کہ ہارون کو موسیٰ سے کون سی منزلت تھی قرآن سے تو یہ ثابت ہے کہ حضرت

(۱) مجھے تخت سے اتار دو میں تم سے بہتر نہیں ہوں جبکہ علی تم میں موجود ہے (۲) تیرا خون میرا خون ہے۔ تیرا گوشت میرا
گوشت ہے (۳) تم میری نسبت ایسے ہو جیسے ہارون موسیٰ کی نسبت تھے۔

موسے نے دعا کی تھی پروردگارا میرے اہل میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دے یہ دعا قبول ہو گئی۔ کیوں جناب شمس العلماء صاحب اگر ہم حدیث مرقومہ مسلمہ جناب کی بنا پر علی کو پیغمبر کا وزیر سمجھ لیں تو اس میں کونسی برائی لازم آئی جاتی ہے عقلاً تو کوئی نہیں مگر ہاں خلافت کا گھروندا بگڑا جاتا ہے۔ لیکن آپ کو تو عقل کی پیروی کرنی چاہیے جس سے ایمان حاصل ہوتا ہے حضرت یہ تو ہم کہتے ہیں کہ خلافت شیخین آپ کو بخشوانے کی تو بے نہیں۔

شمس العلماء ایک روایت میں ہے کہ علی طفل نوزائیدہ تھے دودھ کو لئے روتے اور کسی عورت کی چھاتی منہ میں نہ لیتے تو پیغمبر صاحب اپنی زبان انکو چسا دیتے وہ سیر ہو کر سو جاتے انکی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ پیغمبر صاحب نے اپنی جگر فاطمۃ الزہرا کو انسے بیاہ دیا تھا اور ان سے پیغمبر صاحب کی نسل چلی تھی وہ اپنی ذات سے بڑے لائق تھے کہ پیغمبر صاحب انا مدینۃ العلم وعلی بابہا سے انکی لیاقت کی تصدیق اور توثیق کی تھی وہ شجاعت اور سخاوت اور خطابت اور زور مندی میں بے مثل تھے انکی اصابت پر پیغمبر کو کلی اعتماد تھا کہ نو عمری میں ان کو یمامہ کا قاضی بنا کر بھیج دیا تھا جس رات کفار مکہ پیغمبر صاحب کو بغتۃً مار ڈالنے کے ارادہ سے رات بھر پیغمبر صاحب کا گھر گھیرے پڑے رہے پیغمبر صاحب اُن کو اپنی جگہ لٹا کر چپکے سے باہر نکل آئے ع این کار از تو آید و مراں چنیں کنند۔ خیبر فتح نہیں ہوتا تھا۔ آخر پیغمبر صاحب نے ایک دن فوجی افسروں کو جمع کر کے فرمایا کہ کل جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو اس مہم کو سر کرنے گا اور وہ علی تھے ہجرت کے نویں برس ابو بکر کو قافلہ سالار بنا کر حاجیوں کو مکہ سے مدینے روانہ کیا انتنے میں براۃ کی آیتیں نازل ہوئیں اور ان کا موسم حج میں اعلان کرنا ضرور تھا پیغمبر صاحب نے آیتیں دے کر علی کو دوڑایا کہ حج کی امامت تو ابو بکر بجا لائیں تم میری طرف سے آیتوں کا اعلان کر دو چنانچہ ایسا ہی ہوا یوں پیغمبر صاحب ابو بکرؓ اور علیؓ دونوں کے پلوں کو برابر تلا رکھتے تھے

ہم نے جن فقرے پر ہم نے خط کھینچ دیا ہے صاحب فہم ناظرین اسے محفوظ خاطر رکھیں اس کے بعد ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ شمس العلماء نے فضیلتوں کے شمار پر تو کمر باندھی۔ مگر ساتھ ہی اس کے خدا جانے کس خیال نے دلوں میں چٹکیاں لیں کہ وہ روایات صحیحہ کے کتر بیونت پر آمادہ ہو گئے ملاحظہ ہو حدیث رایت میں ممدوح کا تصرف اس روایت کے لفظ یہ ہیں لاعطین الرایۃ غداً رجلا کراراً غیر فرار یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ ورسولہ الخ یعنی کل ایسے شخص کو علم دوں گا جو کرار ہے بھاگنے والا نہیں وہ خدا و رسول کو دوست رکھتا ہے اور خدا و رسول اُسے دوست رکھتے ہیں وہ واپس نہیں ہو گا یہاں تک

کہ خداوند عالم اس کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائے گا۔ ہم نہیں جانتے شمس العلماء نے اتنے الفاظ روایت میں سے کیوں ہضم کر لئے۔ سوائے محبت شیخین اس کی اور کوئی وجہ نہیں ہو سکتی جو لڑائی سے پشت دکھا دکھا کر یکے بعد دیگرے اپنا سا منہ لے کر چلے آئے تھے اور رسول اللہ کے اس ارشاد سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وہ محب محبوب خدا و رسول نہ تھے اسی خیال نے شمس العلماء کو ان الفاظ کے ہی حذف کر دینے پر آمادہ کر دیا مگر اس حق پوشی سے خدا جانے کیا نتیجہ نکل سکتا ہے جبکہ اہل نظر دنیا میں موجود ہیں علی ہذا قصہ تبلیغ سورہ برات کے بیان میں بھی شمس العلماء نے اسی کوشش سے کام لیا ہے جس کی اصلیت یہ ہے جس پر متعدد علمائے سواد اعظم کی مہریں موجود ہیں کہ پہلے یہ آیات ابوبکر کو دی گئیں جب ابوبکر لے کر چل دیئے تو جبرئیل امین نازل ہوئے اور فرمایا کہ یہ کار رسالت ہے یا تم اس کو انجام دو یا ایسے شخص کو متعین کرو جو تم سے ہو اس پر حضرت پیغمبر نے جناب امیرؑ کو روانہ فرمایا اور راستے ہی میں وہ آیات ابوبکر سے لیں ابوبکر مکہ نہیں گئے واپس مدینے آئے اور رسول اللہ سے عرض کی کہ کیا میرے بارے میں کچھ نازل ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں تو لیکن یہ کام یا تو میں انجام دے سکتا تھا۔ یا جو مجھ سے ہو۔ ناظرین ملاحظہ کریں کہ شمس العلماء نے اس واقعہ کو کس پیچ سے بیان کیا ہے اور ابوبکر کے لئے بزعم خود کیا فضیلت کا پہلو نکالا ہے مگر اصلیت کے دیکھنے والی نگاہیں ان امور پر قہقہہ لگاتی ہیں اب شمس العلماء کا یہ ارشاد کہ پیغمبر صاحب ابوبکر اور علی دونوں سے کچھ پہلوؤں کو برابر تلا رکھتے تھے۔ خود بخود باطل ہو گیا۔

شمس العلماء: علی کے بجائے خود اتنی خصوصیتیں اتنی خدمتیں اتنی فضیلتیں تھیں کہ ان کے ہوتے علی اگر توقع خلافت کو دل میں جگہ دی ہو تو کوئی اس کو توقع بے جا یا فزون تر از استحقاق نہیں کہہ سکتا

ہم:۔ جب تسلیم کیا جاتا ہے کہ علی کی توقع خلافت بے موقعہ بے جا نہیں تھی اور عین حق تھی پھر توجیہات رکیکہ سے تنک کس بنا پر کیا جاتا ہے۔ حالانکہ جتنے فضائل جتنی خصوصیتیں شمس العلماء نے علی کے لئے تسلیم کی ہیں ان میں سے ایک کی مانند بھی دوسروں میں نہیں پائی جاتی

شمس العلماء: علی میں ہم صرف دو باتوں کی کسر پاتے ہیں ایک تو ان کی نوعمری کی

ہم:۔ یہ کسر یوں نظر آئی ہے کہ شمس العلماء کے سامنے محبت شیخین کے پردے پڑے ہوئے ہیں ہی جناب شمس العلماء اقرار کر چکے ہیں کہ ان کی اصابت رائے پر پیغمبر کو بھی اعتماد تھا کہ نوعمری میں انکو بارہا قاضی بنا کر

بھیج دیا تھا اسی لئے ہم نے اس فقرے پر خط کھینچ دیا ہے اور یہاں وہ نوعمری کو عدم حصول خلافت کی وجہ بیان کرتے ہیں - خیال کرنا چاہیے کہ جس کی اصابت رائے پر پیغمبر کو اعتماد کلی ہو حضرت شمس العلماء ان کے ہم مذہب اسے قابل اعتماد خیال نہیں فرماتے تعجب ہے اور سخت تعجب ہے - دوم یہ امر بھی دیکھنے کے قابل ہے کہ حضرت امیر کی عمر اسوقت اکتیس یا بتیس برس کی تھی اس سن کے آدمی کو اگر نوعمر کہا جائے تو شباب کا زمانہ کونسا ہوگا - کہولت کسوقت آئے گی اور شیخوخت کا کونسا زمانہ شمار ہوگا حالانکہ انسانی عمر کا اوسط کم ہم چالیس برس ہے - اطبا کے نزدیک تیس برس تک جسم انسانی میں نشو ونما باقی رہتا ہے یا یوں کہو کہ شباب اپنی بہاریں دکھایا کرتا ہے اس کے بعد گھٹتی کا پہرا ہوتا ہے جسے زمانہ کہولت کہتے ہیں - پھر شیخوخت جس میں آدمی ستیرا بہترا ہو جاتا ہے اور اسی آخری حصہ میں ابوبکر صاحب مسند خلافت پر رونق افروز ہوئے پھر یہ امر بھی لائق غور ہے کہ شباب میں تمام قوائے عقلیہ بھی مستشباب پر ہوتے ہیں اور ایک جوان آدمی جو کام کر سکتا ہے خصوصاً انصرام سلطنت وہ کرم خوردہ بوڑھے سے کبھی ممکن نہیں وہ اگر کچھ کام کر سکتا ہے تو محض اپنی تجربہ کی بنا پر بشرطیکہ اس کا دماغ بھی صحیح ہو اور انحطاط و اختلال نے خزانہ حافظہ کو لوٹ نہ لیا ہو حکمائے حال کا جو یہ قول ہے کہ ساٹھ برس کے بعد انسان کو دنیا میں رہنے کا حق ہی نہیں وہ اسی بنا پر ہے کہ وہ پھر ایک لایعقل محض ہو جاتا ہے اور جوں جوں عمر بڑھتی ہے - یہ عدم تعقل بھی اپنی رفتار تیز کرتا جاتا ہے پس شمس العلما کا یہ ارشاد کہ علی نوعمری کی وجہ سے قابل خلافت نہیں تھے اسی اصابت رائے کا نتیجہ ہے جو پیرانہ سری میں انسان کو لاحق ہو جاتی ہے -

شمس العلماء - دوسرے اس بات کی کہ اسلام کو جو کچھ فروغ حاصل ہوا تو وہ اکیلے علی کی ذات سے ہوا نہیں اس میں کتنے مہاجرین کتنے انصار شریک تھے

ہم - افسوس جو کنواں حضرت شمس العلماء دوسروں کے لئے تیار کرنا چاہتے ہیں وہ خود ان کے سامنے آجاتا ہے اگر مہاجرین و انصار کی اسلامی خدمات مساوی تھیں (جو فی الحقیقت نہیں تھیں) تو ابوبکر نے کس بنا پر گدی سنبھال لی یہ ترجیح بلا مرجح کیسی -

شمس العلماء - علی نے جوش میں دوسروں کے تعلقات دوسروں کی خدمات پر ذرا بھی نظر نہیں کی

ہم - شمس العلماء ابھی ابھی بیان کر آئے ہیں کہ علی کو جو خلافت کی توقع تھی تو کوئی اسکو توقع بیجا

یا فزوں تر از استحقاق دان لفظوں کو جانچا جائے تو نہیں کہہ سکتا اور یہاں یہ فرماتے ہیں کہ دوسرں کے حقوق پر واجبی نظر نہیں کی یعنی بے محل اور بیجا طور پر خلافت کے امیدوار ہوئے کس قدر دلربا تناقض واقع ہوا ہے ہم اس مقام پر وہ . . . حافظ تباشند والا مقولہ تو چسپاں کرنا نہیں چاہتے مگر ہاں پیرانہ سری کو اس تناقض کا ذمہ دار گردانتے ہیں۔

شمس العلماء: اور کچھ افتاد ایسی آکر پڑی کہ ان کی امیدواری سرسبز نہوئی اور وہ سرسبز ہونے والی تھی بھی نہیں۔

ہم: حضرت اسی افتاد نے تو اسلام کی ہڈیاں شکستہ کردیں۔ بے شک اُن کی امیدواری سرسبز نہیں ہوئی اور ہونے والی تھی بھی نہیں۔ کیونکہ اہل دنیا کی آنکھوں کو حرص وہوا کی سوزن نے سی دیا تھا جب وہ تمام حقوق پیغمبر کو فراموش کرکے ان کے جنازے کو چھوڑ چھاڑ سقیفے میں پہنچ گئے اور لگے اسی پیچھے کہ علی کو یہ منصب نہ مل جائے تو پھر اُن کی امیدواری کیونکر ہو سکتی تھی۔

شمس العلماء: خلافت علی کی تائید میں شیعہ صاحبان جو احادیث پیش کرتے ہیں اگر وہ موضوع نہ بھی ہوں تاہم کسی ایک سے بھی صاف طور پر استخلاف ثابت نہیں ہوتا۔

ہم: صاف طور پر استخلاف ثابت نہیں ہوتا تو کیا معناً ہوتا ہے پھر آپ معناً ہی تسلیم کریں

شمس العلماء: سب میں قوی تر وہ حدیث ہے جس میں الفاظ من کنت مولاہ فعلی مولاہ واقع ہیں تو لفظ مولی بہت سے معانی میں مستعمل ہوتا ہے برادر عم زاد۔ آقا غلام آزاد دوست وناصر ومددگار یہاں آقا اور دوست اور ناصر ومددگار کے معنی مراد لئے جا سکتے ہیں اور کوئی سے معنی بھی مراد لو استخلاف ثابت نہیں ہوتا

ہم: اس مقام کو ہم پہلے بھی لکھ آئے ہیں اور اب بھی عرض کرتے ہیں کہ جب بقول شمس العلماء آقا کی معنی لئے جا سکتے ہیں پھر کیوں استخلاف ثابت نہیں ہوتا شمس العلماء کو عقل سے کام لینا چاہئے عقل سے یہ مولا اسی معنی میں ہے جس میں خدا نے فرمایا ہے انما ولیکم اللہ ورسولہ الخ ہر مختلف المعنی لفظ کے معنی سیاق کلام سے سمجھ میں آیا کرتے ہیں۔

شمس العلماء: جن لوگوں کے روبرو اور جن کی جماعت میں پیغمبر صاحب نے ایسا فرمایا اُن میں سے کسی نے بھی خلافت کے وقت پر اس حدیث سے استدلال نہ کیا۔

ہم استدلال کون کرتا وہ ایسے بیوقوف نہیں تھے کہ استدلال کرکے اپنی ہی بنائی دیوار کو ڈھا دیتے وہ بطور خود تو کیا استدلال کرتے جب انکو یہ جتایا جاتا تھا اسوقت بھی اُنکے منہ سے کلمہ حق نہ نکلتا تھا ملاحظہ کیجئے۔ ملا جامی شواہد النبوۃ میں بضمن حالات جناب امیر رقمطراز ہیں کہ روزی با حاضران مجلس سوگند داد کہ ہر کہ از رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم شنیدہ است کہ گفتہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ گواہی دہد دوازدہ تن از انصار حاضر بودند گواہی دادند یکی دیگر کہ آنرا از رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم شنیدہ بود اما گواہی نداد حضرت امیر کرم اللہ وجہہ فرمود کہ اے فلاں تو چرا گواہی ندادی یا آنکہ تو ہم شنیدہ گفت من نیز شنیدہ ام والا فراموش کردہ ام امیر دعا کرد کہ خداوندا اگر این شخص دروغ میگوید بہ سفیدی بر بشرہ وے ظاہر گرداں کہ عمامہ آنرا نپوشاند راوی گوید کہ واللہ من آں شخص را دیدم کہ سفیدی برص درمیان دو چشمان وے پیدا آمدہ۔

ملا صاحب نے اس جگہ اس کتمان شہادت حقہ کرنے والے کا نام ظاہر نہیں فرمایا مگر دوسرے طرق سے معلوم ہوگیا ہے کہ وہ جابر ابن عبداللہ انصاری تھے اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ مجلس ابوبکر کا واقعہ تھا جابر نے بہ پاسداری ابوبکر اس شہادت کو چھپایا۔ کیونکہ اسے بحرین کا مال رشوۃً مل چکا تھا۔ پھر ملا صاحب فرماتے ہیں کہ زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ گفتہ است کہ من در آں مجلس با شش آں حاضر بودم و من نیز از آں جملہ بودم کہ شنیدہ بودم اما گواہی ندادم و آں را پنہاں داشتم خدائے تعالے روشنی چشم من ببرد و گویند کہ ہمیشہ بر فوت آں شہادت اظہار ندامت میکرد و از خدائے تعالے آمرزش میخواست۔

یہ تھا حال صحابہ کا جس پر شمس العلماء فرما رہے ہیں کہ انھوں نے خلافت کے وقت پر کیوں اس حدیث سے استدلال نہ کیا۔

شمس العلماء: اللہم الا ان یقال کہ سب نے جان بوجھ کر پیغمبر صاحب کے حکم صریح کے خلاف کیا اور اسکو تو عقل قبول نہیں کرتی کہ ایسا فرض کر لیا جاں نثار اطاعت گزار صحابہ کی شان کے خلاف ہے۔

ہم: فاضل شمس العلماء کو واقعات سے بحث کرنی چاہئے واقعات سے۔ واقعات کے سامنے خوش اعتقادی کی دال نہ گلی ہے نہ گلے گی واقعات صاف ظاہر کر رہے ہیں کہ صحابہ نے حکم پیغمبر سے عدول کیا اور شمس العلماء فرماتے ہیں کہ اسکو عقل قبول نہیں کرتی پھر اس سے کیا بحث آپ کی

عقل قبول نہیں کرتی نہ کرے اُنھوں نے تو یقیناً ایسا ہی کیا اس سے زیادہ عدول حکمی کیا ہوگی کہ پیغمبر نے اہلبیت کی اطاعت کا حکم دیا اور وہ اہلبیت کو مطیع کرنے پر تُل گئے۔

شمس العلماء: یہ کہنا آسان ہے کہ وہ سرے سے مسلمان ہی نہ تھے بہ نسبت اس کے کہ پیغمبر کے حکم سے سرتابی کرتے تھے

ہم: جناب شمس العلماء تو اس مسئلہ کو اتنی اہمیت دے رہے ہیں جس کا حد و پایان نہیں اور بے شک اس سے شمس العلماء کی ایک خاص قوت ایمانی کا اندازہ ہوتا ہے کہ خلاف ورزی حکم رسول کو ایک امر اہم سمجھ رہے ہیں مگر افسوس یہ کہ شمس العلماء قصہ قرطاس کو ہی دیکھ لیں کہ حکم پیغمبر سے سرتابی ہوئی یا نہیں اب شمس العلماء کو اختیار ہے کہ سرے ہی سے اِن کو مسلمان نہ مانیں اور مسلمان مان کر انہیں حکم خدا و رسول سے خلاف عمل کرنے والے تسلیم کریں۔

شمس العلماء: بلکہ ہمارا تو یہ خیال ہے کہ خود علی اپنے تئیں منصوص بالخلافۃ نہیں سمجھتے تھے اور سمجھے ہوتے تو عین وقت پر اپنا دعوے پیش کرتے وقت پر پیش نہیں کر سکتے تھے تو ابوبکر اور عمر کی دو خلافتوں میں ان کو کافی مہلت ملی تھی۔

ہم: یہ خیال محض خیال ہی خیال ہے اور وہ بھی خام علیؑ ضرور اپنے کو منصوص بالخلافہ سمجھتے تھے اور عین وقت پر دعوے پیش کرنے سے اگر شمس العلماء کی یہ مراد ہے کہ وہ سقیفے میں جاکر ان لوگوں سے کہتے سنتے تو اس کا ابطال ہم پہلے کر چکے ہیں باقی ابوبکر و عمر کی خلافت کے زمانہ میں علیؑ نے برابر اپنے دعوے کو پیش کیا ہے خود شمس العلماء نے فدک کی بحث میں تسلیم کیا ہے کہ علیؑ کو جب دعوے خلافت میں ناکامی ہوئی تو اُنھوں نے اس دعوے کو فدک کی صورت میں پیش کیا۔ پھر خدا جانے ایک امر کا اقرار کر کے انکار کیوں کیا جاتا ہے

شمس العلماء: پس سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ حضرات شیعہ نے اپنے معتقدات کی پچ کے لیے ایک بات بنائی ہے۔ مدعی سست گواہ چست اور کیا علیؑ کے اتنے سکوت ممتد کو خیار پر محمول نہیں کر سکتے۔

ہم: معتقدات کی پچ اُسوقت کہی جا سکتی ہے کہ جب شیعہ کسی امر خلاف واقعہ کے قائل ہوتے مدعی سست گواہ چست کی مثل شیعوں پر صادق نہیں آتی بلکہ سواد اعظم پر آتی ہے کہ ابوبکر صاحب تو فرماتے

ہیں اقیلونی اقیلونی لست بخیرکم وعلی فیکم اور یہ حضرات ہیں کہ ان پر جان دیے دیتے ہیں پھر یہ بھی دیکھو کہ سکوت ممتد بھی رضامندی پر محمول نہیں ہوا کرتا کیونکہ بسا اوقات انسان زمانہ کو اپنے خلاف دیکھ کر اپنے حق سے ساکت ہو رہتا ہے اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ وہ فی الحقیقۃ حقدار ہی نہیں اور یہاں تک تو کرّات ومرّات جناب میر اپنی حیثیت کو ظاہر کرتے رہے ہیں۔

شمس العلماء: اب شمس العلماء واقعہ قتل عمر صاحب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ انھوں (عمر) نے لاعلی التعیین چھ شخص تجویز کئے علی۔ عثمان۔ طلحہ۔ زبیر۔ عبدالرحمان بن عوف۔ سعد ابن ابی وقاص کہ یہ چھ ہم صلاح ہو کر اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنالیں۔

ہم: اسی کمیٹی کے تقرر سے عمر صاحب کی نیک فطرتی ظاہر ہوتی ہے انہیں خوب معلوم تھا کہ یہ کمیٹی کسی صورت میں علی کو اعتبار نہ کرے گی علی کو اس کمیٹی میں جو شریک کیا گیا تھا وہ نیک نیتی پر مبنی نہ تھا بلکہ وہ اُن کے قتل کا بہانہ تھا کیونکہ آپ نے یہ بھی فرما دیا تھا کہ اگر چار شخص ایک طرف ہوں اور دو ایک طرف تو ان دونو کو قتل کردو یا سب ایک طرف ہوں اور ایک تن واحد ایک طرف ہو تو اس کی گردن اُڑا دو اور ساتھ ہی عبدالرحمان بن عوف کو میر مجلس بنا کر یہ بھی کہدیا تھا کہ اگر باہم اختلاف ہو تو عبدالرحمن جسے پسند کرے اسی پر اتفاق کرنا اور عبدالرحمان کو جو عثمان سے نسبت تھی وہ کسی پر مخفی نہیں۔ عمر صاحب اچھی طرح جانتے تھے کہ علی ان لوگوں سے اتفاق رائے نہ کریں گے اور اس طرح قتل ہو جائیں گے۔ مگر اس رنگ برنگ کی خلافت کو دیکھئے کہ کہیں فرضی اجماع ہے کہیں استخلاف کہیں پنچایت اور خصوصاً پنچایت کے مقرر کردہ خلیفہ نے تو وہ غضب ڈھائے کہ اسلام کی بساط ہی الٹ کر رکھدی

شمس العلماء: مجوزہ یہ روداد کہ ابوبکر اور عمر دونوں نے خلافت کو اپنی نسلوں میں چلانا نہیں چاہا۔ حالانکہ دونوں کے فرزند کام سنبھالنے کے لئے قابل اور صحابی تھے بین ثبوت اس بات کا ہے کہ دونوں نے خلافت کے بارے میں نیک نیتی سے وہ کیا جس کو اسلام کے لئے مفید سمجھا

ہم: غلط اور بالکل غلط وہ ضرور ایسا کرتے مگر زمانے نے انہیں موقعہ ہی نہیں دیا اور اگر وہ ایسا کرتے تو ہم یہ سمجھتے کہ پالٹکس سے انہیں ذرا بھی مس نہیں تھا حالانکہ وہ اس فن کے ماہر خیال کئے جاتے ہیں۔ دیکھئے حضرت ابوبکر ایسے تو خدا کے فضل سے اولاد ذکور سے خالی نہیں تھے مگر

دیکھنا یہ ہے کہ ان میں کوئی اس قابل بھی تھا اس کا جواب بالکل نفی میں ملتا ہے حضرت طرہ یہ کہ جو صاحبزادے محمد کچھ ہونہار بھی تھے وہ تھے علی کے طرفدار چلئے خاتمہ ہوا اب رہی اولاد اناث ممکن ہے حضرت عائشہ کے لئے مسند نشینی تجویز کی جاتی کیونکہ ایک تو رسول کی زوجہ دوسرے اپنی پارہ جگر۔ ایک چھوڑ دو دو شرف اور وہ آپ کے مشن کو انجام بھی خوب دیتیں اور دیا بھی باوجود مسند نشین نہ ہونے کے ایک جرار فوج کی کمانڈر انچیف بن کر جنگ جمل کی بانی ہوئیں تو مسند نشینی کی صورت میں خدا جانے کیا کر گزرتیں مگر دقت یہ ہے یہ طریقہ رسم ورواج ملک کے خلاف تھا اب سوائے اس کے چارہ ہی نہ تھا کہ عمر صاحب کو اپنا ولیعہد بنائیں جس میں دو فائدے تھے ایک تو یہ کہ جناب اول کو یہ خوب معلوم ہو کہ ہمارے اس مشن کو کہ خلافت بنی ہاشم میں نہ جانے پائے اور اس خاندان کو ابھرنے کا کبھی موقع نہ دیا جائے عمر صاحب سے بہتر کوئی انجام نہیں دے سکتا۔ دوم یہ کہ وہ حضرت دوم کے ساختہ پرداختہ تھے اس احسان سے بھی سبکدوشی ضرور تھی لہذا انھوں نے بقول شمس العلماء انتخاب کا دڑبہ ہی پھونک دیا اور عمر صاحب کو اپنا جانشین فرمایا۔ پھر یہ بھی دیکھو کہ اگر ابوبکر صاحب اپنے خاندان میں خلافت کو چھوڑنے کا ارادہ کرتے تو آگے عمر صاحب کونسی ایسی کچی گولیاں کھیلے ہوئے تھے کہ وہ اُن کے اس فعل کو بطیب خاطر گوارا کرتے اب رہے خود عمر صاحب ان کے ایک صاحبزادے تو وہی تھے جن کا نام نامی ابو شحمہ تھا جن پر حد زنا جاری ہوئی تھی جس پر صاحبزادے نے یہ بھی اعتراض کیا تھا کہ مجھ پر وہ شخص حد لگائے جس نے تمام عمر میں کبھی زنا نہ کیا ہو اس فقرے کو سنکر بڑے بڑے صحابی گردنیں ڈال گئے تھے۔ مگر اس حجت بیجا کو تو دیکھئے اور پھر باپ کی طرف تو نظر اٹھائیے جو اس وقت مسند رسولؐ پر جلوہ گر تھے۔ جھڑک کر اتنا نہ کہا گیا کہ خدا نے جہاں اجرائے حد زنا کا حکم دیا ہے کیا وہاں یہ بھی فرمایا ہے کہ کوڑے مارنے والا معصوم ہی ہو صاحبزادے اس حجت سے صاف بچ نکلے تھے مگر اتفاق وقت سے جناب امیر مع حسنین علیہم السلام موجود تھے آپ نے اپنے جگر بندوں سے فرمایا کہ اٹھو تم اس پر حد جاری کر دو اور سن اے ابو شحمہ خدا کے سامنے جا کر کہہ دینا کہ مجھ پر ان شخصوں نے حد جاری کی ہے جن سے کسی قسم کا گناہ سرزد نہیں ہوا یہیں سے مسئلہ عصمت پر بھی ایک عمدہ روشنی پڑ رہی ہے یہ صاحبزادے تو اس کردار کے تھے دوسرے تھے عبداللہ ابن عمر سو اُن کے واقعات زندگی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک نہایت ہی معمولی دماغ کے آدمی تھے وہ اس منصب کو ہرگز نہیں سنبھال سکتے تھے

مشہور قول ہے اہل البیت ادری بما فی البیت بیٹے کی قابلیت باپ سے پوشیدہ ہو اس کے کیا معنی عمر صاحب نے کبھی کوئی ملکی خدمت انہیں تفویض نہیں فرمائی ورنہ ایک قابل آدمی کی خدمات سے فائدہ نہ اٹھایا گیا یعنی جبیر نہ شرعاً و عقلاً اعتراض ہو سکتا ہے نہ عرفاً اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ ان میں ملکداری کا سلیقہ ہی نہ تھا۔ اب فرمایے عمر صاحب کیا کرتے آدمی عقلمند تھے خلافت کو ایک ایسے جھیلے میں چھوڑ گئے جس سے نکل ہی نہ سکے چنانچہ اسی تجویز سے بنی امیہ کا دور دورہ ہو گیا اور منبر رسول زید ابن زیاد جیسے نااہلوں کے پاؤں سے روندا گیا۔

شمس العلماء بھلا ابوبکر اور عمر کی دفعہ تو علیؑ سے پوچھا گیا۔ عثمان کی دفعہ تو چھ امیدواروں میں ایک علی بھی تھے اور خلیفۂ انتخاب میں موجود۔ اس پر بھی علیؑ کو خلافت نہ ملی تو گویا قسمت یا نصیب

ہم :- حضرت شمس العلماء ایمان کی یہ ہے کہ ہمارے پاس وہ لفظ نہیں ہیں جو اس کمیٹی کے مقرر کرنے والے کی مدح سرائی میں صرف کر سکیں ہمارے امام برحق نے اس کمیٹی کی نسبت فرمایا ہے فیا للشوریٰ حضرت امیرؑ نے اس کمیٹی کے سامنے اپنی ایک ایک فضیلت کو ظاہر کیا اور اپنا استحقاق جتایا مگر میر مجلس جو عبدالرحمان بن عوف تھا جو بہنوئی عثمان کا با مصالحہ جدا جانے کیا تھا۔ مگر ایسا ہی کچھ تھا اسی کے ہاتھ میں اس کمیٹی کی کل تھی اور خلیفہ صاحب آنجہانی کی وصیت کے موافق یہی شخص مامور تھا کہ اختلاف کی صورت میں عبدالرحمان کی رائے پر عمل ہو اور اس کے مخالف کی گردن ماری جائے۔

شمس العلماء اس کو منجانب اللہ نہیں تو اور کیا کہا جائے کہ چھ امیدواروں میں سے تین نے تین کو منتخب کیا طلحہ نے عثمان کو زبیر نے علی کو سعد نے عبدالرحمن کو۔ عبدالرحمان نے کیا انکار اب رہ گئے دو علی اور عثمان یہ دونو ایک دوسرے سے کسی طرح ہٹنے والے نہ تھے تو عبدالرحمان نے کہا مجھ پر چھوڑ دو کہ میں تم دونوں میں سے جس کو چاہوں اختیار کر لوں دونوں نے کیا منظور۔ عبدالرحمان نے یہ قول لیکر عثمان کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ علی زبان دے چکے تھے ان کو بھی بیعت کرنی پڑی دو دفعہ تو دعوے کرنیکا موقع تھا تیسری دفعہ ملا تو وہ یوں خالی گیا

ہم تو پہلے ہی کہہ آئے ہیں کہ عبدالرحمان جس کو خلیفہ صاحب نے حکم مقرر کیا تھا وہ کبھی چوکنے والا نہ تھا بیشک اس تیسری مرتبہ بھی علی کو محروم کر دیا گیا جبھی علیؑ نے عباسؓ سے کہا کہ آج پھر یہ کچھ ظلم نہیں ہے بلکہ پہلے ہی سے ایسی ہوتی چلی آرہی ہے بس ختم شد

شمس العلما ر:- عثمانی خلافت کی تو ہم کہتے نہیں ابوبکر و عمر کی دو خلافتیں اس قابل نہیں کہ اسلام کی تاریخ میں ان کے حالات سونے اور چاندی کے حرفوں میں لکھے جائیں

ہم کیوں عثمانی خلافت میں شاید پانی مرتا ہے - لیکن ہم بادب عرض کرتے ہیں کہ اگر وہ غوراور تجسس کی آنکھ سے دیکھیں گے تو دونوں سابقہ خلافتوں کو بھی ایسا ہی پائیں گے ان کی فتوحات معمولی اسی قسم کی ہیں جیسے کہ سلطان اپنی مملکت کی توسیع یا مال غنیمت کے لئے کیا کرتا ہے - بیش بریں نیست کہ انہیں محمود غزنوی کا ہم پلہ مان لیا جائے - اہلسنت کے ہاں ایک حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دین کی ایک شخص فاجر کے ساتھ تائید کرے گا ہمارے خیال میں تو یہ حدیث حضرت شیخین کے زمانے پر صادق آتی ہے -

شمس العلمار کا آخری فیصلہ

اور

اسپیر سمار اریمارک

اب تمام ابتدائی واقعات کو ذرا کاٹ چھانٹ کے ساتھ تحریر فرماتے ہوئے جناب شمس العلمار شیعہ اور سنیوں کے متعلق اپنی رائے ظاہر فرماتے ہیں جس پر ایک تنقیدی نظر ڈالتے ہوئے ہم بھی اس رسالہ کو ختم کرتے ہیں۔

شمس العلما ر اب ہمکو صرف ایک ہی بات اور لکھنی ہے کہ پیغمبر صاحب کے رفقا یعنی اصحاب اور صحابہ میں اُن کے بعض ذوی القربیٰ بھی داخل ہیں

ہم کیا بات فرمائی ہے - سبحان اللہ عروندان تو جملہ در دہان اند

شمس العلما ر غرض پیغمبر صاحب کے اصحاب میں ایسی رنجشوں کے ہونے سے جن کا حاصل نتیجہ مہا خونریزی اور آجل زوال سلطنت اسلامی اصحابہ کے تقدس اور پیغمبر صاحب کی تعلیم پر کسی طرح کا حرف تو نہیں آتا۔

ہم:- خدا آپ کا بھلا کرے اب ہم بادب آپ سے التماس کرتے ہیں کہ آپ نے نہایت زور وشور اور وثوق کے ساتھ فرمایا تھا کہ صحابہ نے پیغمبر کے حکم سے سرتابی نہیں کی اور اس سرتابی کو

زیب بہ محال قرار دیا تھا بلکہ یہ فرمایا تھا کہ اس سرکشی کی بابت یہ کہنا آسان ہے کہ وہ سرے سے اسلام ہی نہ لائے تھے۔ اب فقط آپ سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ کیا پیغمبر نے یہی حکم دیا تھا جس پر عمل کریگا عاجل نتیجہ خونریزی اور آجل زوال سلطنت اسلامی ہوا ہمارا کیا آپ کا ایمان بھی اس بات کو قبول نہ کرے گا تو پھر یہ کیا لازم آیا دیکھئے کہ دنیا طلب تھا بہ نزدیک سرگروہ جناب جنہیں کہ پیغمبر کے خلاف رستہ اختیار کیا نعوذ مقصود اور یہ بھی خوش اعتقادی ہے کہ ایک شخص خدا اور رسول کے حکم کے برخلاف رستہ چلے اور پھر بھی اس کا تقدس ہونے کا توں قایم ہے۔ یہ آپ نے بالکل سچ فرمایا کہ اس سے پیغمبر صاحب کی تعلیم پر حرف نہیں آتا بلکہ اگر یہ موجودہ حالت کو چھوڑ کر صریح کفر اختیار کر لیتے تو بھی کسی قسم کا حرف نہ آسکتا تھا کیونکہ پیغمبر ان لوگوں کو ایمان کی حالت پر قایم رکھنے کے ذمہ دار نہیں تھے۔

شمس العلما اسی الزام سے بچنے کے لئے شیعوں نے تو یہ پہلو اختیار کیا کہ پیغمبر صاحب کی قرابت قریبہ کے خیال سے علیؑ کی خلافت کو شرط ایمان قرار دیا بایں طور کہ "والذین آمنوا اشد حباً للہ" کی رو سے ایمان نام ہے حب اللہ کا اور حب اللہ منحصر ہے حب الرسول میں اور حب رسول حب ذوی القربیٰ یعنی حب علی میں اور حب علی ان کی خلافت میں۔

ہم:- آپ کا یہ ارشاد بالکل غلط ہے کہ شیعوں نے اس الزام سے بچنے کے لیے یہ پہلو اختیار کیا ہے بلکہ شیعوں کے عقائد کی بنا ہے ارشاد خدا پر۔ فرمودہ رسول پر۔ کیا خدا کا فرمان نہیں قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودة فی القربیٰ کیا پیغمبر نے وقت آخر نہیں فرمایا انی تارک فیکم الثقلین کیا علی سرتاج ذوی القربیٰ نہیں اور کیا پیغمبر نے اپنی زندگی میں انہیں اپنا وارث اپنا وزیر اور مثیل اپنے مومنین کا مولا نہیں فرمایا جسے ہم اس رسالہ میں ظاہر کر چکے ہیں جب شمس العلماء ان واقعات اور صریحی واقعات کا ابطال کر چکیں جو مسئلہ ختم ہو جائے اسوقت انہیں یہ رائے قائم کرنی لازم ہے

شمس العلما: شیعوں نے علیؑ اور ان کے معدودے چند اعوان کے سوائے صحابہ کے جم غفیر میں سے کسی سے کچھ سروکار نہ رکھا نہ کسی کے رشتہ کا خیال کیا نہ اسلامی خدمات کا نہ عمر کا نہ کارگذاری کا سلیقہ ملک داری اور ملک گیری کا

ہم:- شیعوں کو علیؑ اور ان کے معدودے چند اصحاب ہی کافی ہیں اور آپ کو بھی اس پر اعتراض کرنیکا حق حاصل نہیں۔ کیونکہ آپ تسلیم کر چکے ہیں اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم یعنی میرے اصحاب تاروں

کی مانند ہیں ان میں سے جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے پس ہم علیؑ کی ہی اقتدا کرتے ہیں جو ہر طرح واجب الاقتدا ہے۔ باقی رہے۔ رشتے ناتے وغیرہ وغیرہ۔ سو یہ ہرگز قابل لحاظ نہیں جبکہ یہ لوگ اپنے طرز عمل سے ثابت نہ کر دکھائیں کہ یہ رسول کے سچے پیرو ہیں۔ ہمیں ایسے لوگوں کی کوئی ضرورت نہیں جو بضعۃ رسول کا دل دکھائیں۔ رسولؐ کے مرتے ہی اسپر مصائب و آلام کا دروازہ کھولدیں رہا سلیقہ ملک داری و ملک گیری۔ اگر حکم رسول کے تحت رہ کر اس سلیقہ کو پیش کیا جاتا تو ہم اسے سر آنکھوں پر جگہ دیتے ورنہ فلا رسول اللہ نے ہمیں سٹر گلیڈ سٹون کی اطاعت کا حکم نہیں دیا

شمس العلما: اور صرف اس وجہ سے کہ علیؑ کو وہ اولی اور ثالثہ میں خلافت نہ ملی اس بحث نہیں کہ کیوں نہیں ملی۔

ہم: یہ بھی غلط ہے اگر امر صرف علیؑ کے خلافت نہ ملنے پر منتہی ہوجاتا جب بھی ہم شاید شکایت کے لب نہ کھولتے مگر علیؑ کے خلافت نہ ملنے سے آل رسول کا قلع قمع ہوگیا جن کی اقتدا کا حکم رسول نے دیا تھا اور امر ہدایت باطل ہو کر رہ گیا اسی لئے ہم خلافت علیؑ کو جزو ایمان جانتے ہیں اور اس حق کے لینے والے کو غاصب کہتے ہیں اور مسلمانوں کی سرگردانی کا بار اسی کی گردن پر رکھتے ہیں باقی رہا یہ امر کہ علیؑ کو خلافت کیوں نہ ملی ہم نے اس کو خوب سوچا یہی نظر آیا کہ ان کی خلافت سے جناب شیخین کی امیدوں پر پانی پھرا جاتا تھا

شمس العلما: اور اس سے بحث ہے کہ علیؑ نے کیوں نہیں مطالبہ کیا

ہم: شمس العلما رہ رہ کر چاند پر خاک ڈالنا چاہتے ہیں یہ آپ نے سن کس سے قوف سے لیا کہ علیؑ نے مطالبہ نہیں کیا ذرا ہاتھوں کو تکلیف دیجئے تاریخ کی کتابیں اٹھائیے اور آنکھوں کی زحمت گوارا فرمائیے اسوقت کوئی رائے قایم کیجئے۔

شمس العلما: اور مزے میں غاصبان خلافت کی فتوحات سے متمتع ہوتے رہے کہ یہ دلیل رضا ہے۔

ہم: اگر مان بھی لیا جائے کہ علیؑ غاصبان خلافت کی فتوحات سے متمتع ہوئے تو بھی یہ دلیل رضا نہیں کیونکہ وہ خلافت کے سچے وارث تھے وہ اس کے سچے حقدار تھے اگر اس میں سے کچھ انہیں مل گیا اور انھوں نے لیا تو اپنا حق لیا اور بقیہ کا مظلمہ غاصبین کی گردن پر رہا۔ فرض کر لیجئے

کہ ایک شخص آپ کی املاک زبردستی چھین لے اور پھر یہ کہے کہ میں تو صرف یہ قطعۂ زمین آپ کو دیتا ہوں اور آپ اس کو لے لیں کہ بھاگتے چور کی لنگوٹی ہی سہی تو کیا آپ کے اس طرز عمل سے ہم یہ استدلال کر سکتے ہیں کہ آپ اس غاصب سے رضامند ہو گئے۔ ہرگز نہیں۔

شمس العلماء: غرض صرف اس وجہ سے کہ علیؑ کو خلافت نہ ملی لگے خلفائے ثلثہ اور جم غفیر صحابہ کی تکفیر کرنے۔

ہم: صرف علیؑ کو خلافت کا نہ ملنا ہماری اور بعض جی کیا یوں کہیے خدا اور رسولؐ کی زیادہ ناخوشی کا باعث نہیں بلکہ حقیقت امر وہ ہے جو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں اب رہی خلفائے ثلثہ اور جم غفیر صحابہ کی تکفیر سو تکفیر تو ہم کرتے نہیں مگر ہاں حسب ارشاد رسول جسے علمائے اہلسنت نے روایت کیا ہے اتنا یقین رکھتے ہیں کہ ان لوگوں میں شرک و کفر دبیب النمل (چیونٹی کی چال) سے بھی زیادہ پوشیدہ تھا

شمس العلماء: اس سے ہمارا دل شیعیت کی طرف سے تو کھٹا ہو گیا

ہم: دنیا میں اگر دل کھٹا ہو گیا تو مضائقہ نہیں مگر خوف یہ ہے کہ کہیں قیامت کے دن دانت نہ کھٹے ہو جائیں۔ کیونکہ شیعیت انہیں عقائد پر قائم ہے جو خدا اور رسول نے تعلیم فرمائے ہیں۔

شمس العلماء: اور ہم نے سمجھا کہ ایسا عقیدہ رکھنے سے تو بات کہیں سے کہیں جا پہنچتی ہے

ہم: یہ سب آپ کے توہمات ہیں۔ یہ بات کہیں پہنچتی ہے نہ پہنچاتی ہے۔ ان لوگوں نے اگر احکام خدا و رسول کی خلاف ورزی کی تو اس سے رسول کی تعلیم پر حرف آ ہی نہیں سکتا یہ آپ کا سمجھنے کا پھیر ہے

شمس العلماء: کہ شیعہ لوگ جن لوگوں کی تکفیر کرتے ہیں

ہم: آپ غلط فرماتے ہیں۔ تکفیر ہرگز نہیں کرتے مگر ہاں انہیں دائرہ ایمان سے خارج سمجھتے ہیں اور ہر مسلمان کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ مومن بھی ہو اور بشارات الٰہی متعلق ہیں مومنین سے نہ کہ ہر دو صحابہ سے

شمس العلماء: پیغمبر صاحب تادم مرگ ان کو اپنے ساتھ لگائے لپٹائے رہے کہ بے انکی صلاح کے لقمہ نہیں توڑتے تھے کیا وہ دوست دشمن میں امتیاز نہیں کرتے تھے معاذ اللہ لوگوں کے ساتھ ان کا برتاؤ منافقانہ تھا منہ پر کچھ دل میں کچھ

ہم: شمس العلماء کوئی ایسا واقعہ ہند دکھا سکیں گے جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ رسول اللہ کو ان سے کوئی خاص خصوصیت تھی اور وہ ان کی صلاح کے بغیر لقمہ نہیں توڑتے تھے رسول اللہ مامور من اللہ تھے نہ کہ

مامورمن عمر وغیرہ رسول اللہ دوست اور دشمن میں ضرور امتیاز کرتے تھے مگر مصلحت وقت کا ہرگز یہ تقاضا نہیں تھا کہ دشمنوں کو علیٰ الاعلان اپنی مجلس میں سے نکالدیں گو آخر وقت میں نکال بھی دیا ہے رسول اللہ کا برتاؤ لوگوں کے ساتھ معاذ اللہ منافقانہ نہیں تھا بلکہ لوگوں کا برتاؤ ان کے ساتھ منافقانہ تھا کہ منہ پر کچھ دل میں کچھ جس کی شہادت کے لئے قرآن کافی ہے شمس العلماء کو ان آیات پر نظر کرنی چاہیے جو منافقین سے متعلق ہیں آخر یہ بھی تو مسلمانوں میں ملے جلے ہی تھے اور رسول اللہ کے ہر حال میں ہمراہ رہتے تھے اور رسول اللہ بظاہر ان کے ساتھ کوئی برا برتاؤ نہ کرتے تھے شیعوں کے متعلق لکھنے کے

بعد اب شمس العلما اہل سنت کی طرف ڈھلتے ہیں

شمس العلما رہے اہل سنت والجماعت ان کی یہ ادا تو ہم کو بہت ہی پسند ہے کہ یہ لوگ ذوی القربیٰ اور صحابہ سب کا ادب اور قرابتہ قرابتہ کی جگہ اور خدمات خدمات کی جگہ قدر کرتے ہیں ہمارے پیر صاحب کہا کرتے تھے من احبہم فبحبی احبہم ومن ابغضہم فببغضی ابغضہم [1]

بمہر علی گرچہ محکم پیم   زعشق عمر نیز خالی نیم

ہم ذوی القربیٰ کا تو نام ہی اگر شمس العلماء نہ لیں تو بہت اچھا ہے۔ ذوی القربیٰ کی قدر جیسی کچھ اہل سنت کے ہاں ہے وہ معلوم ہے جب ان کے پہلے ہی پیر طریقت نے رسول اللہ کے سامنے ذوی القربیٰ یعنی اہلبیت کی اطاعت سے حسبنا کتاب اللہ کہہ کر انکار کر دیا تھا تو اہل سنت کو جرات کیونکر ہو سکتی ہے کہ وہ ذوی القربیٰ سے تمسک ہو سکیں ہاں ہر ایک صحابی پر خواہ وہ فاسق وفاجر ہو زانی ہو بدکار ہو جان چھڑکنے کے لئے تیار ہیں اور اپنے اس فعل کا حسن ثابت کرنے کے لئے وہ جتنی حدیثیں وضع فرمائیں تھوڑی ہیں رہا مہر علی اور عشق عمر کا ایک دل میں قیام یہ اسی دل سے ممکن ہو سکتا ہے جو لا الٰہ الا اللہ بھی کہے اور روقت پر لات وعزیٰ کی سنگ آستان بھی جبیں سائی کرے والسلام

شمس العلما یہ تو سب کچھ صحیح اور صحیح مگر ان لوگوں نے صحابہ کی باہمی رنجش کی معمولی توجیہ نہ بن پڑی تو سرے سے رنجش ہی کا انکار (انکار بداہتہ) کر بیٹھے کہ ان بزرگوں میں باہم کسی طرح کی ناخوشی تھی ہی نہیں اور جسکو لوگوں نے ناخوشی سمجھا وہ صرف اختلاف رائے تھا اختلاف میں جو ریسر غلط تھا بشر بن نیت کہ اُس نے جہاد

---

[1] جو ان صحابہ کو دوست رکھتا ہے تو مجھ سے محبت رکھنے کی وجہ سے ان کو دوست رکھتا ہے اور جو ان سے دشمنی کرتا ہے تو مجھ سے دشمن رکھنے کی وجہ سے ان سے دشمنی کرتا ہے۔ ١٢-١٢

maablib.org

ہیں خطا کی پھر بھی اُس کے لئے اجر کی بشارت ہے کیونکہ اجتہاد ایسا جوا ہے جس میں یہ صفت بھی اتفاق
ہوا مثلاً عایشہ اور علی میں جو دلی کدورت تھی اور اسی کدورت کی وجہ سے جنگ جمل کا وقوع ہوا تھا
جس میں طرفین کے تیرہ ہزار آدمی مارے گئے تھے اور مقتولین عوام الناس نہیں ہیں بلکہ اکثر صحابی اور عباد اور
حفاظ۔ اہلسنت بے تامل کہدینگے کہ علی اور عایشہ میں کچھ بھی رنجش نہ تھی لوگوں کے بہکانے سکھانے سے دونوں
لشکروں میں اتفاقیہ مٹھ بھیڑ ہو گئی (مگر آپ نے بھی تو جنگ جمل کا ذکر کرتے ہوئے اس رائے سے تمسک
کیا ہے جو تعجب سے خالی نہیں) فاضل شمس العلماء نے اہلسنت کو مخاطب کرکے جو یہ فقرے رقم فرمائے ہیں
یا آیندہ جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کے ذمہ دار اہلسنت ہیں ہمیں انکی نسبت کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں اس میں کسیطرح
کا شک نہیں کہ شمس العلماء نے اس قابل قدر تالیف امہات الامہ میں ایک اچھی حد تک واقعات پر روشنی
ڈالی ہے۔ گو بعض جگہ تصرف کیا ہے اور بے محل تاویلیں جیسا کہ فرمائی ہیں جنپر کچھ ہمیں قلم زنی
کی ضرورت ہوئی اور بحمد اللہ ہمنے اس خدمت کو انجام تک پہنچا دیا پھر بھی جناب شمس العلماء ہمارے دلی
شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اکثر واقعات کو من وعن میدان میں لا رکھا اہل نظر خود دیکھ لینگے اور ان
پر شمس العلماء کی ذاتی رائے کی پابندی لازمی نہ ہوگی جو اکثر جگہ واقعات کے خلاف قائم کی گئی ہے اس
تالیف پر جہاں تک غائر نظر ڈالی جائے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شمس العلماء شیعوں کو بھی خوش رکھنا چاہتے ہیں
اور سنیوں کو بھی بلکہ سنیوں کی بھی خوشنودی اُن کو بیانتک مد نظر ہے کہ وہ تمام باتیں لکھ لکھا کر ایک
غلط مسالک کی تائید کرتے ہیں سو شیعہ تو ہر حال میں بھی ان سے خوش ہیں۔ مگر افسوس ہے سنیوں کی
حالت پر کہ انھوں نے ایسے شخص کے لئے جو ان کے دم سطحی سینہ سپر ہوا تھا کفر کا فتوی تجویز کیا اور اسے
جگہ جگہ شائع کیا گیا اور اس بات سے نظر ٹال لی کہ عقلا کی نظر میں آجکل یہ فتوی بازیاں کیا حیثیت رکھتی
ہیں اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ کیسے تاریک تعصب میں گرفتار ہیں یہ اپنے معتقدات کے خلاف ایک لفظ
سننا نہیں چاہتے اور نہ اسکا رد کرنا نہیں جانتے اور رد تو جب کریں جب کچھ دم ہو دود ہو وہاں تو خیر سے
بنیاد ہی اینٹ ہی ایسی کچی رکھی گئی ہے کہ اب لاکھ استرکاری کی جائے اس کی خامی ہنوز جھلکی ان لوگوں کو
یہ سہولت ہے کہ اُٹھے اور کفر کے فتوے لکھ دیے جس میں ہینگ لگی نہ پھٹکری نہ غور و فکر کی ضرورت ہوئی
دماغ کو تکلیف دینی پڑی۔ قلم اُٹھایا سیاہی لی اور کاغذ پر دو حرف لکھدیے۔ ہمارا ایک اور بھی خیال ہے
وہ یہ کہ ان کو صاحب یوسف کی تکفیر کرتے ہوئے نہایت آزادی کے ساتھ علمائے سواد اعظم کے برخلاف

حضرت عائشہ کا تبرا یا جرح ثابت کیا گیا ہے۔ بس یہی مقام بس کی گانٹھ ہے اور اسی پر برہم ہو کر ان بیچارے
کفر کا فتویٰ تجویز ہوا ہے فتوے دینے والوں نے جو یہ بہانہ شامل کیا ہے کہ ممدوح نے اہلبیت کی شان میں
بے ادبی کی ہے یہ محض بہانہ ہی بہانہ ہے کیونکہ شمس العلماء نے جو فاطمہ کی ضد کو تبراہٹ یا یہ کہ پیغمبر کی اولاد
ذکور کو اگر زندہ رہتی تو وہ پسر نوح ثابت ہوتی یا یہ کہ فاطمہؑ کی اولاد سے اسلام میں تفریق ہو گئی
یا اور کوئی ایک آدھ فقرہ لکھا ہے وہ اہلسنت کے لیے باعث اعتنا نہیں ہو سکتا کیونکہ آج کل بہت سے لوگ
علی و فاطمہؑ اور دیگر اہلبیت کے لئے وہ وہ لفظ استعمال کر رہے ہیں جن سے بدتر کوئی لفظ کسی لغت میں دستیاب
نہیں ہو سکتا۔ پس اگر شمس العلماء عائشہ صاحبہ کا تبرا یا جرح اور تبراہٹ ثابت نہ کرتے تو انکی کتاب کو بہت
مقبولیت حاصل ہوتی پھر ساتھ ہی یہ ذہن میں آتا ہے کہ شمس العلماء نے جو اکثر حالات منظر عام میں لکھ دئے
ہیں جنہیں اہلسنت چھپاتے چلے آتے تھے دگو شیعوں نے تو مدت سے ان کا یہ راز آشکارا کر دیا ہے مگر کسی
اہل قلم نے ان واقعات کو اس صفائی کے ساتھ نہیں لکھا تھا مثلاً قصہ قرطاس وغیرہ یہ امر بھی ان کے
اشتعال کا باعث ہوا ہے تعجب ہی سے شمس العلماء کو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ کس قسم کا گروہ ہے جس کے نزدیک
سچی بات کا منہ سے نکالنے والا خارج از اسلام ہے حالانکہ ان لوگوں کو خود اسلام سے مس نہیں اور یہ جانتے
ہی نہیں کہ اسلام کس شے کا نام ہے۔ تقلید کا پٹہ ان کی گردنوں میں پڑا ہوا ہے اور یہ کورانہ تقلید کے سہارے
اسی ایک ڈگر پر چلے جا رہے ہیں جو یقیناً تاریکی اور جہالت کے غاروں پر جا کر ختم ہوتی ہے ان لوگوں
کو آزادی رائے کی ہوا تک نہیں لگی۔ آزادی خیالات تک نہیں چھو تک نہیں گئی جنکے نزدیک کتب تاریخ کا مطالعہ
ممنوع ہو جنکے عالم یہ فتوے دیتے ہیں کہ واعظ پر شہادت حسینؑ کا ذکر حرام ہے کیونکہ اس سے صحابہ کا بغض
دلوں میں پیدا ہوتا ہے جو لوگ یہ کہیں کہ صحابہ میں جو باہم اختلاف ہوئے ان کا ذکر حرام ہے انہیں کی طرح دشمنی
پیچھے رہنے دو استغفر اللہ ایسے لوگوں سے انصاف کی امید اور جواب کی توقع ہو سکتی ہے یہ لوگ حجت کے
مقابلہ میں بالکل مردہ ہیں اور انہوں نے اپنے لیے اس موت کو پسند کر لیا ہے جو حجت سے واقع ہوئی ہو۔ ہمیں شمس العلماء
کی اس کتاب میں جہاں جہاں اپنے خیال کے برخلاف کوئی فقرہ پایا ہے انکو بطرز احسن باطل کرنے کی کوشش کی ہے اور اسکو
ہم پسند کرتے ہیں ساتھ ہی اس کے یہ بھی ہے کہ اگر ہماری یہ کوشش غلط ثابت کر دی جائے تو ہم بڑی خوشی سے اس غلطی کو
تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں کیونکہ ہم ہمیشہ سے دلیل و حجت کی بنا پر زندہ رہے ہیں اور اسی پر ہم زندہ رہنا چاہتے ہیں
اور ہمارے نزدیک یہی اچھی زندگی ہے والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

تمت بالخیر